مغل دور سے لے کر انگریزوں کے دور حکومت تک مغلیہ حکومت کی مکمل تاریخ

ہندوستان پر مغلیہ حکومت

مفتی شوکت علی فہمی

مغل دور سے لے کر انگریزوں کے
دورِ حکومت تک مغلیہ حکومت کی مکمل تاریخ

ہندوستان پر مغلیہ حکومت

مصنف : مفتی شوکت علی فہمی

سٹی بک پوائنٹ
نوید اسکوائر، اردو بازار، نزد مقدس مسجد، کراچی
Ph: 2762483

فہرست

مفتی شوکت علی فہمی کی اس کتاب سے پہلے ہمارا ادارہ
ہندوستان پر اسلامی حکومت شائع کر چکا ہے۔ ہندوستان پر
اسلامی حکومت خاصی مقبول ہوئی۔ مفتی صاحب کی دوسری کتاب
ہندوستان پر مغلیہ حکومت شائع کرنے کا اعزاز بھی ہمارے
ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب کی تاریخ پر گہری نظر ہے
امید ہے کہ جیسے ان کی پہلی کتاب مقبول ہوئی اس کتاب کو بھی وہی
مقبولیت حاصل ہو گی۔ ہمارا ادارہ ان کی مزید کتابوں کی تلاش
میں ہے۔ جیسے ہی ان کی بقایا کتب ہمیں مل گئیں فوراً شائع کر دی
جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو مفتی صاحب کی کسی بات سے
اختلاف ہو اور یہ ہر پڑھنے والے کا حق ہے۔
ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی ان کی تمام باتوں سے متفق
ہو۔ ہمارا کام تو نادر و نایاب کتب کا شائع کرنا ہے۔

ادارہ

دیباچہ

اس کتاب میں ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے عروج وزوال اور انگریزی راج کے قیام پر بڑی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اس تاریخ کو کم سے کم اوراق اور الفاظ میں اس قدر مکمل بنا کر پیش کیا جائے کہ اس تاریخ کے مطالعے کے بعد ناظرین دوسری بڑی بڑی تاریخوں کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں۔

اپنی سابقہ تاریخی تصنیف کی طرح اس زیرنظر تصنیف میں بھی میں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں جتنے بھی واقعات بیان کئے جائیں وہ صرف ہندوستان کی ان مستند تواریخ سے ماخوذ ہوں جن کو کہ ہندوستان کے ہر طبقے اور ہر جماعت میں قابل اعتبار تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے مجھ کو بے شمار فارسی اور غیرزبان کی تاریخوں سے مدد لینی پڑی ہے۔ جن کی طویل فہرست اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔

اس تاریخ کی تیاری میں، میں نے اس بات کا پوری طرح خیال رکھا ہے کہ جن قوموں اور بادشاہوں کے حالات بھی درج کئے جائیں وہ صحیح اور مستند ہوں۔ لہذا میں نے اس کتاب میں ہندوستانی بادشاہوں اور ہندوستانی اقوام کی تمام اچھائیوں اور برائیوں کو بے کم وکاست درج کر دیا ہے چنانچہ جن میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں تھیں ان کے دونوں پہلو پیش کر دیئے ہیں تاکہ دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد ان کے بارے میں ناظرین خود ہی جیسی چاہے رائے قائم کرلیں۔

اس صاف اور سچی تاریخ کے شائع کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ان تمام غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے زہر کو دور کیا جائے جن کو مغربی اور متعصب مورخوں نے صرف اس لئے پھیلایا تھا تاکہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں زیادہ سے زیادہ نفرت پیدا کی جائے۔ اس ملک کا ہر معقول اور انصاف پسند باشندہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ متعصب مورخوں نے ''ہندوکشی'' کا الزام لگانے کے معاملے میں ان مغل بادشاہوں کو بھی نہیں بخشا۔ جن کا فرقہ پرستی سے دور کا بھی واسطہ اور تعلق نہ تھا بلکہ اگر ان کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہندوؤں اور غیرمسلموں کو خوش کرنے کے معاملے میں اس قدر

آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے دائرہ اسلام سے نکل کر اپنا ایک جداگانہ اور نرالا مذہب اور مسلک اختیار کرلیا تھا لیکن حیرت ہے کہ پھر بھی ان کو ''ہندو کش'' کہا جاتا ہے۔

مغل بادشاہوں پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی تمام غیر مسلم طاقتوں کو کچل کر رکھ دیا اور تقریباً تمام غیر مسلم خود مختار حکومتوں کو مٹا ڈالا۔ لیکن اگر مغل تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ جس زمانے میں بابر نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے اس سے بہت قبل ہندوستان کی تقریباً تمام ہندو حکومتیں اپنی خودمختاری کھو چکی تھیں جو باقی رہ گئی تھیں وہ یا تو سابقہ مسلمان بادشاہوں کی باجگزار تھیں یا سابقہ مسلم حکومتوں کے کمزور ہونے کے بعد نئے سرے سے کھڑے ہونے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ چنانچہ مغلوں نے ہندوستان میں آنے کے بعد ان کو مٹانے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی۔ البتہ مغلوں کی یہ خواہش ضرور رہی ہے کہ وہ سب کی سب مغلوں کی دوست اور باجگزار بن جائیں۔ چنانچہ جو ہندو ریاستیں دوست بن گئیں مغلوں نے ان کو خوب نوازا لیکن اودے پور جیسی ریاستیں جو بغاوتیں برپا کرتی رہیں ان سے مغلوں نے جنگ بھی کی اور یہ جنگ کسی مذہبی تعصب کی بناء پر نہیں تھی بلکہ اس کی تہہ میں صرف حکمرانی اور بالادستی کا جذبہ کارفرما تھا۔

مغل تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مغلوں نے غیر مسلموں سے کہیں زیادہ مسلمان فرمانرواؤں کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں چنانچہ راجپوتوں، مرہٹوں اور سکھوں سے تو شاید مغلوں کی معمولی معمولی چند لڑائیاں ہوئی تھیں۔ اس کے برخلاف لودھی پٹھانوں سے بہت بڑی بابر کی جنگ ہوئی۔ دوسری معرکہ کی جنگ ہمایوں کو سوری پٹھانوں سے لڑنی پڑی۔ اکبر کو مالوہ میں باز بہادر کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی۔ اودھ، بہار، بنگال اور گجرات کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف ایک دو نہیں بلکہ درجنوں معرکہ کی لڑائیاں اکبر کو بار بار لڑنی پڑیں۔ مغلوں نے نہ کشمیر کے مسلم بادشاہوں کو بخشا اور نہ افغانستان کے آزاد قبائل ہی کو چھوڑا چنانچہ ان کے خلاف سخت سے سخت لڑائیاں لڑی گئیں اور اورنگزیب نے تو اپنی تقریباً ساری عمر ہی دکن کے مسلمان خودمختار بادشاہوں کے کچلنے پر صرف کردی۔ چنانچہ اورنگزیب نے نہ عادل شاہی حکومت کو چھوڑا اور نہ قطب شاہی سلطنت ہی کو گوارہ کیا اور نہ دکھن کے دوسرے مسلم فرمانرواؤں ہی کو یہ مغل بادشاہ دیکھ سکا چنانچہ اس نے اپنی زندگی کے 26 سال دکن کے مسلمان بادشاہوں کو ختم کرنے پر صرف کردیئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مغلوں نے غیر مسلموں سے چند لڑائیاں محض تعصب کی بناء پر لڑی تھیں تو مسلمان حکمرانوں سے یہ سینکڑوں لڑائیاں آخر انہوں نے کس مقصد کے لئے لڑیں۔ کیا یہ بھی کسی مذہبی تعصب کی بناء پر لڑی گئی تھیں سچ تو یہ ہے کہ مغلوں کو مذہبی تعصب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن وہ ملک گیری کا بے پناہ جذبہ ضرور رکھتے تھے اور اسی جذبے کے ماتحت یہ

تمام لڑائیاں لڑی گئیں۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ مہارانا اودے چند راجہ بودھ پوار تمام راجپوت راجہ مغلیہ حکومت کے خلاف مل کر بغاوت کر دیں تو کوئی جرم نہیں لیکن ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے اگر مغل فوجیں بھیجی جاتی ہیں جن میں راجپوت سردار اور ہندو سپاہی بھی کثرت سے شامل تھے تو مغلوں پر ''ہندوکشی'' کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سیواجی اور اس کے جانشین اگر مغلوں کے علاقوں کو تاراج کر کے رکھ دیں تو کوئی بات نہیں لیکن جب مرہٹوں کو غیر آئینی سرگرمیوں سے باز رکھنے کے لئے جسونت سنگھ اور جے سنگھ کو متعین کیا جاتا ہے تو اس معاملے کو بھی ''ہندو دشمنی'' قرار دے دیا جاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ دنیا کی کوئی بھی ذمہ دار اور مضبوط حکومت اپنے ماتحت راجاؤں کی یا رعایا کی اس نوعیت کی باغیانہ سرگرمیوں کو برداشت کر سکتی ہے۔ اگر اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا تو پھر مغلوں نے اگر اس نوعیت کی بغاوتوں اور شورشوں کو دبانے کے لئے قدم اٹھایا تو اس خالص جنگی اور سیاسی معاملے کو خواہ مخواہ مذہبی رنگ دے دینا کیا کھلی ہوئی تاریخی بددیانتی نہیں ہے۔

مغل بادشاہوں کو بے بنیاد واقعات کے ذریعے جہاں متعصب مورخوں نے بدنام کیا ہے وہاں ہندو راجاؤں کے درباری بھاٹوں نے بھی ان کی رسوائی میں بہت زیادہ حصہ لیا ہے۔ ان بھاٹوں کا کام ہی یہ تھا کہ وہ مسلمان بادشاہوں کو ظالم اور جابر ظاہر کریں اور ہندو راجاؤں کو دھرماتما ثابت کرتے ہوئے ان کی شان میں قصیدے پڑھیں۔ ان بھاٹوں کی دروغ بافی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ''کویتاؤں'' میں ہر جگہ ہندو راجاؤں کو اونچا کر کے دکھایا ہے اور مسلمان بادشاہوں کو خوار و ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی گپ بازی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اکبر جیسے ہندو نواز بادشاہ کو بھی نہیں بخشا اور اس پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا جب تک کہ ہندو مقتولین کے پانچ من وزنی جینو روزانہ اس کے سامنے پیش نہ کر دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان بھاٹوں نے مغل بادشاہوں کو یہ کہہ کر بھی مطعون کیا ہے کہ یہ راجپوت راجکماریوں کے ڈولے زبردستی اٹھوا کر اپنے محل میں منگوا لیتے تھے حالانکہ مغل تاریخ میں ایک بھی ایسا واقعہ موجود نہیں کہ کسی مغل بادشاہ نے زبردستی کسی راجپوت راجکماری پر ہاتھ ڈالا ہو۔ اس کے برخلاف سیواجی کے بیٹے سمبھاجی پر رعایا کی بہو بیٹیوں کے اغواء اور بالجبر عصمت دری کے بے شمار ناقابل تردید الزامات موجود ہیں چنانچہ سیواجی نے اپنے بیٹے کو بدچلنی کی بنا پر سخت ترین سزا دی تھی۔

اس چیز کا ہم کو اقرار ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مغلوں نے ضرور راجپوت لڑکیوں سے شادیاں کیں لیکن یہ شادیاں نہ تو نفس پرستی کی خاطر ہوئیں اور نہ کسی مذہبی تعصب کی بنا پر بلکہ یہ خالص سیاسی شادیاں تھیں جن کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں اور ہندوؤں میں نہ

ٹوٹنے والا بین الملتی رشتہ قائم ہو جائے چنانچہ ان شادیوں سے یہ فائدہ پہنچا کہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے ابتدائی دور حکومت تک راجپوتوں اور مسلمانوں کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار رہے۔ ان بین الملتی شادیوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ تمام شادیاں ہندو رسم و رواج کے مطابق ہوئیں اور کسی ایک ہندو راجکماری پر بھی تبدیلی مذہب کے لئے زور نہیں دیا گیا بلکہ ان کی مذہبی دلنوازی یہاں تک کی گئی کہ محل کے اندر ان کے لئے چھوٹے چھوٹے مندر تک بنوا دیئے گئے۔ ان حقائق اور واقعات کے باوجود بھی اگر مغلوں کو بدنام کیا جاتا ہے تو کیا یہ کھلا ہوا ظلم نہیں ہے۔

متعصب مورخوں نے اور ہندو راجاؤں کے درباری بھاٹوں نے مغل بادشاہوں میں سب سے زیادہ جس بادشاہ کو مطعون کیا ہے وہ اورنگزیب ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگزیب سابقہ مغل بادشاہوں کے مقابلے میں زیادہ کٹر مسلمان تھا۔ لیکن کٹر مسلمان ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ غیر مسلموں کا دشمن بھی ضرور ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح اورنگزیب نے بھی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری برتنے کی حتی الامکان پوری کوشش کی ہے چنانچہ جب تک راجا جے سنگھ زندہ رہا، اورنگزیب نے اس کے مقابلے میں مسلمان جرنیلوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اپنے بیٹوں تک کا اعتبار نہیں کیا۔ جسونت سنگھ جیسے ازلی باغی راجا کو اس نے کابل جیسے اس اہم صوبے کا گورنر بنا دیا تھا جہاں سو فیصد کٹر مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اورنگزیب نے کٹر مسلمان ہونے کے باوجود اپنے بیٹے معظم کی شادی راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے بڑی خوشی کے ساتھ کی تھی۔ اس کے علاوہ خود اس کے محل میں راجپوت رانی بائے اودے پوری موجود تھی جس پر اورنگزیب اپنی تمام بیگمات سے زیادہ مہربان تھا۔

اورنگزیب پر ایک بے بنیاد الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ مندروں کا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن اس کی "مندر دشمنی" کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ وہ دکھن میں 26 برس رہا اور اس نے ایلورا کے ان تاریخی مندروں کو کبھی ہاتھ نہ لگایا جو آج بھی نوادرات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے زمانے کے ایک دو نہیں آج بھی ہزاروں مندر ہندوستان میں موجود ہیں اگر وہ مندروں کا دشمن ہوتا تو یہ مندر کیسے باقی رہ جاتے۔ اس کے برخلاف اورنگزیب کے مرنے کے بعد جب راجپوت راجاؤں نے بغاوت کی تو انہوں نے جی بھر کر مسجدوں کو توڑا۔ اسی طرح سکھوں نے جب پنجاب میں شورش برپا کی تو مسجدوں پر بری طرح سے ہاتھ صاف کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اورنگزیب ایک کٹر مسلمان ضرور تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح تعصب سے بڑی حد تک پاک تھا ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نے جزیہ کی تجدید کر کے ہندو عوام کو اپنے خلاف کھڑا کر لیا تھا لیکن جزیہ کی تجدید کے معاملے میں بھی اورنگزیب سے کہیں زیادہ وہ

ست نامی سادھو قابل الزام ہیں جنھوں نے اورنگزیب کے خلاف دھرم کے نام پر جنگ چھیڑ کر اسے مشتعل کر دیا تھا اور مشتعل ہونے کے بعد اس نے انتقامی جذبے کے ماتحت جزیہ کا ٹیکس غیر مسلموں پر عائد کر دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ست نامیوں نے ہندو دھرم کے نام پر یہ فتنہ کھڑا نہ کیا ہوتا تو شاید اورنگزیب کو جزیہ کا خیال بھی نہ آتا۔ چنانچہ آگے چل کر اورنگزیب کے جانشینوں نے جزیہ کے اس ٹیکس کو بھی اڑا دیا تھا۔

ہم کو اس چیز کا اعتراف ہے کہ انسانی مخلوق اور بادشاہ ہونے کے اعتبار سے مغلوں میں بہت سی خامیاں موجود تھیں اور ان کی حالت یہ تھی کہ یہ ملک گیری کے جذبے کے زیر اثر غیروں کا تو ذکر ہی کیا ہے اپنے بھائیوں، بیٹوں اور قریب ترین رشتہ داروں کا بھی سر قلم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں خوبیاں بھی بہت سی تھیں اور ان کی اس خوبی سے تو کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے ہندوستان میں جس مذہبی رواداری کا آج سے سینکڑوں برس پہلے ثبوت دیا ہے اس کی مثال موجودہ زمانے میں بھی تقریباً مفقود ہے۔ اس سب کے ہوتے ہوئے بھی اگر ان پر مذہبی تعصب کا الزام لگایا جائے تو غور فرمائیے کہ کتنی بڑی زیادتی ہے چنانچہ اس تاریخ میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ مغلوں کی سچی اور صحیح تصویر ملک کے سامنے پیش کر دی جائے تاکہ قارئین مغلوں کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیں کہ انہوں نے ہندوستان میں کس طرح فرمانروائی کی ہے۔

اس کتاب کا سب سے اہم حصہ وہ آخری باب ہے جس میں مغلیہ حکومت کے زوال کی تفصیلات درج ہیں اور جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انگریزوں نے مغلیہ حکومت کی ہڈیوں پر کس طرح برطانوی حکومت کی تعمیر شروع کی۔ اس باب میں انگریزوں کو بالکل عریاں کر کے پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ انگریزوں نے کس عیاری اور مکاری کے ساتھ ہندوستان کے برصغیر پر غاصبانہ قبضہ جمایا۔ اس باب کے مطالعے سے قارئین کو معلوم ہو جائے گا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں جس شرمناک اور عیارانہ سیاست سے کام لیا ہے، وہ انگریزوں کے پست کیریکٹر کا ایک ایسا غیر فانی نقش ہے جس پر نہ صرف انگلستان کی تاریخ بلکہ سارے یورپ کی تاریخ رہتی دنیا تک سرنگوں اور شرمسار رہے گی۔

اس باب میں جہاں انگریزوں کی عیاریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے وہاں ان غدار وطن ہندوستانی نوابوں اور راجاؤں کی وطن فروشیوں پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کی خود غرضیوں کی وجہ سے اس برصغیر کی آزادی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ یہ امر واقعہ ہے اگر ہندوستانی غداران وطن نے قدم قدم پر انگریزوں کے بازو مضبوط نہ کئے ہوتے اور خانہ جنگیوں میں مبتلا ہونے کے بعد خود ہی ہندوستانیوں نے اپنی طاقت کو ختم نہ کر لیا ہوتا تو ایک کلایو تو کیا ہزار کلایو بھی

ہندوستان میں برطانوی حکومت کی داغ بیل نہیں ڈال سکتے تھے۔

اب جبکہ ہندوستان کا برصغیر انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے اور یہاں دو خود مختار حکومتیں بن چکی ہیں۔ ان دونوں مملکتوں کے لیڈروں اور عوام کو انگریزوں کی ان تاریخی عیاریوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہماری آپس کی خانہ جنگی اور غیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جانے کی غلط پالیسی کیسے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آزاد ہونے کے باوجود یہ دونوں مملکتیں چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی ہیں اور دونوں مملکتوں کو نقصان پہنچانے کے لئے بیرونی طاقتیں برابر شطرنجی چالیں چل رہی ہیں لہٰذا ہم کو چاہیے کہ ہم گزشتہ واقعات سے سبق لیں اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کریں جن کی بنا پر ہم نے غیروں کو اپنے سروں پر مسلط کر لیا تھا۔

مجھ کو امید ہے کہ اس برصغیر کے باشندے اس تاریخ کے مطالعے سے پورا پورا سبق حاصل کریں گے اور ماضی کے آئینے میں اپنی کمزوریوں پر غور کرنے کے بعد اپنے مستقبل کو روشن اور شاندار بنانے کی ہر امکانی کوشش کریں گے اور آپس کی اس منافرت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے جو انگریزوں اور متعصب مورخوں کی پیدا کردہ ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ یہ فرقہ وارانہ منافرت ان دونوں آزاد مملکتوں کے لئے آج پہلے سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

نیاز مند

شوکت علی فہمی

پہلا باب

مغلیہ حکومت کا پہلا دور

933ھ (1526ء) تا 963ھ (1556ء)

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا بانی اول شہنشاہ ظہیر الدین بابر تھا۔ جس نے کہ نازک ترین حالات میں مبتلا ہونے کے باوجود مٹھی بھر سپاہیوں کے ذریعے اس برصغیر میں ایک ایسی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس کے فرمانروا صدیوں تک اس ملک پر بڑی شان اور دبدبے کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

ظہیر الدین بابر اپنے دور کا نہایت ہی حوصلہ مند بادشاہ گزرا ہے جو بار بار گرا اور گر گر کر سنبھلا جس نے سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں لیکن اس کی ہمت اور استقلال میں کبھی ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ بابر کی اولوالعزمی اور اس کی حوصلہ مندی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ فرغانہ کی چھوٹی سی ریاست کے ایک معمولی سے رئیس سے ترقی کرتے کرتے ایک بہت بڑی مملکت کا شہنشاہ بن گیا۔

بابر کے حالات زندگی پر اگرچہ ہم سابقہ تاریخ ''ہندوستان پر اسلامی حکومت'' میں پوری طرح روشنی ڈال چکے ہیں لیکن پھر بھی ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تاریخ میں بھی مغلیہ حکومت کے اولوالعزم بانی کی زندگی کا ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو مغلیہ حکومت کے دور اول کے واقعات سے بھی کسی نہ کسی حد تک واقفیت ہو جائے۔

بابر کا ہندوستان میں فاتحانہ داخلہ

ظہیر الدین بابر کی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح برصغیر ہندوستان کا بادشاہ بن جائے لیکن نہ تو اس کی مالی حالت ایسی تھی کہ وہ اتنے بڑے ملک پر حملہ کر سکتا اور نہ اس کی فوجی طاقت ہی قابل اطمینان تھی۔ اس لیے وہ ہندوستان پر حملے سے گریز کرتا رہا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ ہندوستان میں فاتحانہ داخلے سے قبل بار بار ہندوستان آتا رہا تھا اور یہاں آنے کے بعد برابر زمین ہموار کرتا رہا تھا تاکہ موقع ملتے ہی وہ ہندوستان پر یورش کر دے۔

بابر کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اسے زیادہ مدت تک انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ ہندوستان کی لودھی حکومت کے خلاف اچانک ہندوستانی امرا اور عمال میں سخت ناگواری پیدا ہوگئی اور یہ ناگواری اس حد تک بڑھی کہ لودھی حکومت کے عمال اور امرا نے بابر سے خواہش کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر کے لودھی حکومت کے ظالم حکمراں سے اس ملک کو نجات دلائے۔

بابر اس سنہری موقع کو کب ہاتھ سے کھونے والا تھا۔ چنانچہ اس نے کسی انتظار کے بغیر ایک مختصر سی فوج سے 933ھ (1526ء) میں ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ وہ پشاور اور پنجاب پر قبضہ جمانے کے بعد جب دہلی کی جانب بڑھا تو پانی پت کے تاریخی میدان میں اسے سلطان ابراہیم لودھی کے عظیم الشان لشکر سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ابراہیم لودھی کا لشکر اگر چہ بابر کی فوج سے دس گنا تھا لیکن وہ بابر کے بہادر سپاہیوں کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکا۔ ابراہیم لودھی اس جنگ میں مارا گیا چنانچہ لودھیوں کی اس شکست کے بعد ہندوستان سے لودھی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

بابر نے پانی پت میں فتح حاصل کرنے کے بعد دہلی کو زیر کیا۔ اس کے بعد اس نے آگرہ پر قبضہ جمایا اور پھر اپنی حکومت کی بنیادیں ہندوستان میں مضبوط کرنے کے لئے اس نے اور اس کے بیٹے ہمایوں نے جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ بہت کم مدت میں اس نے قلعہ سنبھل، اٹاوہ، قنوج، دھولپور، جلیسر، جونپور، کالپی بیانہ، قلعہ گوالیار فتح کر لیا۔ رانا سانگا کو شکست دی۔ میوات اور چندیری کو فتح کیا۔ بہار اور بنگال میں فتوحات حاصل کیں۔ غرض کہ چند سال کے اندر اندر بابر نے مغلیہ حکومت کو کافی وسعت دے دی۔ لیکن بابر کی عمر نے وفا نہیں کی۔ ابھی وہ مغلیہ حکومت کو پوری طرح مستحکم بھی نہ کرسکا تھا کہ 937ھ (1530ء) میں اس کا انتقال ہوگیا۔ بابر نے ہندوستان میں کل پانچ سال حکومت کی لیکن اس قلیل مدت میں وہ اپنے جانشینوں کے لئے ایک بہت بڑی سلطنت چھوڑ گیا۔

نصیر الدین ہمایوں کی تخت نشینی

بابر کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نصیر الدین ہمایوں 937ھ (1530ء) میں تخت پر بیٹھا تو اس کے بھائی مرزا کامران نے قندھار سے فوج کشی کر کے پشاور اور پنجاب کا سارا علاقہ دبا لیا ہمایوں ایک نہایت ہی نرم دل اور بھائیوں سے محبت کرنے والا بادشاہ تھا۔ اس نے بھائی کی اس جسارت پر اسے کچھ نہ کہا بلکہ مزید حصار فیروزہ کا علاقہ کامران کو دیدیا۔ اس کے علاوہ مرزا ہندال اور مرزا عسکری کو بھی ہمایوں نے اپنی سلطنت کے حصے عطا کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں ایک محدود اور چھوٹے سے علاقے کا بادشاہ بن کر رہ گیا۔ اب ہمایوں کو اپنے علاقے کو بڑھانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ اس نے کالنجر، چنار گڑھ،

گجرات اور مالوہ فتح کر لیا لیکن ہمایوں کی طاقت کیونکہ کمزور ہو چکی تھی۔اس لئے جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئیں اور ان بغاوتوں میں گجرات، مالوہ اور اکثر علاقے اس کے قبضے سے نکل گئے۔

ہمایوں کی شیر شاہ سے جنگ

ہمایوں جس زمانے میں مالوہ اور گجرات کی فتوحات میں مصروف تھا۔سہسرام کے ایک معمولی جاگیردار شیر شاہ نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔یہ ترقی کرتے کرتے بہار کا مختار مطلق بن بیٹھا تھا اور اس کے بعد شیر شاہ نے بنگال بھی فتح کر لیا۔ہمایوں کو فکر ہوئی کہ اگر شیر شاہ کی طاقت اسی طرح بڑھتی رہی تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ آگرہ پر بھی قبضہ جما لے چنانچہ ہمایوں نے 945ھ (1538ء) میں بنگال پر حملہ کر کے بنگال کو شیر شاہ کے قبضے سے نکال لیا لیکن وہ بنگال میں جا کر کچھ ایسا پھنسا کہ وہاں سے نو، دس مہینے تک نہ نکل سکا۔اس مدت میں آگرہ میں ہمایوں کے بھائیوں نے ہمایوں کو تخت سے محروم کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔یہاں تک کہ مرزا ہندال تخت نشین ہو گیا۔ادھر شیر شاہ نے سارے بہار پر قبضہ جما کر ہمایوں کی واپسی کا راستہ روک دیا۔چنانچہ جب ہمایوں بنگال سے آگرہ جانے کے لئے واپس ہوا تو راستے میں شیر شاہ سے شدید جنگ ہوئی۔اس جنگ میں ہمایوں بمشکل تمام اپنی جان بچا کر آگرہ پہنچ سکا۔

شیر شاہ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکال دیا

ہمایوں آگرہ ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ شیر شاہ آگرہ کی جانب آرہا ہے۔ہمایوں بھی اپنا لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لئے پہنچ گیا۔ہمایوں اور شیر شاہ کے لشکر میں 947ھ (1540ء) میں چوسہ کے میدان میں بڑے معرکے کی جنگ ہوئی۔اس جنگ میں ہمایوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ہمایوں جنگ سے بھاگ کر آگرہ آیا۔آگرہ سے فرار ہو کر دہلی گیا۔دہلی سے بھاگتا ہوا سرہند پہنچا۔سرہند کے بعد لاہور گیا لیکن شیر شاہ کے تعاقب کی وجہ سے اور بھائیوں کی غداری اور بے ایمانی کی بنا پر اسے لاہور سے بھی بھاگنا پڑا۔اس کے بعد ہمایوں سندھ گیا اور وہاں نئی حکومت بنانے کی دو سال تک کوشش کرتا رہا۔

ہمایوں ہندوستان میں نئی حکومت قائم کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ مارا مارا پھرتا رہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔آخر پریشان اور مجبور ہونے کے بعد 950ھ (1543ء) میں وہ ایران چلا گیا۔ہمایوں کابل اور قندھار اس لئے نہ جا سکا کیونکہ اس کے غدار بھائیوں نے پہلے ہی وہاں پہنچ کر حکومت پر قبضہ جما لیا تھا اور ہمایوں کے لئے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔اس لئے اسے مجبوراً غیر ملک میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ہمایوں کل دس سال ہندوستان میں حکومت کر سکا۔

شیر شاہ ہندوستان کا بادشاہ

شیر شاہ یوں تو ہمایوں کے فرار ہونے سے بہت قبل بنگال اور بہار میں اپنی بادشاہی اور خودمختاری کا اعلان کر چکا تھا لیکن ہمایوں کے فرار ہونے کے بعد 947ھ (1540ء) میں وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا اور اس نے ان علاقوں کو فتح کرنا شروع کر دیا جو ہمایوں کی کمزوری اور اس کے بھائیوں کی غداری کی وجہ سے نکل گئے تھے۔ بنگال، بہار اور جونپور پر تو شیر شاہ کا قبضہ پہلے ہی تھا اب ہمایوں کے فرار ہونے کے بعد دہلی، آگرہ اور اس کے مفصلات پر بھی وہ قابض ہو گیا۔ گوالیار بھی فتح کر لیا۔ پنجاب اور گجرات پر بھی شیر شاہ کا تسلط ہو گیا۔ مالوہ کو بھی اس نے زیر کر لیا اور اس کے بعد مارواڑ اور چتوڑ بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ غرض کہ وہ رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر چھا گیا لیکن 952ھ (1545ء) میں کالنجر کے محاصرے کے دوران اس کی اچانک موت کی وجہ سے جاری فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ شیر شاہ نے پندرہ سال تو امارت کی اور پانچ سال وہ ہندوستان کے بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔

شیر شاہ کی حکومت کا خاتمہ

شیر شاہ کے مرنے کے بعد ہی اس کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا کیونکہ اس کا بیٹا سلیم شاہ جو 952ھ (1545ء) میں تخت پر بیٹھا تھا اس وسیع حکومت کو نہ سنبھال سکا۔ سلیم شاہ نے اپنے خراب رویے کی وجہ سے ان سب پٹھانوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا جن کی جدوجہد اور کوشش سے شیر شاہ کو یہ وسیع حکومت ملی تھی چنانچہ اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر شاہ کی سوری حکومت دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ سلیم شاہ آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد 960ھ (1552ء) میں پیشاب بند ہونے کی بیماری سے مر گیا۔

سلیم شاہ کے بعد اس کا کمسن لڑکا فیروز شاہ تخت پر بیٹھا تو اسے فیروز شاہ کے سگے ماموں محمد شاہ نے ماں کی گود ہی میں بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔

اپنے کمسن بھانجے کو قتل کرنے کے بعد محمد شاہ 960ھ (1552ء) میں تخت پر بیٹھ گیا اور عادل کا لقب اختیار کیا لیکن یہ انتہا درجے کا عیاش اور ظالم تھا۔ اس نے عیاشی اور فضول خرچی پر سارا خزانہ لٹا دیا۔ ہیمو بقال کا عروج اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں ہوا۔ محمد شاہ عادل نے ہیمو بقال کو وزارت عظمٰی کے ساتھ ساتھ سپہ سالاری کا بھی عہدہ دے دیا تھا۔

شیر شاہ حکومت کے ٹکڑے

محمد شاہ عادل کے عہد حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس بادشاہ کی نالائقی کی وجہ سے شیر شاہ کی حکومت مندرجہ ذیل پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

(1) محمد شاہ عادل کے بہنوئی ابراہیم خان نے دہلی اور آگرہ میں بغاوت کر کے دہلی، آگرہ اور کالپی میں اپنی حکومت قائم کر لی اور عادل فرار ہو کر چنار چلا گیا۔

(2) محمد شاہ عادل نے دہلی اور آگرہ کی حکومت سے محروم ہونے کے بعد بہار، جونپور اور گنگا کے مشرقی علاقے کے بڑے حصے پر اپنی نئی بادشاہی قائم کر لی۔

(3) عادل کا دوسرا بہنوئی سکندر سور سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد پنجاب کا بادشاہ بن گیا۔

(4) عادل کا تیسرا بہنوئی سلطان محمد شاہ سور کا لقب اختیار کرنے کے بعد بنگال کا فرمانروا بن بیٹھا۔

(5) شجاعت خاں جسے سجاول خاں بھی کہتے ہیں وہ مالوہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔

ان پانچ حکومتوں کے علاوہ پٹھانوں نے جا بجا اپنی بے شمار حکومتیں قائم کر لی تھیں یعنی جو پٹھان جس علاقے میں بھی با اثر تھا، وہ وہاں کا مالک و مختار بن بیٹھا۔

ہمایوں کے ہاتھوں پٹھانوں کا خاتمہ

ہمایوں جو افغانستان کی حکومت پر قبضہ کر چکا تھا جب اس نے دیکھا کہ پٹھانوں کی خانہ جنگی اور بے عقلیوں کی وجہ سے شیر شاہ کی حکومت بالکل پاش پاش ہو چکی ہے تو اس نے ہندوستان پر دوبارہ چڑھائی کر دی۔ چنانچہ ہمایوں 962ھ (1555ء) میں دہلی اور آگرہ فتح کرنے کے بعد پھر اپنی آبائی سلطنت پر قابض ہو گیا۔

ہمایوں ہندوستان کا دوبارہ بادشاہ

ہمایوں کے حالات زندگی کے سلسلے میں ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ جب ہمایوں نے دیکھا کہ اس کے باپ کی وسیع مملکت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ ایک پناہ گزین کی حیثیت سے ایران چلا گیا۔ بیرم خاں اس غریب الوطنی میں اس کے ساتھ تھا۔ شاہ ایران نے اس کا ایسا شاندار خیر مقدم کیا کہ شاید اگر ہمایوں ہندوستان کا فرمانروا ہونے کی حالت میں بھی ایران جاتا تو بس ایسا ہی خیر مقدم ہو سکتا تھا۔ شاہ ایران نے اس کی تواضع اور مہمانداری کے لئے شاہی خزانے

کھول دیئے اور ایران کے ہر حصے میں اسے اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا گیا کہ ہمایوں اپنی غریب الوطنی اور ساری مصیبت کو بھول گیا۔

یوں تو ایرانی مہمان نوازی کے لئے ہمیشہ سے مشہور ہیں لیکن والئی ایران شاہ طہماسپ کا مقصد مہمان نوازی کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کے ذریعے قندھار واپس حاصل کر لے۔ اس کے علاوہ اس کی خواہش یہ بھی تھی کہ ہمایوں شیعہ مذہب کا پیرو بن جائے اور جب وہ اپنے ملک میں فرمانروا ہو تو اس مذہب کو فروغ دے۔ چنانچہ ہمایوں نے قندھار واپس دینے کا وعدہ کر لیا اور شیعہ مذہب کے اثرات بھی کسی نہ کسی حد تک قبول کر لئے۔ ایران میں قیام کے بعد جب اپنا ملک فتح کرنے کے لئے ہمایوں افغانستان جانے لگا تو شاہ طہماسپ نے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ بارہ ہزار سوار اور سامان جنگ دے کر اسے رخصت کیا۔

ہمایوں کا افغانستان میں فاتحانہ داخلہ

ہمایوں شاہ ایران سے رخصت ہونے کے بعد سیستان آیا اور سیستان میں پندرہ دن کے قیام کے بعد اس نے مرزا کامران کے علاقے گرم سیر میں داخل ہو کر ایرانی لشکر کی مدد سے اسے فتح کر لیا۔ وہاں سے ہمایوں قندھار گیا اور 7 محرم 952ھ (1545ء) کو اس نے قندھار کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے بھی تسخیر کر لیا۔

ہمایوں نے حسب وعدہ قندھار فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن ایرانیوں سے یہ خواہش کی کہ جب تک کابل فتح نہ ہو جائے قندھار پر ہمارا ہی تسلط رہنے دیا جائے تاکہ ہم کو یہاں سے کابل کی فتح میں امداد مل سکے گی مگر ایرانی نہ مانے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معمولی سی تکرار کے بعد قندھار بدستور ہمایوں ہی کے پاس رہا۔

قندھار کے زیر ہونے کے بعد مرزا عسکری مجرموں کی طرح معافی طلب کرنے آیا۔ ہمایوں نے اسے معافی دے دی مگر وہ جان کے خوف سے پھر فرار ہو گیا۔ مرزا ہندال قندھار کے قریب ہمایوں سے آن ملا تھا۔ ہمایوں نے اس کی خطاؤں سے درگزر کر کے اسے اپنے ساتھ لے لیا اور وہ آخر تک ہمایوں کی فتوحات میں شریک رہا۔ اب ہمایوں کابل کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ کامران نے ہر ممکن کوشش کی کہ ہمایوں کابل نہ فتح کر سکے۔ لیکن ہمایوں نے کابل کا محاصرہ اس قدر سخت کیا تھا کہ کامران 953ھ (1546ء) میں کابل چھوڑ کر فرار ہو گیا اور کابل پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔

کابل کی فتح کے بعد ہمایوں قلعہ میں آیا اپنے نور نظر اکبر کو کلیجہ سے لگایا اس وقت شہزادہ اکبر کی عمر دو سال دو مہینے اور آٹھ روز کی تھی۔ مریم زمانی بیگم بھی قندھار سے کابل آ گئی۔ بیگم کے آنے پر

شہزادہ اکبر کی ختنہ کی رسم بڑی دھوم دھام کے ساتھ انجام دی گئی۔ کابل سے فارغ ہونے کے بعد ہمایوں بدخشاں کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ بدخشاں فتح ہو گیا اور ہمایوں نے یادگار ناصر مرزا کو جو بڑا فتنہ پرداز تھا، قتل کرا دیا۔ اسکے بعد مرزا عسکری کو پکڑوا کر بلوا لیا اور اس کا قصور دوبارہ معاف کر دیا۔

ہمایوں کے لئے نئی پریشانیاں

بدخشاں کی فتح کے بعد ہمایوں ایسا بیمار ہوا کہ اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ہمایوں کا بیمار ہونا تھا کہ بھائیوں نے حسب معمول جا بجا بغاوتیں برپا کر دیں۔ لیکن ہمایوں کو جلد ہی صحت ہو گئی۔ ہمایوں کی بیماری ہی کے زمانے میں مرزا عسکری کو تو نظر بند کر دیا گیا تھا مگر مرزا کامران نے موقع ملتے ہی اچانک کابل پر قبضہ جما لیا۔ ہمایوں کو بڑی فکر ہوئی کیونکہ شہزادہ اکبر اور ملکہ مریم زمانی اور اس کے تمام متعلقین کابل ہی میں تھے۔ گو اس زمانے میں برف باری کی شدت تھی مگر ہمایوں کابل پہنچ گیا اور کابل کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ پر گولہ باری شروع کر دی۔

مرزا کامران نے قلعہ کو ہمایوں کی گولہ باری سے بچانے کے لئے شہزادہ اکبر کو پکڑ کر قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کو گولہ باری اور تیر اندازی بند کر دینی پڑی۔ لیکن ہمایوں نے محاصرہ بدستور قائم رکھا اور رسد و کمک کی ساری راہیں بند کر دیں۔ جس کی وجہ سے مرزا کامران قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور ہمایوں کو اس طرح 954ھ (1547ء) میں کابل پر دوبارہ فتح حاصل ہو گئی۔ کابل کی فتح کے بعد ہمایوں نے مرزا ہندال کو مرزا کامران کے تعاقب میں روانہ کیا۔ آخر مرزا کامران کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ ہمایوں نے اسے سینے سے لگایا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔ اس کے بعد ہمایوں بلخ کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔

ہمایوں جدید فتوحات میں مصروف تھا کہ کامران نے پھر بغاوت کر کے کابل پر قبضہ جما لیا۔ اب ہمایوں کو پھر ایک بار کابل کی فتح کے لئے اپنے لشکر کو حرکت میں لانا پڑا۔ کامران سے ہمایوں کی جنگ ہوئی۔ ہمایوں فتح یاب ہوا اور اس نے تیسری بار کابل فتح کر لیا۔ کابل کی فتح کے بعد ہمایوں نے اپنے مخالفین کو ایسی سخت سزائیں دیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دی تھیں۔ اسی دوران میں مرزا ہندال شورش پسندوں کو دبانے کی کوشش میں مارا گیا۔ جس سے ہمایوں کو بے حد رنج ہوا۔ کامران افغانستان سے فرار ہو کر شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ سے مدد لینے ہندوستان گیا مگر ناکام واپس آیا اور گرفتار ہو گیا۔ ہمایوں نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور اسے مکہ معظمہ بھیج دیا۔ عسکری فرار ہونے کے بعد کسی دور دراز مقام پر چلا گیا۔ قراچہ خاں اور محمد خاں جیسے فتنہ پرداز تہ تیغ کئے گئے اور ہمایوں کی حکومت بڑی دشواریوں کے بعد افغانستان اور اس کے مفصلات میں ایک بار پھر قائم ہو گئی۔

ہمایوں کی ہندوستان پر حملے کی تیاریاں

ہمایوں جس روز ہندوستان سے گیا تھا۔ وہ اسی دن سے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے بے چین تھا چنانچہ جوں ہی افغانستان کی حکومت اس کو ملی اور اس کو باغی بھائیوں اور سرداروں سے نجات حاصل ہوئی اس نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس وقت ہندوستان کی حالت یہ تھی کہ سارا ہندوستان بے شمار ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔ شیر شاہ کی حکومت کے زوال کے بعد پٹھان آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون بہا کر اپنی حکومتوں کی بنیادیں کھود رہے تھے۔ دہلی، آگرہ اور دارالسلطنت کے مفصلات کا یہ عالم تھا کہ وہاں کئی کئی پٹھان بادشاہ فرمانروائی کر رہے تھے اور ان کی آپس کی خانہ جنگی کا یہ نتیجہ تھا کہ آگرہ اور دہلی کا بادشاہ ادلتا بدلتا رہتا تھا۔ جس کو موقع مل جاتا تھا وہ آگرہ اور دہلی کے تخت پر جا بیٹھتا تھا۔ غرض کہ پٹھانوں نے آپس میں لڑ کر ہمایوں کی فتوحات کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور ہمایوں کو ان تمام واقعات کا علم تھا کیونکہ مغلیہ حکومت کے ختم ہو جانے کے باوجود بھی ہمایوں سے ہمدردی رکھنے والی ایک جماعت ہندوستان میں موجود تھی جو ہمایوں کو برابر ہندوستان کے حالات سے مطلع کرتی رہتی تھی۔

ہمایوں نے جب یہ محسوس کر لیا کہ ہندوستان کی فتح میں اب کوئی امر مانع نہیں ہے تو اس نے کابل سے ثمرقند، بخارا اور تمام اطراف میں خطوط بھیجے کہ ''جو اولوالعزم ہندوستان کے معرکہ میں میرے ساتھ شریک ہونا چاہیں وہ فوراً کابل پہنچ جائیں''۔ ان خطوط کا بھیجنا تھا کہ چندروز کے اندر ہمایوں کے پاس بہترین جنگجو سپاہیوں کا بہت بڑا لشکر فراہم ہو گیا۔ ہمایوں نے سب سے پہلے کابل اور دوسرے علاقوں کا انتظام مستحکم کیا تاکہ اس کے جانے کے بعد کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو سکے اور خود لشکر لے کر ذی الحجہ 961ھ (1554ء) میں پشاور کی جانب روانہ ہو گیا۔ بیرم خاں کو ہمایوں اس لئے کابل چھوڑ آیا تاکہ وہ کابل آنے والے باقی سپاہیوں اور سرداروں کو لے کر بعد میں آ جائے۔ اس مہم میں شہزادہ اکبر بھی ہمایوں کے ساتھ تھا جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔

ہمایوں کو ہندوستان میں فتح پر فتح

ہمایوں نے کچھ ایسی اچھی گھڑی میں کابل سے قدم نکالا تھا کہ وہ جدھر بھی جاتا فتح اور کامرانی اس کے قدم چومتی تھی۔ سب سے پہلے ہمایوں پشاور پہنچا۔ سکندر خاں ازبک جو ہمایوں کا پرانا ہمدرد تھا، اس نے ہمایوں کا پشاور میں نہایت ہی پرجوش خیر مقدم کیا۔ ہمایوں محرم 961ھ (1554ء) میں پشاور میں داخل ہو گیا۔ صفر 962ھ (1555ء) ہمایوں نے دریائے سندھ پار کر لیا اور دریائے سندھ کے کنارے پر قیام کیا۔ بیرم خاں بھی مزید فوج لے کر اسی مقام پر ہمایوں سے آن

ملا۔ قلعہ روہتاس کا حاکم تاتار خاں کاسی ہمایوں کی آمد کی خبر سن کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس قلعہ پر بھی بغیر لڑے ہوئے مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

ہمایوں جس نے زمانہ دراز تک ہندوستان پر حکومت کی تھی وہ یہ جانتا تھا کہ پنجاب ہی وہ خطہ ہے کہ اس پر جس کا قبضہ ہو گیا وہ سارے ہندوستان پر قبضہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہمایوں پنجاب کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ جہلم اور چناب اس نے پار کر لیا اور اس کو لڑنا تو در کنار ہاتھ بھی نہ ہلانا پڑا۔ ہمایوں جب راوی اور بیاس کے درمیان قصبہ کلانور کی حدود میں آیا تو شہاب الدین احمد خاں، اشرف خاں اور فرحت خاں کو لاہور بھیجا کہ وہاں جا کر اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر یں۔ بیرم خاں، تردی بیگ، سکندر خاں، خضر خاں ہزارہ اور اسمٰعیل بیگ کو ایک لشکر لے کر ہریانہ کی فتح کے لئے روانہ کیا اور وہ خود لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔ چنانچہ 2 ربیع الثانی 964ھ (1555ء) کو وہ لاہور میں داخل ہو گیا۔ یہاں کے باشندوں نے اس کے آنے پر بڑی خوشیاں منائیں۔ ہمایوں خود تو لاہور میں ٹھہر گیا لیکن اس کے امرا نے دیپالپور، جالندھر اور سرہند کے علاقے فتح کر لئے۔ سرہند کی فتح کے بعد ہمایوں نے بیرم خاں کو خان خاناں اور یار وفادار کا خطاب دیا۔

سکندر شاہ سوری جو اس زمانے میں پنجاب کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مغلوں نے اچانک سارے پنجاب پر قبضہ جما لیا ہے تو وہ ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے ہمایوں کے مقابلے پر آ گیا۔ یہ لشکر اگر چہ مغلوں کی فوج سے بہت زیادہ تھا لیکن سکندر شاہ سوری کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر کوہ سوالک کے علاقے میں چلا گیا۔ پنجاب کی یہ فتح شہزادہ اکبر کے نام پر لکھی گئی اور یہ اکبر کے لئے ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ اکبر کو بعد میں دنیا کا سب سے عظیم الشان فاتح اور حکمران تسلیم کیا گیا۔

دار السلطنت دہلی پر ہمایوں کا قبضہ

سکندر شاہ سوری کو شکست دینے کے بعد ہمایوں دہلی کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے سکندر خاں ازبک کو دہلی روانہ کیا کہ وہ دار السلطنت دہلی کے تمام راستوں پر قبضہ جما لے۔ خود ہمایوں سامانہ گیا۔ اس کے بعد وہ اس دہلی کی جانب روانہ ہوا جہاں سے اسے بے سروسامانی کے عالم میں نکالا گیا تھا۔ دہلی میں داخل ہونے سے قبل وہ دہلی کے متصل سلیم گڑھ میں فروکش ہوا۔ اور 4 رمضان المبارک 962ھ (1955ء) کو دوبارہ دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ہمایوں نے بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا۔

ہمایوں اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ "مجھ کو ساری عمر میں اس سے زیادہ کبھی خوشی حاصل نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھ کو دہلی کے تخت کے دوبارہ حاصل کرنے کے بعد ہوئی تھی۔"

ہمایوں نے دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد گوشت کھانا ترک کر دیا تھا اور یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس وقت تک گوشت نہیں کھاؤں گا جب تک کہ سارے ہندوستان کی فتح مکمل نہ ہو جائے۔ اسی زمانے میں شہزادہ اکبر نے تلوار سے نیل گائے کا شکار کیا تھا۔ جب اس نیل گائے کا گوشت ہمایوں کے پاس لایا گیا تو اس نے کہا کہ اس کو خشک کر کے رکھ دو جب میں گوشت کھاؤں گا تو سب سے پہلے اسی گوشت سے ابتدا کروں گا۔

ہمایوں دہلی کی فتح سے ایسا خوش ہوا کہ اس نے اپنے تمام امرائے سلطنت میں بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ جاگیریں تقسیم کیں اور لطف یہ ہے کہ ان جاگیروں میں بیشتر جاگیریں ان علاقوں کی تھیں جو ابھی فتح بھی نہیں ہوئے تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمایوں کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا۔ دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ہمایوں نے جو جاگیریں تقسیم کیں وہ یہ تھیں۔ شہزادہ اکبر کو حصار فیروزہ اور اس کے گردونواح کی جاگیر دی گئی۔ ہمایوں کو بھی بابر نے سب سے پہلے یہی جاگیر دی تھی۔ سرہند اور بہت سے پرگنے بیرم خاں کو دیئے گئے۔ تردی بیگ کو میوات، سکندر خاں کو آگرہ، علی قلی خاں کو سنبھل، حیدر محمد خاں اختہ بیگی کو بیانہ اور مصطفیٰ آباد اور رسول اللہؐ کی روح مقدس کے لئے قنوج نذر کیا گیا۔

ہمایوں خود تو دہلی میں ہی رہا لیکن اس کے امرائے سلطنت ان علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف ہو گئے جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے انگہ خاں نے حصار فیروزہ فتح کر لیا۔ حیدر محمد خاں اختہ بیگی نے بیانہ پر حملہ کر کے اسے تسخیر کر لیا۔ سکندر خاں نے آگرہ فتح ہی کیا تھا کہ اسی دوران میں اطلاع ملی کہ سکندر شاہ سوری پھر پنجاب میں آ گیا اور ابوالمعالی نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر فرحت خاں حاکم لاہور کو بادشاہ کے حکم کے بغیر معزول کر کے اپنے آدمی کو اس کی جگہ مقرر کر دیا ہے۔ ابوالمعالی کی اس حرکت میں کیونکہ بغاوت کی جھلک پائی جاتی تھی اس لئے ہمایوں نے شہزادہ اکبر کو پنجاب روانہ کر دیا۔ بیرم خاں کو شہزادہ کا اتالیق مقرر کیا اور ردی خاں جو فنون آتش بازی اور نشانہ بازی میں لاثانی تھا اس کو یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ شہزادہ کو بندوق چلانے کی مشق کرائے۔

شہزادہ نے پنجاب میں آ کر دربار کیا۔ تمام امرا حاضر ہوئے۔ ابوالمعالی بھی قدم بوسی کے لئے آیا۔ لیکن اس نے واپس جانے کے بعد شہزادہ کو یہ شکایت لکھ بھیجی کہ ''میرا خاطر خواہ احترام نہیں کیا گیا۔ حالانکہ میں اور شاہ ہمایوں دونوں ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہیں''۔ شہزادہ نے جواب بھجوا دیا ''حکومت اور ذاتی تعلقات دو جداگانہ چیزیں ہیں ان کو ملانا نہیں چاہیے۔''

نصیر الدین ہمایوں کی وفات

شہزادہ اکبر کی فوج ہریانہ پہنچی ہی تھی کہ قاصد نے بیرم خاں کو خبر دی کہ بادشاہ ہمایوں کشب

شاہ کی سیڑھیوں سے گرنے کے بعد دہلی میں بری طرح زخمی ہوگیا ہے۔ تمام فوجی سرگرمیاں روک دی گئیں۔ پھر اس کے بعد اطلاع ملی کہ شہنشاہ ہمایوں کا انتقال ہوگیا۔ شہزادہ اکبر باپ کی موت کی خبر سن کر بہت رویا۔

ہمایوں کو تخت پر آئی تھی۔ اس حادثے کے روز یعنی 7 ربیع الاول 963ھ (1556ء) کو ہمایوں نے کتب خانہ کو ترتیب دینے کے بعد حجاز، کابل اور گجرات سے آئے ہوئے امرا سے ملاقات کی، بہت دیر تک مکہ معظمہ اور کابل کے حالات ان سے دریافت کرتا رہا، امرا کو رخصت کیا اور کتب خانہ سے نیچے اترنے لگا۔ دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ موذن نے اذان دی۔ بادشاہ اذان سننے کے لئے سیڑھی پر بیٹھنا چاہتا تھا کہ پوستین میں اس کا پاؤں الجھ گیا۔ سیڑھیوں کے پتھر بے حد چکنے تھے۔ بادشاہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور سر کے بل سیڑھیوں سے لڑکھتا ہوا نیچے آن گرا۔ دائیں کنپٹی پھٹ گئی تھی، کان سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔ لوگ اٹھا کر محل میں لائے بس اتنا ہوش تھا کہ فوراً ہی شہزادہ اکبر کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کیا۔ اس کے بعد بے ہوش ہوگیا اور چوتھے روز 11 ربیع الاول 963ھ مطابق 24 جنوری (1556ء) کو ہمایوں کا اس حادثے کی وجہ سے پچاس سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ ہمایوں کی موت کو سیاسی مصلحت کی غرض سے 17 دن تک پوشیدہ رکھا گیا۔ 17 دن کے بعد جب سب انتظامات درست ہوگئے تو اس کی موت کا اعلان کیا گیا۔

ہمایوں نے 937ھ (1530ء) سے لے کر 952ھ (1556ء) تک یعنی تقریباً 25 سال حکومت کی لیکن اس 25 سال میں ہمایوں کی زندگی کے وہ چار پانچ سال بھی شامل ہیں جن میں کہ وہ دہلی کے تخت سے محروم ہونے کے بعد ادھر اُدھر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ درحقیقت اس کی حکومت کی مدت بیس اکیس سال ہے۔

ہمایوں کے دورِ حکومت پر ایک نظر

ہمایوں کو اگرچہ بابر کی قائم کردہ ایک مضبوط اور وسیع سلطنت ملی تھی لیکن اس نے تخت پر بیٹھتے ہی حکومت کو اپنے بھائیوں میں تقسیم کر کے اپنے لئے ایک مصیبت کھڑی کر لی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اپنے ابتدائی دورِ حکومت ہی میں بغاوتوں اور مخالفتوں میں الجھ جانا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمایوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں کوئی خاص ترقی نہ ہوسکی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمایوں ایک بہادر سپاہی تھا اور اس کی تلوار نے بابر کے عہدِ حکومت میں اور خود اپنے عہدِ حکومت میں نہایت اہم کارنامے انجام دیئے تھے لیکن اس میں تدبر اور دوراندیشی کی کمی تھی۔ چنانچہ عدم تدبر کی بنا پر سب سے پہلے اس کے بھائی اس کی مخالفت پر آمادہ

ہوئے اور اس کے بعد شیر شاہ نے زور پکڑنے کے بعد اس کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ چنانچہ اسے کئی سال تک بغیر تخت و تاج کے زندگی گزارنی پڑی۔ وہ ملک فتح تو کر سکتا تھا لیکن ان کو برقرار رکھنا اسے نہیں آتا تھا۔

جہاں تک سپہ گری کا تعلق ہے وہ بابر کا صحیح جانشین تھا چنانچہ اس نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حکومت کھونے کے بعد دوبارہ کابل، قندھار اور سیستان میں اپنی حکومت قائم کر لی اور اس کے بعد وہ ہندوستان کی جانب بڑھا اور ہندوستان کے ایک بڑے حصے کو بھی فتح کر لیا لیکن اس کا دور حکومت ملکی اصلاحات اور ترقیوں کے معاملے میں بالکل کورا ہے۔ کیونکہ اس کو اتنا موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ ملکی ترقی، اصلاحات یا تعمیرات کی جانب متوجہ ہو سکتا۔

ہمایوں کی سیاسی پالیسی

ہمایوں کی سیاسی پالیسی یہ تھی کہ دنیا میں کوئی شخص بھی اس سے رنجیدہ نہ ہو۔ چنانچہ اس نے اسی پالیسی کی بنا پر اپنے بھائیوں کو خوش کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ ملک دے دیئے جس کا خمیازہ اسے بری طرح بھگتنا پڑا۔ وہ اپنے ہم قوم مغلوں کی جانب جھکا ہوا تھا لیکن اس نے پٹھانوں کی سرپرستی میں بھی کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ اس کے علاوہ اس نے ہمیشہ ہندو راجاؤں کو بھی خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کی تھی۔

مذہبی معاملات میں وہ بابر کی طرف فرقہ پرستی سے بہت بلند تھا۔ اس کے دور حکومت میں کسی ایک غیر مسلم کو بھی محض اختلاف مذہب کی بنا پر تکلیف نہیں پہنچی۔ ہمایوں کی اس مذہبی رواداری سے اس کے بھائی کامران نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس نے کابل میں ہمایوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا کہ وہ شیعت اور بے دینی کی طرف جھکا ہوا ہے اور اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ افغانستان کے علماء نے اسے ہندو نواز کہہ کر اس کے خلاف کفر کے فتوے جاری کر دیئے تھے۔ ہمایوں نے جب دوبارہ کابل پر قبضہ جمایا تو ان تمام علماء کو قتل کرا دیا جنہوں نے اس کے خلاف پروپیگنڈے میں حصہ لیا تھا۔ ہمایوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شیعہ تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ پکا سنی تھا مگر اہل بیت سے اس کو عشق تھا اس لئے لوگ اسے شیعہ سمجھنے لگے تھے۔

ہمایوں کا ذاتی کردار

ہمایوں ایک جری اور بہادر بادشاہ تھا۔ لیکن اس میں ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ کسی قدر آرام طلب بھی تھا۔ چنانچہ ہمایوں جب گجرات گیا تو وہاں کی دلچسپیوں میں کئی مہینے تک پھنسا رہا جب مالوہ فتح کیا تو کئی مہینے تک مالوہ میں پڑا رہا۔ جب بنگال گیا تو اس نے بنگال کی دلچسپیوں میں پھنسنے

کے بعد وہیں مستقل قیام اختیار کر لیا۔ ہمایوں کی ان آرام طلبیوں اور عشرت پسندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے دشمنوں کو ابھرنے کا موقع مل گیا اور ان دشمنوں نے ایک دن اسے حکومت تک سے محروم کر دیا۔

شعر و شاعری سے بھی ہمایوں کو بابر کی طرح دلچسپی تھی۔ علم ریاضی کا وہ بہت بڑا استاد تھا۔ ستارہ شناسی کے فن سے بھی اسے کافی واقفیت تھی۔ علماء اور بزرگان دین کا وہ بے حد احترام کرتا تھا۔ جس ملک میں جاتا بزرگان دین کے مزارات پر ضرور حاضری دیتا۔ اپنی فتوحات کے لئے اللہ کے نیک بندوں سے دعائیں کراتا۔ مذہب کا اثر اس پر بہت غالب تھا۔ رحم دل ایسا تھا کہ اس نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی کبھی برا سلوک نہیں کیا۔ لیکن آخر میں اس کے مزاج میں کسی قدر سختی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے کئی امرائے سلطنت کو قتل کرایا۔ اپنے بھائی کامران کی آنکھیں نکلوائیں لیکن بھائی کی آنکھیں نکلوانے کے بعد وہ کئی مہینے تک غمزدہ رہا۔

ہمایوں عشرت پسند ضرور تھا مگر عیاشی اور بدچلنی سے اس کا دامن پاک تھا۔ افیون کھانے کا وہ عادی تھا۔ گائے کے گوشت سے اسے فطری طور پر نفرت تھی۔ وہ بہت بڑا فیاض تھا چنانچہ اس کی فیاضی نے اس کو مسرف بنا دیا تھا۔ فرائض منصبی کو وہ دوسروں کے سر ڈال دیتا تھا اور دوسروں پر بھروسہ زیادہ کرتا تھا۔ یہ اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ اس کو کشتی چلانے سے بے حد دلچسپی تھی۔ چنانچہ کشمیر کی بنگلہ نما کشتیاں اسی کی ایجاد ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہ ایک نہایت ہی بلند درجہ حکمراں تھا اور اس میں خوبیاں اس کی کمزوریوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھیں۔

دوسرا باب

مغلیہ حکومت کا عروج

963ھ (1556ء) تا 1117ھ (1707ء)

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی داغ بیل یوں تو 933ھ (1526ء) میں بابر کے ہاتھوں ڈالی جا چکی تھی لیکن بابر اور ہمایوں کے عہد حکومت تک مغلیہ حکومت اس برصغیر میں کوئی خاص استحکام حاصل نہ کر سکی تھی۔ یہاں تک کہ ہمایوں کے مرتے ہی وہ تمام علاقے بھی باغی ہو گئے تھے جن کو ہمایوں نے دوبارہ بڑی جانفشانی کے ساتھ فتح کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمایوں کے زمانہ حیات تک مغلیہ حکومت ہندوستان میں مستحکم نہ ہو سکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمایوں کے مرتے ہی اس کمزور حکومت کا سنبھالنا ناممکن ہو گیا۔

مغلیہ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمایوں کی آنکھ بند ہوتے ہی ہندوستان میں مغلیہ حکومت تقریباً ختم ہو گئی تھی لیکن اکبر اور اس کے مشیر بیرم خاں نے انتہائی تدبر اور جرأت سے کام لے کر نہ صرف مغلیہ حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھال لیا بلکہ مغلیہ حکومت کو ایسی مضبوط بنیادوں پر از سر نو قائم کر دیا کہ یہ حکومت صدیوں تک برقرار رہی اور اس کے فرمانرواؤں کو ہندوستان کی تاریخ میں تمام گزشتہ حکمرانوں سے کہیں زیادہ اہمیت اور عظمت میسر آئی۔

ہمایوں کے مرتے ہی مغلیہ حکومت کس طرح سرنگوں ہو گئی تھی اور نوعمر اکبر کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کا اندازہ اس تاریخ کے آئندہ واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر مغلیہ حکومت کا وہ باعظمت اور حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے جس نے کہ نئے سرے سے مغلیہ حکومت کو ہندوستان میں قائم کر کے اسے انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ ذیل میں ہم ان تاریخی واقعات پر روشنی ڈالیں گے جس کے دوچار ہونے کے بعد اکبر نے ایک نئی مغلیہ حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔

شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر

ہمایوں کے مرنے کے 17 دن بعد اکبر کا اتالیق بیرم خان اکبر کو کلانور (پنجاب) لے کر آیا

اور کلانور کے ایک باغ میں اسے 963ھ (1556ء) میں تخت نشین کیا۔ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی تخت نشینی کی رسم بڑی دھوم دھام کے ساتھ انجام دی گئی۔

اکبر جس وقت تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف تیرہ برس نو مہینے کی تھی۔ اس کم عمری کے باوجود بھی اکبر بے حد ذہین اور ہوشمند تھا۔ لیکن پھر بھی اس میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ حکومت کے بار کو اٹھا سکتا اور حکومت بھی ایسی جو حال ہی میں اس کے باپ ہمایوں نے دوبارہ قائم کی تھی اور باپ کے مرتے ہی جو چاروں طرف سے خطرات سے گھر گئی تھی۔

اکبر چونکہ نوعمر تھا اس لئے تمام مالی اور ملکی معاملات کا اہتمام بیرم خاں کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہمایوں نے مرنے سے صرف چند روز قبل بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ بیرم خاں ہمایوں کا بہت پرانا اور مخلص ساتھی تھا۔ جس نے کہ ہمایوں کا نازک ترین حالات میں ساتھ دیا تھا اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اکبر کو بیرم خان جیسا لائق معاون نہ مل گیا ہوتا تو شاید مغلوں کو اس برصغیر میں وہ عروج مشکل ہی سے حاصل ہو سکتا جس کی داستانوں سے آج تاریخ رنگی ہوئی ہے۔

بیرم خاں ایک لائق سپہ سالار ہونے کے علاوہ بہت بڑا مدبر بھی تھا۔ اس کے تدبر کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک ایسی کمزور حکومت کو غیر متزلزل بنا دیا جو ہمایوں کے مرتے ہی تقریباً ختم ہو چکی تھی اور جس کا حکمراں اکبر جیسا نوعمر اور ناتجربہ کار لڑکا تھا۔

ہمایوں کے مرتے ہی سلطنت مغلیہ میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ ہمایوں کی موت اور نوعمر اکبر کی تخت نشینی سے حکومت مغلیہ کے ان دشمنوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے جو چند روز پہلے مغلوں کی کاری ضرب سے بلبلا اٹھے تھے۔ وہ خوش تھے کہ مغلیہ حکومت چراغ سحری ہے جسے باد مخالف کا ایک معمولی سا جھونکا بھی آسانی کے ساتھ ختم کر سکتا ہے۔

ہندوستان کے وہ شکست خوردہ حکمراں جو لاہور، دہلی اور آگرہ میں شکست کھانے کے بعد فرار کی راہیں تلاش کر رہے تھے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حکومت مغلیہ کے خلاف اس بڑھتے ہوئے طوفان کو اگر بیرم خاں جیسے مدبر اور ہمایوں کے لائق امرائے سلطنت نے نہ دبا دیا ہوتا تو مغلیہ حکومت شورشوں کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جاتی کہ اس کا پتہ بھی نہ چلتا۔

ملک میں جا بجا بغاوتیں

ہمایوں کی موت اور اکبر کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد افغانستان اور ہندوستان میں ایک ساتھ

بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ باغی سمجھتے تھے کہ اکبر نا سمجھ لڑکا ہے وہ کیا مقابلہ کر سکے گا۔ اس لئے یہی موقع ہے کہ ہمایوں اور اس کی اولاد کے اقتدار کو ختم کر دینے کے بعد اپنے لئے راستہ صاف کر لیا جائے۔ چنانچہ مرزا سلیمان حاکم بدخشاں نے بدخشاں میں خود مختاری کا اعلان کر دیا اور کابل کا محاصرہ کر لیا۔ مگر کابل اور غزنیں کے حاکم منعم خاں نے مرزا سلیمان کا مقابلہ کرنے کے بعد مرزا کو صلح کے لئے مجبور کر دیا اور اس طرح یہ فتنہ زیادہ نہیں ابھر سکا۔

شاہ ابوالمعالی حسین جو ہمایوں کا منہ چڑھا امیر تھا۔ وہ پنجاب میں شرارت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس نے اکبر کی تخت نشینی کی رسم میں بھی حصہ لینے سے گریز کیا۔ مگر اسے قابو میں لا کر گرفتار کر لیا گیا۔ بیرم خاں اسے قتل کر دینا چاہتا تھا مگر اکبر نے قتل سے منع کیا اور قید کر دیا گیا مگر وہ قید خانے سے بھاگ گیا۔ حاجی خاں جو شیر شاہ کے غلاموں میں سے تھا اس نے حملہ کر کے نارنول کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کا جاگیردار مجنوں خاں محصور ہو گیا۔ راجہ بہاری مل کچھوا جو حاجی خاں کے ساتھ تھا اس نے ایسی تدبیر کی کہ قلعہ پر راجہ کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے مجنوں خاں کو بحفاظت بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور بادشاہ سے کہلوا دیا کہ میں نے آپ کی طرف سے قلعہ پر قبضہ جما رکھا ہے کسی کو مدد کے لئے بھیجئے۔ فوراً تردی بیگ حاکم دہلی کو بھیجا گیا جس نے حاجی خاں کو شکست دے کر نارنول کو دوبارہ فتح کر لیا۔ راجہ بہاری مل نے اس موقع پر بادشاہ کا جو ساتھ دیا تھا۔ اس سے اکبر بے حد خوش ہوا۔ راجہ کو مہاراجہ کا خطاب دیا گیا اور جاگیر عطا ہوئی۔

ہیمو بقال کے مقابلے میں مغلوں کو شکست

اکبر کو سب سے زیادہ سکندر شاہ سوری کا خطرہ تھا۔ جو کوہستان سوالک سے نکل کر بار بار پنجاب میں طوفان برپا کر چکا تھا۔ بادشاہ قصبہ دھمری میں آیا۔ وہاں سے لشکر لے کر سکندر شاہ کی سرکوبی کے لئے کوہ سوالک کے مقصلات میں گیا اور وہاں سے جالندھر جا پہنچا۔ جالندھر آنے پر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ ہیمو بقال نے آگرہ اور دہلی میں مغلیہ فوج کو شکست دینے کے بعد ان دونوں اہم شہروں پر قبضہ جما لیا ہے۔

ہیمو بقال سلطنت سور کے آخری حکمراں احمد شاہ عادل کا وزیر اعظم اور سپہ سالار تھا۔ ہیمو دھوسر ذات کا بنیا تھا جو ریواڑی (میوات) میں پیدا ہوا تھا۔ یہ ابتدا میں شیر شاہ کے لشکر میں نمک بیچا کرتا تھا۔ اس کے بعد ترقی کرتے کرتے اس درجے کو پہنچ گیا۔ یہ بڑا دلیر اور ہوشمند تھا۔ ہیمو نے احمد شاہ عادل کے تقریباً تمام مخالفوں کو شکست دے کر ختم کر دیا تھا۔ دہلی کے تخت کے مدعی ابراہیم شاہ کو اس نے شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ تاج خاں کروانی اور رکن خاں لوہانی کو ہیمو کے مقابلے

میں ہزیمت ہو چکی تھی۔ان معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد ہیمو مغلوں کے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ہمایوں مرگیا ہے۔اس خبر نے اس کے حوصلے کو اور بھی بڑھا دیا وہ فوراً ایک ہزار ہاتھی اور پچاس ہزار سوار لے کر آگرہ کی جانب بڑھا۔مغل سردار سکندر خاں ازبک اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر شہر چھوڑ کر دہلی بھاگ گیا۔ہیمو مغلوں کا تعاقب کرتا ہوا دہلی آیا۔ یہاں اس کا مقابلہ تردی بیگ سے ہوا۔تردی بیگ کو شکست ہوگئی اور وہ پنجاب کی طرف فرار ہوگیا۔ہیمو نے دہلی پر بھی قبضہ جمالیا اور اپنا لقب راجہ بکرماجیت اختیار کرلیا۔اس کے بعد ہیمو مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے پنجاب کی طرف بڑھا۔

اُمرائے سلطنت ہندوستان سے بھاگنے کیلئے تیار

آگرہ اور دہلی میں ہیمو بقال کے مقابلے پر پے در پے شکستیں کھانے کے بعد اکبر کے امرائے سلطنت ایسے گھبرائے کہ وہ ہندوستان سے کابل بھاگنے کے لئے بالکل آمادہ اور تیار ہوگئے۔ان امرائے سلطنت کا فرض یہ تھا کہ وہ دہلی ہی میں جمع ہو کر پوری طاقت کے ساتھ ہیمو کا اس وقت تک مقابلہ کرتے جب تک کہ بادشاہ پنجاب سے لشکر لے کر دہلی نہ پہنچ جاتا لیکن یہ سب کے سب بھاگ بھاگ کر سرہند میں جمع ہوگئے اور ہندوستان سے فرار ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے۔اکبر ایک نوعمر لڑکا تھا جب اسے اپنے امرا کی کمزوری اور ہیمو کے بے اندازہ لشکر کا علم ہوا تو وہ بھی پریشان ہوگیا۔

اکبر کو اس کے امرائے سلطنت نے مشورہ دیا کہ اس غیر ملک میں ہاتھیوں سے اپنے آپ کو کچلوانے سے بہتر یہ ہے کہ ہم سب کابل چلیں اور وہاں سے نیا لشکر لا کر دوبارہ ہندوستان پر قبضہ جمالیں۔لیکن بیرم خان نے امرائے سلطنت کے اس مشورے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ”بادشاہ تو ابھی بچہ ہے۔اس کو کوئی کچھ نہیں کہے گا لیکن ہمارے منہ پر شکست کی سیاہی لگ جائے گی۔ہماری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو مرجائیں یا فتح حاصل کریں“۔اکبر نے بھی بیرم خان کی تائید کی اور کہا کہ ”خان بابا جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ہم لڑیں گے مریں گے مگر ہندوستان سے واپس نہیں جائیں گے“۔نوعمر بادشاہ کی اس ہمت اور فیصلے کے بعد امرائے سلطنت میں بھی کچھ غیرت پیدا ہوئی اور وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

پانی پت میں ہیمو بقال اور اکبر کا مقابلہ

ہیمو کو جب معلوم ہوا کہ اکبر سرہند میں ہے تو اس نے پانی پت سے اپنا توپخانہ سرہند کے لئے

روانہ کر دیا۔ اکبر بھی سرہند سے روانہ ہو کر پانی پت کی طرف چل دیا۔ علی قلی شیبانی کو دس ہزار سوار دے کر اکبر نے پہلے ہی پانی پت روانہ کر دیا تھا۔ علی قلی شیبانی نے پانی پت کے قریب ہیمو کے توپخانہ پر اچانک حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا۔ اس توپخانہ کے نکل جانے سے ہیمو کو بہت نقصان پہنچا۔ اسی دوران میں اکبر بھی اپنا لشکر لے کر علی قلی شیبانی سے آن ملا۔

مغلوں کے لشکر میں مشکل سے بیس پچیس ہزار سوار تھے اور ہیمو کے لشکر میں ایک ہزار ہاتھی اور پچاس ہزار سوار تھے۔ بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ ہیمو کے پاس ایک لاکھ سے کم سوار نہیں تھے۔ غرض کہ ان دونوں لشکروں کا 10 محرم 964ھ (1556ء) میں سخت مقابلہ ہوا۔ ہیمو کے ساتھ پٹھانوں کے علاوہ راجپوتوں کی بھی ایک بڑی جماعت موجود تھی جنہوں نے کہ ایسی مردانگی کے ساتھ مغلوں کا مقابلہ کیا کہ مغلوں میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

مغلوں کے لئے سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ ان کے گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر ڈر کر بھاگنے لگے۔ آخر مغل گھوڑوں سے اتر پڑے اور انہوں نے پاپیادہ ہو کر پوری طاقت سے حملے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ہیمو کے لشکر کو مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہیمو کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ہیمو بدستور ہاتھی پر بیٹھا ہوا جنگ میں مصروف رہا لیکن ایک تیر ہیمو کی آنکھ میں ایسا لگا کہ وہ گدی کے پار نکل گیا۔ اس تیر کا لگنا تھا کہ ہیمو کو شکست ہو گئی۔ ہیمو کو گرفتار کر کے اکبر کے سامنے لایا گیا تو بیرم خان نے اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ "اس کافر کو قتل کیجئے تاکہ آپ غازی کہلائیں اور ثواب عظیم حاصل ہو"۔ مگر اس نوعمر بادشاہ نے برجستہ جواب دیا کہ "اس نیم مردہ قیدی کو مار کر نہ ہم غازی بن سکتے ہیں نہ کوئی ثواب حاصل کر سکتے ہیں"۔ بادشاہ کے اس جواب کے باوجود بیرم خان نے ایک ہی ہاتھ میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس طرح اکبر کو وہ تاریخی فتح حاصل ہو گئی جس کے بعد ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اکبر کے دادا بابر کی حکومت بھی پانی پت کے میدان میں فتح حاصل ہونے کے بعد قائم ہوئی تھی اور اکبر کی حکومت کا دور بھی اسی پانی پت کے میدان میں فتح حاصل ہونے کے بعد شروع ہوا۔

اکبر کا دہلی میں فاتحانہ داخلہ

پانی پت کی فتح کے دوسرے دن اکبر فاتحانہ شان کے ساتھ دہلی کے اس تاریخی شہر میں داخل ہوا جہاں تیس برس پہلے اس کا دادا بابر بھی اسی طرح داخل ہوا تھا۔ شہر کے باشندوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اکبر کا استقبال کیا۔ فتح کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ تمام شہر میں چراغاں ہوا۔ فوج میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ معززین شہر کو خلعتیں دی گئیں۔ امرائے سلطنت کو خطابات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔

علی قلی خان شیبانی حاکم میرٹھ جس نے کہ اس فتح میں نمایاں حصہ لیا تھا اور جس نے سب سے پہلے ہیمو کے لشکر پر حملہ کر کے توپخانہ چھینا تھا۔ اسے خان زماں خاں کا خطاب اور سنبھل کی جاگیر ملی۔ عبداللہ خاں ازبک کو شجاعت خاں کا خطاب اور کالپی کی جاگیر عطا ہوئی۔ سکندر خاں کو خان عالم کا خطاب ملا۔ پیر محمد خاں شروانی کو ناصر الملک کا خطاب عنایت ہوا۔ بادشاہ نے اس کو اپنی خدمت کے لئے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ میاں خاں کو دارالسلطنت آگرہ کا انتظام سپرد ہوا اور اسے آگرہ روانہ کر دیا گیا۔ کیونکہ مغل فوج آگرہ میں داخل ہونے کے بعد آگرہ پر قابض ہو چکی تھی۔ اسی دوران میں اطلاع ملی کہ حاجی خاں نے الور اور تمام میوات میں فساد مچا رکھا ہے۔ لہٰذا اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا گیا۔ حاجی خاں تو میوات سے بھاگ گیا مگر ہیمو بقال کے باپ نے جس کی عمر 80 سال تھی شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ بوڑھا قتل ہوا۔ ہیمو بقال کے اہل و عیال کو جو قصبہ ماچاری (ماچھڑی) میں رہتے تھے گرفتار کیا گیا اور ہیمو کا سارا مال و خزانہ اور ہاتھی شاہی لشکر کے ہاتھ لگے۔ اس کے بعد شاہی لشکر نے اجمیر، ناگور اور دوآبے کے علاقے کو فتح کیا۔

اکبر کی پہلی سیاسی شادی

میوات کو اس زمانے میں بہت بڑی جنگی حیثیت حاصل تھی۔ ہیمو بقال جس سے کہ اکبر کا شدید مقابلہ ہوا تھا وہ بھی میواتی ہی تھا۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ فوجی سرگرمیوں کے لئے بڑا مشہور تھا۔ اس علاقے کے باشندوں نے ہمیشہ شاہان دہلی کو پریشان کیا ہے۔ اس لئے اکبر نے یہ ضروری سمجھا کہ میواتیوں سے رشتہ داری پیدا کرنے کے بعد اس علاقے کی جانب سے بےفکر ہو جائے چنانچہ اکبر نے حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی کی ایک لڑکی سے تو خود شادی کی اور دوسری لڑکی سے بیرم خاں کی شادی کرا دی۔ میواتیوں میں یہ شادی اکبر کی پہلی سیاسی شادی تھی۔ چنانچہ اس شادی کا یہ اثر پڑا کہ میوات کا فتنہ ہمیشہ کے لئے دب گیا اور اکبر کو کبھی بھی اس علاقے کے باشندوں کی جانب سے وہ پریشانیاں نہیں اٹھانی پڑیں جو دہلی کے دوسرے بادشاہ اٹھاتے رہے تھے۔

میوات سے بےفکر ہونے کے بعد اکبر خود فوج لے کر پنجاب گیا تاکہ سوالک کی پہاڑیوں میں گھسنے کے بعد سکندر شاہ کے فتنہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ اس نے ناصر الملک کو تو ان راجاؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جو سکندر شاہ کے معاون اور مددگار تھے اور خود جا کر قلعہ مان کوٹ کا محاصرہ کر لیا جہاں سکندر شاہ محصور تھا۔ سکندر شاہ نے مجبور ہونے کے بعد اطاعت قبول کر لی، قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا، بیٹے کو بطور یرغمال بادشاہ کی خدمت میں دے دیا۔ بادشاہ نے اسے جاگیر عطا کر دی۔ دو سال کے بعد اسی جاگیر میں سکندر شاہ مر گیا۔

آگرہ کے بعد لکھنؤ کی فتح

اکبر کے دہلی میں قدم رکھتے ہی آگرہ تو پہلے ہی فتح ہو چکا تھا۔اب خان زماں خاں نے احمد شاہ عادل کے امرا کو شکست دینے کے بعد سنبھل سے لے کر لکھنو تک اور الہ آباد سے لے کر جونپور تک کا علاقہ فتح کرلیا اور اس طرح پشاور، پنجاب، دہلی اور آگرہ کے بعد اودھ کا علاقہ بھی مغلیہ حکومت میں شامل ہو گیا۔

964ھ (1556ء) میں اکبر آگرہ آیا۔تخت شاہی پر جلوس کیا اور آگرہ کو اپنی مملکت کا دارالسلطنت قرار دیا۔امرائے سلطنت کو جاگیریں اور خطابات عطا کئے اور نئے سرے سے نظام حکومت ترتیب دیا گیا کیونکہ اب نئے نئے علاقے مغلیہ حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔

اکبر کی عبداللہ مغل کی لڑکی سے شادی

اکبر نے پانی پت کی فتح کے بعد فوراً ہی اپنی والدہ مریم مکانی اپنی انا ماہم انگہ اور اپنے خاندان کے لوگوں کو ہندوستان لانے کے لئے آدمی روانہ کردیئے لیکن ان کے آنے میں اس لئے دیر ہوئی کیونکہ اکبر کے مخالفین نے کابل اور اس کے گرد و نواح میں بغاوتیں کھڑی کر دی تھیں۔ جب ان بغاوتوں سے فرصت ملی تو یہ سب لوگ روانہ ہوئے۔

اکبر کو جب معلوم ہوا کہ اس کی ماں، خاندان کی بیگمات اور اس کی محبوب انا ماہم انگہ لاہور پہنچ چکی ہیں تو اس نے ان کو آگرہ لانے کے لئے معتمد بھیجے اور ان کے استقبال کے لئے وہ خود گیا۔ اکبر کی ماں مریم مکانی نے اور اکبر کی انا ماہم انگہ نے اکبر کو دیکھتے ہی کلیجے سے لگایا۔اس کے بعد ماہم انگہ اور مریم مکانی کے مشورے سے اکبر کا نکاح مرزا عبداللہ مغل کی لڑکی سے ہو گیا۔

بیرم خاں اس نکاح کا شدید مخالف تھا مخالفت کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس لڑکی کا تعلق مرزا کامران کی سسرال سے تھا۔بیرم خاں نہیں چاہتا تھا کہ مخالفوں کے گھرانے میں اکبر کی شادی ہو۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اکبر کی انا ماہم انگہ جو بیرم خاں کی شدید مخالف تھی اس شادی کی سب سے بڑی محرک تھی۔بیرم خاں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں عبداللہ مغل کی لڑکی کے ذریعے ماہم انگہ اکبر کے دل میں اس کے خلاف زہر نہ پیدا کر دے۔مگر بیرم خاں کی مخالفت کے باوجود یہ شادی ہو گئی۔

966ھ (1558ء) میں اکبر کو آگرہ میں اطلاع ملی کہ افغانوں کی ایک قوم جو میانہ کہلاتی جاتی ہے اس نے سرونج میں فتنہ برپا کر رکھا ہے۔اس اطلاع کے پاتے ہی فوراً افغانوں کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا گیا اور سرونج کا علاقہ فتح ہو گیا۔

اکبر اور بیرم خاں میں شکر رنجی

بیرم خاں اکبر کا سب سے بڑا خیر خواہ اور ہمدرد تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ بیرم خاں کے مفید مشوروں اور کارکردگی ہی سے اکبر کو ہندوستان میں اپنی عظیم الشان حکومت کے قیام میں سب سے زیادہ مدد ملی تھی۔ اسی لئے بیرم خاں کو چند روز کے اندر اندر حکومت مغلیہ میں غیر معمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن بیرم خاں کے غیر معمولی اقتدار کی وجہ سے اس کے دشمنوں میں بھی برابر اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ کوششیں شروع ہو گئیں کہ کسی نہ کسی طرح بیرم خاں کو اکبر کی نظروں سے گرایا جائے۔

امرائے سلطنت اور اکبر کے مصاحبین نے بار بار اکبر کو توجہ دلانی شروع کی کہ بیرم خاں کا غیر معمولی اقتدار بادشاہ کے لئے خطرناک ہے۔ بادشاہ سے کہا گیا کہ ''بیرم خاں نے آپ کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے لیکن اصل میں وہ خود فرمانروائی کر رہا ہے''۔ ابتدا میں تو اکبر پر بیرم خاں کے مخالفین کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن رفتہ رفتہ وہ اثر لینے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ کس طرح بیرم خاں کے پنجے سے حکومت مغلیہ کو نکالا جائے۔

بیرم خاں کی سب سے بڑی مخالف اکبر کی انا ماہم انگہ تھی۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ بیرم خاں سے تمام اختیارات چھن جائیں اور یہ اختیارات اسے یا اس کے خاندان کو حاصل ہو جائیں چنانچہ اسے جب بھی موقع ملتا وہ اکبر کو بیرم خاں کے خلاف بھڑکاتی اور اکبر کی مجبوری اور معذوری کا بار بار ہمدردانہ انداز میں اظہار کر کے اس کی شاہانہ غیرت کو ابھارتی۔

ماہم انگہ کے علاوہ دوسرے امرائے سلطنت بھی بیرم خاں کی معزولی کے لئے ہر ممکن کوشش میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ بیرم خاں کے حکم اور مشورے سے جب مرزا تردی بیگ اور مصاحب بیگ کو قتل کیا گیا تو اکبر کو یہ بتایا گیا کہ بیرم خاں ایک ایک کر کے تمام امرائے سلطنت کو ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ حکومت پر آسانی سے قبضہ جما سکے۔

ہاتھیوں کے تماشے میں جب چند ہاتھیوں نے بیرم خاں کے خیمہ کو نقصان پہنچایا اور بیرم خاں نے فیلبانوں کو قتل کر دیا تو بادشاہ سے کہا گیا کہ بیرم خاں نے شاہی فیلبانوں کو قتل کر کے بادشاہ کی دیدہ و دانستہ توہین کی ہے۔ غرض کہ اس قسم کے سینکڑوں الزامات بیرم خاں کے خلاف کھڑے کر دیئے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خاں سے بادشاہ کو نفرت ہو گئی اور بادشاہ یہ سوچنے لگا کہ بیرم خاں سے کیونکر نجات حاصل کی جائے۔

بیرم خاں سے تمام اختیارات چھین لئے گئے

بیرم خاں کے خلاف اس زہریلے پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ نکلا کہ 967ھ (1559ء) میں بادشاہ نے بیرم خاں کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں حکومت کا سارا کام خود سنبھال لیا اور اپنے تمام گورنروں اور عمال حکومت کو اس کی اطلاع دے دی کہ ''بیرم خاں کو معزول کر دیا گیا ہے اور تمام شاہی اختیارات بادولت نے خود سنبھال لئے ہیں۔''

بیرم خاں نے جب یہ دیکھا کہ اس کے دشمن کامیاب ہو گئے ہیں تو اسے بے حد صدمہ ہوا اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضری کی خواہش کی تا کہ وہ اپنی صفائی پیش کر سکے لیکن بادشاہ کی انا ماہم انگہ اور مصاحبین نے یہ طے کر لیا تھا کہ بادشاہ کو ہرگز بیرم خاں سے نہ ملنے دیا جائے کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہ بیرم خاں کی صورت دیکھنے کے بعد اس پر دوبارہ مہربان نہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ کو پٹی پڑھائی کہ بیرم خاں کی ملاقات خطرے سے خالی نہیں ہے۔ بادشاہ نے بیرم خاں کو لکھ دیا کہ ''ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے''۔ آخر بیرم خاں نے مجبوراً اور دل شکستہ ہونے کے بعد یہ طے کیا کہ زیارت حرمین کو چلا جائے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ سے زیارت حرمین کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔

بیرم خاں کا تعاقب اور بغاوت

بیرم خاں کے معزول کیے جانے کے بعد اکبر کی انا ماہم انگہ بیرم خاں کی جانشین بنی ہوئی تھی۔ وہی تمام مہمات کا انتظام کرتی تھی۔ یوں تو نام کے لئے منصب وکالت بہادر خاں کو دے دیا گیا تھا مگر حقیقت میں وکیل یعنی وزیر اعظم کے فرائض ماہم انگہ ہی انجام دے رہی تھی۔ ماہم انگہ نے شہاب الدین احمد خاں اور خواجہ جہاں کو اپنا پیشکار بنا رکھا تھا۔ یہ عورت دوسرے امرائے سلطنت کی بھی برابر دلداری کرتی رہتی تھی تا کہ اس کا اقتدار قائم اور برقرار رہے۔

بیرم خاں نے جب مجبور ہو کر زیارت حرمین کا ارادہ کیا اور وہ آگرہ سے الور کی طرف چلا تو ماہم انگہ نے بادشاہ سے کہا کہ یہ اندیشہ ہے کہ کہیں بیرم خاں مالوہ یا پنجاب میں جا کر بغاوت نہ برپا کر دے۔ اس لئے جدھر بھی وہ جائے اس کے تعاقب میں لشکر روانہ کیا جائے۔ ماہم انگہ کے مشورے کے مطابق بیرم خاں کے تعاقب میں بادشاہ نے ایک بڑا لشکر روانہ کر دیا۔ بیرم خاں نے انتہائی کوشش کی کہ اس کا بادشاہ کی فوج کے ساتھ تصادم نہ ہو لیکن شاہی لشکر کی وجہ سے اسے اپنی جان کا بھی خوف تھا۔ آخر پنجاب میں جالندھر کے قریب بیرم خاں کے لشکر میں اور شاہی لشکر میں تصادم ہو ہی گیا۔ بیرم خاں کو شکست ہوئی اور اس فتح کی اطلاع فوراً بادشاہ کو دی گئی۔

اکبر سے بیرم خاں کی آخری ملاقات

بیرم خاں شکست کھانے کے بعد کوہ سوالک کی جانب چلا گیا اور تلواڑہ میں جا کر ٹھہرا تو بادشاہ خود ادھر آیا اور اس نے منعم خاں کو بیرم خاں کے بلانے کے لئے بھیجا۔ بیرم خاں نے کہلوا بھیجا کہ اگر بادشاہ میری معافی اور جاں بخشی کے لئے تیار ہو تو میں قدم بوسی کے لئے حاضر ہونا اپنے لئے باعث سعادت خیال کروں گا۔ بادشاہ نے معافی کا یقین دلایا تو بیرم خاں منعم خاں کے ہمراہ قصبہ حاجی پورہ میں آیا۔ یہ قصبہ ستلج اور بیاس کے درمیان واقع تھا۔ یہیں بادشاہ ٹھہرا ہوا تھا۔ بیرم خاں گردن جھکائے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کے سامنے سربسجود ہو گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ نے تسلی دی۔ اپنے رومال سے بیرم خاں کے آنسو پونچھے اور اپنے سیدھے ہاتھ پر بٹھایا اور اس طرح پیش آیا جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ پھر بادشاہ نے اٹھ کر بیرم خاں کو خلعت فاخرہ عطا کی اور خندہ پیشانی کے ساتھ زیارت حرمین کی اجازت دے دی۔ ترسون محمد خاں اور حاجی محمد خاں سیستانی کو حکم ہوا کہ وہ مملکت کی آخری حدود تک بیرم خاں کے ساتھ جائیں اور پچاس ہزار روپے اور سامان سفر عنایت کیا گیا۔

بیرم خاں کا کھمبات میں قتل

بیرم خاں بادشاہ کی قدم بوسی کے بعد 968ھ (1560ء) میں مع اہل و عیال اور چند ہمراہیوں کے زیارت حرمین کے لئے رخصت ہو گیا۔ ایک شخص مبارک خاں لوحانی دوران سفر میں بیرم خاں کے پیچھے لگ گیا تھا تا کہ جہاں موقع ملے بیرم خاں کو قتل کر دے۔ بیرم خاں نے پانی پت کی جنگ میں اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ چنانچہ بیرم خاں جب کھمبات کے علاقے میں پہنچا تو مبارک خاں لوحانی اور اس کے ساتھیوں کو موقع مل گیا اور اس کے ساتھی پٹھانوں نے بیرم خاں کا سارا سامان لوٹ لیا اور اس طرح اس عظیم الشان ہستی کا خاتمہ ہو گیا جو جدید مغلیہ حکومت کا بانی تھا جو اکبر کا اتالیق اور نگراں تھا اور جس نے مسلسل چالیس سال تک اکبر اور اس کے آباؤ اجداد کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

بیرم خاں کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سلیمہ سلطان بیگم اور چار سالہ لڑکا رحیم خاں احمد آباد میں آئے۔ بادشاہ نے ان کو آگرہ بلا لیا اور سلیمہ سلطان بیگم سے جو حسن و جمال میں یکتا تھی اور شاعرہ بھی تھی بادشاہ نے نکاح کر لیا۔

بیرم خاں کے بارے میں ابوالفضل اور مغلیہ حکومت کے قصیدہ خوانوں نے غداری کے جو الزامات لگائے ہیں وہ صرف عناد پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سرتاپا وفا کا پتلا تھا۔ اس کو تو اکبر کی

اناماہم انگہ اور امرائے سلطنت نے محض ذاتی عناد کی بناپر ختم کرادیا۔

اکبر کے کاندھوں پر ناقابل برداشت بار

نوعمر اکبر نے ماہم انگہ اور بعض خودغرض امرائے سلطنت کے اثر میں آکر بیرم خاں جیسے مدبر اور وفاشعار کو کیا کھویا کہ اس پر ذمہ داریوں کا ایک ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس کا سنبھالنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اکبر کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان ہوتا تو وہ اس نقصان کی کبھی بھی تلافی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اکبر جو خدا کے ہاں سے غیر معمولی دل و دماغ لے کر آیا تھا اس نے اپنی غلطی کو تو محسوس کیا۔ لیکن حکومت کے غیر معمولی بار کے باوجود اس کے قدموں کو ذرہ برابر بھی لغزش نہ ہوئی بلکہ وہ اور بھی زیادہ چٹان کی طرح مستحکم ہوگیا۔

اکبر نے بیرم خاں کی زیرنگرانی اور زیرتربیت پانچ سال حکومت کی تھی۔ اس نے اس مدت میں اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔ اکبر نے بیرم خاں کی سیاست اور ملک گیری کا مطالعہ ایک طالب علم کی طرح کیا تھا۔ وہ عملی میدان میں بھی بیرم خاں کے دوش بدوش کھڑا رہا تھا۔ اس لئے اس نے ان تمام تجربوں سے فائدہ اٹھایا جو کہ اس نے بیرم خاں کی رفاقت میں حاصل کئے تھے۔ چنانچہ اس نے ان ہی تجربوں کی روشنی میں حکمرانی شروع کردی۔ غرض کہ جب بیرم خاں کے مرنے کے بعد ساری حکومت کا بار اکبر کے کاندھوں پر پڑا تو اس کا دل و دماغ پہلے سے بھی زیادہ کام کرنے لگا۔ اس بوجھ نے اس کی ان دماغی صلاحیتوں کو جو خوابیدہ تھیں بیدار کردیا یعنی بیرم خاں کی موت سے جہاں حکومت مغلیہ کو زبردست نقصان پہنچا وہاں یہ بھی فائدہ ہوا کہ اکبر جو اس سے قبل دوسروں کے سہارے چلتا تھا اس میں خود چلنے، بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔

اکبر میں چند باتیں ایسی تھیں جن کی بیرم خاں میں کمی تھی یعنی رحم و مروت اور بے تعصبی۔ ان خوبیوں نے اکبر کو ایک ایسی حکومت کے قیام میں بڑی مدد دی۔ جو صرف تلوار ہی کے زور پر قائم نہ ہو بلکہ جس کی بنیادیں عوام کی محبت اور ہمدردی کی مستحکم چٹان پر رکھی ہوئی ہوں چنانچہ اکبر نے کامل اختیارات ملنے کے بعد ایک ایسی حکومت کی تعمیر شروع کردی جس میں شیعہ، سنی، ہندو، مسلمان، یہود، نصاریٰ سب برابر کے شریک ہوں جو مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کی لعنت سے بالکل پاک ہو اور ایک ایسی حکومت کی بنیاد اکبر جیسا شخص ہی رکھ سکتا تھا۔ جس نے آنکھ کھولی تو باپ کو مصیبتوں میں دیکھا۔ جس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو چچاؤں کی قید میں پایا۔ جس کو ذرا سمجھ پیدا ہوئی تو باپ اسے میدان جنگ کی سختیاں اٹھانے کے لئے لے گیا اور جو سن شعور کو بھی نہ پہنچا تھا کہ نازک ترین حالات میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان پے درپے حادثات نے اکبر کو اس طرح جھنجھوڑ دیا تھا

کہ اس میں مصائب کے مقابلے کی اور سوجھ بوجھ کی طاقت عمر کے مقابلے میں بہت زیادہ پیدا ہوگئی تھی۔

اکبر جانتا تھا کہ اگر بیرم خاں جیسی مضبوط شخصیت سے محروم ہونے کے بعد اس نے فوراً ہی جدید فتوحات کا سلسلہ نہ شروع کر دیا تو اس کی ساری ساکھ ختم ہو جائے گی اور یہ سمجھتے ہوئے کہ بادشاہ ایک نوعمر لڑکا ہے جو بیرم خاں کے بل پر حکومت کرتا تھا۔ ملک کے کونے کونے میں بغاوتیں کھڑی ہو جائیں گی۔ لہٰذا اس نے سب سے پہلے جدید فتوحات کی جانب توجہ کی اور ان جدید فتوحات نے اس کے دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں اس کی استعداد اور قابلیت کا غیر فانی نقش قائم کر دیا۔

اکبر کی فتوحات کی ابتدا گوالیار سے

اکبر نے اختیارات سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے قلعہ گوالیار کی جانب توجہ کی۔ یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یوں تو قلعہ مان کوٹ کی فتح کے بعد ہی اس قلعہ کو فتح کرنے کی مہم شروع ہوگئی تھی لیکن ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہوا تھا۔ اکبر نے 967ھ (1559ء) میں حبیب علی خان، مراد علی سلطان اور ایک پوری جمعیت کو گوالیار روانہ کر دیا تا کہ وہ اس قلعہ کے فتح کرنے میں قیاخاں کی مدد کریں۔ قیاخاں نے کئی مہینے سے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بھیل خاں جس نے قلعہ گوالیار پر قبضہ جما رکھا تھا نئی جمعیت آنے سے بے حد پریشان ہوا۔ آخر اس نے قلعہ کی کنجیاں امرائے سلطنت کے حوالے کر دیں اور اطاعت قبول کرنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ قلعہ گوالیار کی فتح اکبر کی پہلی فتح تھی اور اس فتح کا ساری مملکت پر اچھا اثر پڑا۔

اکبر کی مالوہ میں باز بہادر پر فتح

گوالیار کے بعد اکبر مالوہ کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ مالوہ پر باز بہادر کا قبضہ تھا۔ باز بہادر شجاعت خاں کا بیٹا تھا۔ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت میں مالوہ کی حکومت شجاعت خاں کے سپرد کر دی تھی۔ شجاعت خاں کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا باز بہادر جانشین ہوا۔ باز بہادر نہایت ہی عیاش نوجوان تھا۔ اس کے گرد رات دن سینکڑوں پری زاد لڑکیوں کا ہجوم رہتا تھا۔

باز بہادر کی محبوبہ روپ متی باز بہادر پر اس قدر حاوی تھی کہ دراصل ساری حکومت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ باز بہادر ہر وقت نشے میں مست رہتا تھا اور عمال حکومت نے مالوہ کی رعایا پر بری طرح مظالم توڑ رکھے تھے۔ مالوہ کی رعایا نے باز بہادر اور اس کے عمال سے تنگ آ کر اکبر سے فریاد کی اور اکبر نے فوراً مالوہ کی فتح کے لئے ایک لشکر روانہ کر دیا۔ یہ لشکر اکبر کی انا ماہم انگہ کے بیٹے

ادھم خاں کی سرکردگی میں مالوہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ پیر محمد خاں اس مہم میں ادھم خاں کا معاون تھا۔ باز بہادر جیسا عیاش اور رنگین مزاج شخص مغلوں کے لشکر کا بھلا کیا مقابلہ کرتا چنانچہ وہ ایک معمولی سی مدافعت کے بعد سارنگ پور کا قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس نے بھاگنے سے پہلے راجپوتوں کی تقلید کرتے ہوئے ان ناچنے والیوں اور خوبصورت لڑکیوں کی بیشتر تعداد کو ختم کر دیا جو باز بہادر کا بہترین سرمایہ حیات تھیں۔

باز بہادر کے فرار ہونے کے بعد جب شاہی لشکر قلعہ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ بیشمار حسین لڑکیاں یا تو قتل کر دی گئی ہیں یا زخموں سے تڑپ رہی ہیں۔ مقتولین میں باز بہادر کی محبوبہ روپ متی بھی تھی۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ روپ متی کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس نے باز بہادر کی جدائی کے غم میں خودکشی کر لی تھی۔

باز بہادر کے فرار ہونے کے بعد جب ادھم خاں سارنگ پور کے قلعہ میں داخل ہوا تو اس نے سب سے پہلے باز بہادر کے خزانے پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد ان حسین و جمیل عورتوں کی جانب متوجہ ہوا جو باقی رہ گئی تھیں۔ ان عورتوں کے حسن و جمال اور کمال موسیقی کا سارے ملک میں شہرہ تھا۔ ادھم خاں ان حسین عورتوں کو حاصل کرنے کا بے حد متمنی تھا۔ غرض مغل لشکر نے سارنگ پور، منڈو، اجین اور سارا مالوہ فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد سارنگ پور اور چند پرگنے تو ادھم خاں کو ملے۔ منڈو اور اجین پیر محمد خاں کو عطا ہوئے کیونکہ پیر محمد خاں ہی مالوہ کی مہم کا صحیح معنوں میں سردار تھا۔ ادھم خاں کے نام سے تو یہ مہم اس لئے شروع کی گئی تھی کیونکہ اکبر کو اپنی انا ماہم انگہ کی دلداری منظور تھی۔ مالوہ کے جو علاقے باقی رہ گئے تھے وہ دوسرے سرداروں میں تقسیم کر دیئے گئے۔

اکبر خود مالوہ پہنچ گیا

مالوہ فتح ضرور ہو گیا لیکن ادھم خاں کی بے عقلیوں اور عشرت پسندیوں نے مالوہ میں اچھا خاصا فساد برپا کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو حسین و جمیل عورتیں ادھم خاں کے ہاتھ آئی تھیں ان کے حسن و جمال نے ادھم خاں کو ایسا مدہوش کیا کہ وہ سب کچھ بھول گیا۔ چنانچہ وہ عیش پرستی اور رنگین مزاجی کے معاملے میں دوسرا باز بہادر بن گیا۔ جب بادشاہ کو ادھم خاں کی ان عیش پرستیوں اور رعایا پر ظلم و ستم کی اطلاع ملی تو وہ خود 968ھ (1560ء) میں مالوہ کے انتظام کیلئے آگرہ سے روانہ ہوا۔ بادشاہ آگرہ سے چل کر قلعہ رنتھنبور پہنچا۔ اس قلعہ کے حاکم رائے سرجن نے جب بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کئے تو بادشاہ نے اس قلعہ کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اکبر قلعہ گاگرن پر پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ دار نے کنجیاں بادشاہ کے حوالے کر دیں۔ وہاں سے بادشاہ سارنگ پور آیا۔ ادھم خاں نے چند قیمتی تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے۔ حالانکہ اس کا فرض یہ تھا کہ

تمام خزانہ اور جو کچھ ہاتھ لگا تھا وہ بادشاہ کی خدمت میں پہلے ہی بھیج دیتا لیکن وہ تو لالچ اور عیاشی میں مبتلا ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی اور رات کو اس نے سارنگ پور ہی کے قلعہ میں قیام کیا۔ ادہم خاں چاہتا تھا کہ بادشاہ بھی اس قلعہ کی خوبصورت لڑکیوں کے جال میں پھنس جائے مگر اکبر نے ان لڑکیوں کی جانب رخ بھی نہ کیا۔

بادشاہ کی انا ماہم انگہ جس کو اپنے بیٹے ادہم خاں کی حماقتوں کا علم ہو گیا تھا دوڑی ہوئی سارنگ پور آئی۔ بادشاہ کی بہت بڑی ضیافت کی اور مالوہ کا سارا مال و اسباب اور خوبصورت لڑکیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جس میں سے ایک حصہ بادشاہ نے ادہم خاں کو عنایت کر دیا لیکن ادہم خاں نے یہ ستم کیا کہ جو خوبصورت لڑکیاں بادشاہ کو نذر کی گئی تھیں ان میں سے دو کو ادہم خاں نے فرار کرا دیا۔ یہ لڑکیاں گرفتار کر کے لائی گئیں لیکن ماہم انگہ نے ان کو بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے سے قبل ہی اس لئے قتل کرا دیا کہ کہیں یہ بادشاہ کے سامنے اس کے بیٹے ادہم خاں کے کرتوتوں کا بھانڈا نہ پھوڑ دیں۔ بادشاہ سب کچھ سمجھ گیا مگر اس نے چشم پوشی کی اور مالوہ کا انتظام قائم کرنے کے بعد آگرہ واپس چلا گیا۔ بادشاہ نے ادہم خاں سے سارنگ پور واپس لے لیا اور پورے مالوہ کی حکومت پیر محمد خاں شیروانی کے سپرد کر دی۔

مالوہ کو دوبارہ فتح کرنا پڑا

حاکم مالوہ پیر محمد خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ باز بہادر دوبارہ مالوہ کی فتح کے لئے لشکر فراہم کر رہا ہے تو وہ باز بہادر کی سرکوبی کے لئے پہلے بیجا گڑھ گیا۔ اس کے بعد آسیر پہنچا۔ پیر محمد خاں کو اچانک خبر ملی کہ باز بہادر لشکر لے کر مقابلے کے لئے آ گیا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ دریا پار کر کے باز بہادر کے مقابلے کے لئے جانا چاہتا تھا کہ اس کا گھوڑا ران کے نیچے سے نکل گیا اور پیر محمد خاں ڈوب کر مر گیا۔ پیر محمد خاں کا ڈوبنا تھا کہ مالوہ کے تمام جاگیردار مالوہ چھوڑ کر بادشاہ کے پاس آ گئے اور باز بہادر نے دوبارہ مالوہ پر قبضہ کر لیا۔

مالوہ کے نکل جانے کا اکبر کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے فوراً عبداللہ ازبک کو جو مالوہ کے علاقے سے خوب واقف تھا لشکر دے کر مالوہ روانہ کیا۔ عبداللہ ازبک نے 970ھ (1562ء) میں مالوہ دوبارہ فتح کر لیا اور باز بہادر فرار ہو گیا اور مدتوں دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرا۔ آخر اکبر کو اس پر رحم آ گیا۔ اسے اپنے پاس بلایا اور اس قدر دیا کہ وہ ساری عمر کے لئے بے نیاز ہو گیا۔

عبداللہ خاں ازبک مندو میں بیٹھ کر مالوہ کے تمام علاقے کا انتظام کر رہا تھا کہ یکا یک اس نے رویئے میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی اور اس نے جابجا مالوہ میں بغاوتیں برپا کرانی شروع کر دیں۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اس فتنے کو دبانے کے لئے شکار کے بہانے سے 971ھ

(1563ء) میں مالوہ جا پہنچا۔ جب عبداللہ خاں ازبک کو بادشاہ کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے پہلے تو بادشاہ سے صلح کرنی چاہی لیکن پھر بادشاہ سے خوفزدہ ہو کر منڈو سے فرار ہو گیا۔ اکبر نے اس کے تعاقب میں نہ صرف لشکر روانہ کیا بلکہ خود بھی اس باغی کا پیچھا کیا۔ عبداللہ ازبک مقابلے پر آ گیا باقاعدہ جنگ ہوئی جس میں بادشاہ فتح یاب ہوا۔ عبداللہ ازبک کے فتنے سے نجات پانے کے بعد اکبر نے فرابہادر خاں کو مالوہ کا حاکم مقرر کر دیا اور چند دوسرے امرائے سلطنت بھی بطور معاون مقرر کر دیئے ان دشواریوں کے بعد 972ھ (1564ء) میں مالوہ کی تسخیر مکمل ہو گئی اور مالوہ سلطنت مغلیہ کا ایک جزو بن گیا۔

اودھ پر اکبر کی کامل فتح

اکبر کے ابتدائی دور حکومت میں اودھ اور بہار کا سارا علاقہ شورش پسندوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیر شاہ کے دور حکومت سے لے کر ہمایوں کی آمد تک اودھ اور بہار کے علاقے ہی پٹھانوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنے رہے تھے۔ چنانچہ ہیمو بقال کا وہ فتنہ جس نے کہ مغلیہ حکومت کو قائم ہوتے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اسی خطرناک علاقے سے اٹھا تھا۔ اکبر نہایت ہی دور اندیش حکمران تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک بہار اور اودھ پر پوری طرح تسلط نہیں ہو گا اس وقت تک مغلیہ حکومت کی مشکلات کا خاتمہ ناممکن ہے۔ اسی لئے اس نے ابتدا ہی سے اودھ کی جانب خاص طور پر توجہ کرنی شروع کر دی تھی۔

یوں تو خان علی قلی خاں سنبھل سے لے کر لکھنؤ تک اور الہ آباد سے لے کر جونپور تک فتح کر چکا تھا لیکن بیرم خاں کے جھگڑے نے اس علاقے کے افغانوں میں نئے سرے سے شورش پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے خاندان سور کے آخری بادشاہ عادل کے بیٹے کو اپنا سردار بنایا اسے شیر خاں کا خطاب دیا۔ گویا انہوں نے ہندوستان میں نئے سرے سے پٹھان حکومت کے قیام کی تیاریاں شروع کر دیں اور خان زماں پر حملے بھی شروع کر دیئے۔ ان حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خان زماں اپنا لشکر لے کر میدان میں آ گیا۔ پٹھانوں اور مغلوں میں پھر ایک بار فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی جس میں مغلوں کو فتح ہوئی اور خان زماں کو بے اندازہ خزانہ اور ہاتھی گھوڑے ہاتھ لگے۔

مغلوں کی اس فتح کے بعد افغان تو دب گئے لیکن خان زماں اور چند دوسرے مغل سرداروں کو یہ مغالطہ ہو گیا کہ جب ہم پٹھان جیسی مضبوط قوم کو زیر کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اودھ اور بہار میں اپنی آزاد حکومت قائم نہ کر سکیں چنانچہ انہوں نے باغیانہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اکبر کے لئے خود اس کے ہی آدمیوں میں باغیانہ خیالات کا پیدا ہو جانا پٹھانوں کے فتنے سے کہیں زیادہ خطرناک تھا چنانچہ اکبر کو اس تازہ فتنے سے کافی تشویش پیدا ہو گئی۔

بغاوت کے اس تازہ فتنے کو فرو کرنے کے لئے اکبر 968ھ (1560ء) میں متوجہ ہوا۔ وہ شکار کے بہانے ایک بڑا لشکر لے کر کالپی جا پہنچا۔ خان زماں علی قلی خاں جو اکبر کے خلاف برابر سازشیں کر رہا تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ اکبر اس کے سر پر آن کر مسلط ہو گیا ہے تو اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد سارا مال غنیمت اور ہاتھی گھوڑے پیش کر دے تا کہ بادشاہ خوش ہو کر اس کی خطا معاف کر دے۔ خان زماں کا یہ نسخہ کارگر ثابت ہوا۔ چنانچہ اکبر نے چند ناصحانہ کلمے کہنے کے بعد خان زماں کا قصور معاف کر دیا۔ اسی سفر میں بادشاہ نے چنار گڑھ کا قلعہ بھی فتح کر لیا اور فتو کو جو پٹھانوں کی جانب سے اس قلعہ کا محافظ تھا امارت کا درجہ مرحمت فرمایا۔

خان زماں سے اکبر کی جنگ

خان زماں علی قلی خاں بظاہر تو بادشاہ کا اطاعت شعار بن چکا تھا لیکن در پردہ باغیانہ سازشوں میں بدستور مصروف تھا۔ خان زماں خاں نے اس دوران میں شیر شاہ کا مشہور حصار ''قلعہ رہتاس'' بھی فتح کر لیا اور اس نے اودھ کے جاگیردار سکندر خاں سے ساز باز کر کے یہ طے کر لیا تھا کہ موقع آتے ہی بادشاہ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد انہوں نے شورش برپا کر دی۔ سکندر خاں اور ابراہیم خاں تو لکھنو کے راستے قنوج فتح کرنے کے لئے بڑھے اور خان زماں علی قلی خاں اور اس کے بھائی بہادر خاں نے مانک پور پر چڑھائی کا مکمل انتظام کر لیا۔ بادشاہ کے وفا شعار امرا نے فوج جمع کر کے ان کا مقابلہ کیا مگر ان کو باغی سرداروں کے مقابلے پر شکست ہوگئی۔

اکبر کو جب معلوم ہوا کہ خود اسی کے امرائے سلطنت نے اس کے خلاف منظم بغاوت کھڑی کر دی ہے تو وہ غصے کی وجہ سے آپے میں نہ رہ سکا۔ فوراً ایک بڑا لشکر لے کر 972ھ (1564ء) میں ان کی سرکوبی کے لئے آگرہ سے چل دیا اور لکھنؤ آ گیا۔ سکندر خاں شاہی لشکر کے خوف سے لکھنؤ سے فرار ہو گیا اور خان زماں علی قلی خاں بھاگ کر حاجی پور جا پہنچا اور سلیمان کررانی سے جو بنگالہ پر حکمران تھا، مغلوں کو شکست دینے کے لئے امداد طلب کی۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو طرح طرح سے بادشاہ کی خدمت میں معذرتیں بھیج کر معافی کا طالب ہوا۔ خان خاناں منعم خاں کے کہنے پر بادشاہ نے خان زماں کے معاملے کو نظر انداز کر دیا۔ خاں زماں نے بادشاہ کی خدمت میں اپنی والدہ کو اور ابراہیم خاں کو بھیج دیا۔ اسی دوران میں شاہی لشکر جو راجہ ٹوڈرمل کے زیر کمان تھا اس پر خان زماں کے بھائی بہادر خاں نے حملہ کر دیا اور شاہی لشکر کو بے حد نقصان پہنچایا۔

خان زماں کی اس تازہ ناعہدی کو بادشاہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ خود خان زماں اور اس کے

بھائی بہادر خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ خان زماں بھاگ کر قنوج پہنچا شاہی لشکر نے قنوج پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد خان زماں بھاگ کر اپنے بھائی بہادر خاں کے پاس کڑہ مانک پور چلا گیا۔ بادشاہ نے کڑہ مانک پور پر یلغار کردیا اور گنگا پار کرنے کے بعد ایک مختصر سی فوج سے خان زماں اور بہادر خاں کا مقابلہ کیا۔ خان زماں زخمی ہو کر ہاتھی سے گرا تو فیلبان نے اسے ہاتھی کے پاؤں سے کچل دیا۔ بہادر خاں زندہ گرفتار ہو گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

بادشاہ کو جس مقام پر ان باغیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس کا نام فتح پور رکھا اور اسی نام سے وہاں شہر آباد کرا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ بنارس گیا۔ وہاں سے جونپور آیا پھر کڑہ مانک پور گیا۔ وفا شعاروں میں جاگیریں تقسیم کیں۔ منعم خاں کو جونپور بنارس غازی پور سے لے کر خوشاب کے علاقے تک جاگیر عطا کی اور اس طرح اس اہم ترین علاقے پر مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد اکبر 974ھ (1566ء) میں آگرہ واپس آ گیا۔ آگرہ واپس آنے پر تیسرے باغی سکندر خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد قدموں پر سر رکھ دیا۔ اکبر نے راجہ ٹوڈرمل کی سفارش سے اس کا قصور معاف کر دیا اور لکھنو کی حکومت اسے عنایت کر دی۔

راجہ بہاری مل والئ جے پور کی اطاعت

ہندوستان کے راجپوت راجاؤں میں راجہ بہاری مل والئ جے پور پہلا راجپوت راجہ تھا جس نے نہ صرف اکبر کی اطاعت سب سے پہلے قبول کی بلکہ اس نازک وقت میں اکبر کا ساتھ دیا جبکہ ہندوستان کے راجپوت اور پٹھان ہمایوں کے مرتے ہی اکبر کو ہندوستان سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ اکبر کی تخت نشینی کے فوراً بعد جب شیر شاہ کے غلام حاجی خاں نے مغل جاگیردار کو نکال کر نارنول کے علاقے پر قبضہ جما لیا تھا تو اسی راجہ کے تدبر اور مدد سے دوبارہ نارنول کے علاقے پر اکبر کا آسانی سے قبضہ ہو گیا تھا۔ راجہ بہاری مل روز اول ہی سے اکبر کا سچا بہی خواہ تھا اور اس کا خاندان پشت در پشت تک مغلیہ حکومت کا وفادار رہا۔

راجہ بہاری مل والئ جے پور ہی وہ پہلا راجہ تھا جس نے اکبر سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے مغلوں اور راجپوتوں میں رشتوں کی بنیاد رکھی۔ یہ شادی اس طرح ہوئی کہ اکبر جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے آگرہ سے اجمیر شریف جا رہا تھا تو 969ھ (1561ء) میں اس نے موضع دیوسہ میں قیام کیا تو راجہ بہاری مل اور اس کا بھتیجا جے مل بادشاہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اکبر نے راجہ بہاری مل کے خلوص اور محبت کو دیکھتے ہوئے اس موقع پر راجہ بہاری مل سے یہ خواہش کی کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ اکبر نے یہ تجویز اس لئے پیش کی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ راجہ بہاری مل جیسے با اثر راجپوت سے رشتہ داری قائم

کرنے کے بعد راجپوتوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں میں بین الملی شادی چونکہ بالکل ایک نئی بات تھی اس لئے پہلے تو راجہ کو اس رشتے میں تامل ہوا۔ لیکن تھوڑی دیر کے تبادلہ خیال کے بعد راجہ راضی ہو گیا۔

مغل امرائے سلطنت جو راجہ بہاری مل کے خلوص کی بنا پر اس کی بے حد عزت کرتے تھے انہوں نے اس موقع پر راجہ بہاری مل کی ان مشکلات کی جانب اکبر کو توجہ دلائی جو اس راجہ کو بادشاہ کے حقیقی بہنوئی مشرف حسین کے ہاتھوں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔ مرزا مشرف حسین کو بادشاہ نے میوات اور اس کے گردونواح کی جاگیر دے رکھی تھی لیکن اس نے دست درازی کر کے انبیر پر بھی قبضہ جمالیا تھا۔ ''انبیر'' راجہ بہاری مل کی جدی ریاست جے پور کا دارالسلطنت تھا۔ مرزا مشرف حسین نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ راجہ بہاری مل کے بھائی اور اس کے دوسرے راجپوت مخالفین سے مل کر راجہ کو بالکل ریاست سے نکال دیا تھا۔ جس کے بعد یہ راجہ اجمیر کی پہاڑیوں میں محصور ہو کر بڑی مصیبت کی زندگی گزار رہا تھا۔ مرزا مشرف حسین کہنے کو تو اکبر کا بہنوئی تھا مگر ان فتنہ پردازوں میں سے تھا جس نے کہ ابوالمعالی کے ساتھ ساز باز کر کے اکبر کے خلاف یہ سازش کی تھی کہ اکبر کے سوتیلے بھائی مرزا حکیم کو کابل سے بلا کر تخت پر بٹھا دیا جائے اور اکبر کو تخت و تاج سے محروم کر دیا جائے۔

اکبر مرزا مشرف حسین کی زیادتیوں کی سرگزشت سننے کے بعد جب سانبھر آیا اور مرزا مشرف حسین اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کو حکم دیا کہ وہ راجہ بہاری مل کا علاقہ فوراً راجہ کو واپس کر دے اور راجہ کے مخالفین جگن ناتھ، راج سنگھ اور کنگار کو جو مرزا کے گروہ میں تھے گرفتار کر کے بادشاہ کے حوالے کرے۔ اس کے بعد بادشاہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر حاضری دی۔

راجہ جے پور کی لڑکی سے اکبر کی شادی

بادشاہ جب درگاہ کی حاضری کے بعد آگرہ واپس جا رہا تھا تو واپسی میں راجہ بہاری مل نے حسب وعدہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی اکبر کے ساتھ کر دی۔ اس رشتے کے بعد بادشاہ، راجہ بہاری مل اور اس کے خاندان والوں پر ساری عمر نوازشیں کرتا رہا۔ اسی موقعہ پر راجہ بہاری مل کا بیٹا بھگوان داس اور پوتا مان سنگھ پہلی مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اکبر جاتے ہوئے بھگوان داس، مان سنگھ اور بہت سے راجپوت سرداروں کو اپنے ساتھ آگرہ لے گیا جن کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے گئے۔ راجہ بھگوان داس اور مان سنگھ کو تو مغلیہ حکومت میں وہ عروج حاصل ہوا جو مشکل ہی سے کسی دوسرے راجپوت سردار کو میسر آ سکا۔

راجہ بہاری مل والئی جے پور کی لڑکی سے اکبر کی شادی پر ہندوستان کے دوسرے راجپوت راجاؤں نے سخت نکتہ چینی کی۔ بہاری مل کو بہت کچھ برا بھلا کہا گیا لیکن چند روز کے بعد راجہ جے پور کی طرح نہ صرف اکثر و بیشتر راجپوت راجاؤں نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔ بلکہ راجہ بیکانیز، راجہ جیسلمیر اور دوسرے بہت سے راجاؤں نے اپنی بیٹیاں اکبر کو دے دیں۔ چنانچہ ان بین الملی شادیوں کا سلسلہ صرف اکبر کی ذات ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ نسلاً بعد نسلاً مغلوں اور راجپوتوں میں شادیاں ہوتی رہیں اور ان شادیوں کی وجہ سے مغلوں اور راجپوتوں میں ایک قسم کا سیاسی اتحاد قائم ہو گیا تھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جس خلوص کے ساتھ خاندانی رشتوں کا سلسلہ راجہ جے پور نے قائم کیا تھا وہ کسی راجہ میں بھی نہیں تھا۔ اسی لئے جے پور کا شاہی خاندان ہمیشہ ممتاز سمجھا گیا اور جو عظمت مغلیہ دور میں اس خاندان کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے راجپوت خاندان کو حاصل نہ ہو سکی۔

راجہ مکند والئ اُڑیسہ کی اطاعت

اگر چہ اکبر سے قبل مسلمان بادشاہ سینکڑوں سال تک ہندوستان پر حکومت کر چکے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک بادشاہ کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اُڑیسہ کو تسخیر کر سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اڑیسہ کا علاقہ خطرناک جنگلوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا جن سے گزر کر اس علاقے کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اسی لئے بہار اور بنگال کے اکثر باغی بھاگ کر اڑیسہ چلے جاتے تھے اور علاقے کی خرابی کی وجہ سے کوئی بھی ان کا تعاقب نہ کرتا تھا۔ چنانچہ ابراہیم سور نے بنگال سے بھاگ کر اسی علاقے میں پناہ لی تھی اور بنگال کا حاکم سلیمان کررانی اس کا کچھ بھی نہ بنا سکا تھا۔

اکبر پہلا بادشاہ تھا جس نے اس دشوار گزار علاقے کی فتح کی جانب توجہ کی۔ اکبر نے اس علاقے پر یورش کرنے سے قبل حسن خاں خزانچی اور ایک رقاصہ کو جس کا نام مہاپاتر تھا اور جو موسیقی اور شاعری میں بے مثل تھی اس ملک کے راجہ "مکند" کے پاس بطور پیغامبر کے بھیجا۔ انہوں نے راجہ کو مشورہ دیا کہ وہ لڑے بغیر اکبر کی اطاعت قبول کر لے۔ راجہ نے ان دونوں کی بڑی تعظیم کی اور اطاعت قبول کرنے کے بعد بہت سے تحائف اکبر کو بھیجے اور یہ کہلوا دیا کہ میں ہر وقت بادشاہ کے لئے خون بہانے کے لئے تیار ہوں۔ اگر حاکم بنگال سلیمان کررانی نے بادشاہ کی مخالفت ترک نہ کی تو اس کا حریف ابراہیم سور میرے پاس ہے۔ میں اسے بنگال لے جاؤں گا اور باشاہ کے لئے بنگال میں وہ کام کروں گا جس کا کہ بادشاہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اکبر کو راجہ اُڑیسہ کے اطاعت قبول کرنے سے بے حد خوشی ہوئی اور اس طرح بغیر لڑے اُڑیسہ کا دور دراز علاقہ بھی 972ھ (1564ء) میں حکومت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔

گھکڑوں کے علاقے پر قبضہ

گھکڑوں کا علاقہ دریائے سندھ کے قریب پہاڑوں اور گھاٹیوں میں واقع تھا۔ گھکو بڑی ہی سخت اور مضبوط قوم تھی۔ جس سے ہندوستان کے بادشاہوں کو ہمیشہ ہی جنگ کرنی پڑی ہے۔ اس قوم کے سردار "سلطان آدم بادشاہ" نے ہمایوں کے آتے ہی اپنے حق میں فرمان لکھوالیا تھا۔ لیکن اکبر چاہتا تھا کہ اس علاقے کا نصف حصہ آدم بادشاہ کے بھتیجے کمال خاں گھکو کو عطا کر دیا جائے جس کا باپ اس علاقے پر صحیح معنوں میں حکمران تھا۔ کمال خاں اول تو اس علاقے کا جائز وارث تھا اس کے علاوہ اس نے زماں خاں کی بغاوت کو دبانے کیلئے بادشاہ کی اہم خدمات انجام دی تھیں۔

اکبر نے حاکم پنجاب کو حکم دیا کہ گھکڑوں کے علاقے کا نصف حصہ آدم بادشاہ سے لے کر کمال خاں گھکو کو دلا دیا جائے۔ پہلے تو آدم بادشاہ سے نرمی کے ساتھ کہا جائے اور اگر وہ نہ مانے تو لشکر کے ذریعے آدم بادشاہ کو زیر کر کے سارا علاقہ کمال خاں کے حوالے کر دیا جائے۔

حاکم پنجاب نے بادشاہ کے حکم کے مطابق آدم بادشاہ پر زور دیا کہ وہ نصف علاقہ اپنے بھتیجے کمال خاں کے حوالے کر دے ورنہ اسے تمام علاقے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آدم بادشاہ بغاوت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ حاکم پنجاب کو اس کے خلاف لشکر کشی کرنی پڑی۔ آدم بادشاہ کو شکست ہوئی اور گھکڑوں کا سارا علاقہ آدم بادشاہ سے چھین کر کمال خاں کے حوالے کر دیا گیا اور اس طرح گھکڑوں کے علاقے پر بھی مغلوں کے ایک وفاشعار اور باجگزار کا قبضہ ہو گیا۔

پٹنہ اور گونڈوانہ کی فتح

خواجہ عبدالمجید خاں کٹرہ کا جاگیردار تھا۔ اکبر نے 972ھ (1564ء) میں اسے پٹنہ کے راجہ رام چندر کے زیر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس راجہ نے بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ راجہ کو اس لئے اور بھی غرور تھا چونکہ غازی خاں سوری اس کا معاون تھا اور اس کی فوج میں بہت سے افغان اور راجپوت موجود تھے۔ راجہ کو مغالطہ تھا کہ وہ شاہی لشکر کو نیچا دکھا سکتا ہے۔ راجہ اپنی فوج لے کر مغل فوج کے سردار آصف خاں کے مقابلے پر آ گیا مگر اسے شکست ہو گئی۔ راجہ پٹنہ کے شکست کھانے کے بعد دوسرے راجاؤں کی سفارش سے اکبر نے راجہ پٹنہ کا قصور معاف کر دیا اور راجہ نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔

اسی سال یعنی 972ھ (1564ء) میں آصف خاں نے جنوبی ہند کی ریاست گونڈوانہ پر حملہ کر دیا۔ ریاست گونڈوانہ ہندوستان کے جنوب میں واقع تھی۔ یہاں زمانہ قدیم سے وہ گونڈ آباد تھے جن کو کہ آریوں نے شمالی ہند سے نکال دیا تھا۔ ہندوؤں میں ان گونڈوں کو کم ذات یعنی

اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ یہ علاقہ زمانہ دراز سے بیرونی حملہ آوروں کے دستبرد سے محفوظ تھا اور اس میں ہزاروں سال سے بے اندازہ دولت جمع تھی۔ آصف خاں نے جب گونڈوانہ پر حملہ کیا تو یہاں کی مہارانی درگاوتی مقابلے کے لئے آئی۔ مہارانی درگاوتی کس حیثیت کی رانی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ درجنوں راجہ اس کے باجگزار تھے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ راجہ بہن، راجہ پراگڈھ، راجہ کروالا، راجہ ہریا، سلوانی کا راجہ، دانگی کا راجہ، تھوالا کا راجہ، سندھلا کا راجہ، اانجی کا راجہ۔

رانی درگاوتی اپنے کمسن بیٹے بیر نارائن کی طرف سے گونڈوانہ میں حکومت کرتی تھی۔ اس کے پاس بیس ہزار سوار، ایک ہزار ہاتھی اور بے اندازہ پیدل فوج تھی۔ مغلوں نے حملہ کر کے جب گونڈوانہ کے شہر فتح کرنے شروع کیے تو اس رانی کو مشورہ دیا گیا کہ وہ مغلوں سے صلح کر لے لیکن رانی نے جواب دیا کہ صلح شکست کا دوسرا نام ہے۔ بہادروں کا یہ کام نہیں کہ وہ دشمنوں سے صلح کریں۔ جو لوگ مرنا چاہتے ہیں وہ میرے ساتھ رہیں اور جن کو جان پیاری ہو، وہ مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ چنانچہ رانی بڑی بہادری کے ساتھ لڑی اس نے کئی موقعوں پر آصف خاں کے لشکر کو شکست بھی دی لیکن دو تیر رانی کے ایسے لگے کہ وہ بری طرح زخمی ہوگئی۔

رانی نے خنجر سے خودکشی کر لی۔ رانی کے مرنے کے بعد محل کی دوسری عورتوں کو بھی چتا پر بٹھا کر جلا دیا گیا۔ اس جلتی ہوئی چتا میں سے صرف دو عورتیں جلنے سے بچی تھیں ایک رانی کی بہن کملاوتی دوسری پراگڈھ کے راجہ کی بیٹی۔ ان دونوں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

شاہی لشکر نے گونڈوانہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد جب قلعہ پر قبضہ کیا تو اس میں اتنی بڑی دولت موجود تھی جو کئی حکومتوں کے خزانے کے برابر تھی۔ ہزاروں من سونا تھا، سینکڑوں دیگیں اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیں، بے اندازہ جواہرات تھے اور بے شمار سونے چاندی کے برتن اور متفرق سامان تھا۔ آصف خاں کو جب یہ بے اندازہ دولت ہاتھ لگی تو اس کی نیت میں بل آ گیا وہ اس تمام دولت کو اپنے ساتھ لے گیا اور بغاوت کے منصوبے تیار کرنے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خان خاناں علی قلی خاں بھی زندہ تھا۔ آصف خاں نے اس سے بھی سازباز شروع کر دی۔ بادشاہ کو جب آصف خاں کی اس بدعہدی کا علم ہوا تو اس نے فوراً مہدی قاسم خاں کو آصف خاں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا۔ آصف خاں شاہی لشکر سے پریشان ہو کر بھاگتا پھرا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے بادشاہ کی خدمت میں معافی کی درخواست کی۔ بادشاہ اس وقت پنجاب جا رہا تھا اس نے معافی قبول کر لی اور حکم دیا کہ ہم جب آگرہ واپس آئیں تو آصف خاں ہماری خدمت میں حاضر ہو اور مہدی قاسم خاں کو گونڈوانہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ غرض کہ اس طرح ایک اور بڑا علاقہ مغلیہ حکومت کا جزو بن گیا۔

اکبر کے بھائی مرزا حکیم کی بغاوت

اکبر نے اپنے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم کو جو چوچک بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ کمسنی ہی میں کابل کی حکومت دے دی تھی۔ اکبر قدم قدم پر اپنے اس بھائی کی امداد کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ چوچک بیگم کے مرنے کے بعد مرزا اسلیمان حاکم بدخشاں نے مرزا حکیم کا حامی اور مددگار بن کر جب اسے عیاری سے کابل سے نکال دیا تھا اور کابل پر قابض ہو گیا تھا تو اکبر نے پنجاب سے لشکر بھجوا کر مرزا حکیم کو دوبارہ کابل کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ مرزا حکیم کو جب بھی کوئی دشواری پیش آتی اکبر فوراً اس کی امداد کرتا لیکن اس بھائی نے اکبر کی ان عنایتوں اور مہربانیوں کا یہ صلہ دیا کہ اس نے اپنے ناتجربے کار ندیموں کے بہکانے سے ہندوستان پر 974ھ (1566ء) میں یورش کر دی تاکہ وہ ہندوستان کے تخت و تاج پر قبضہ جما سکے۔ چنانچہ مرزا حکیم کے ساتھیوں نے دریائے سندھ سے گزر کر پنجاب کے بعض علاقوں میں خوب لوٹ مار کی۔ اکبر کو چھوٹے بھائی کی اس نالائقی کا علم ہوا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ فوراً ایک بڑا لشکر لے کر پنجاب جا پہنچا۔ مرزا حکیم کو جب بھائی کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ کابل بھاگ گیا۔

988ھ (1580ء) میں مرزا حکیم نے ہندوستان پر یورش کرنے کی دوبارہ کوشش کی تھی چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے نور الدین اور بعض دوسرے غدار امرائے کابل کو پہلے ہندوستان روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ سندھ میں جا کر پہلے ہی سے مرزا حکیم کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیں۔ اس کے بعد مرزا حکیم ایک لشکر لے کر ہندوستان میں گھس آیا لیکن سندھ کی سرحد پر مغل سردار کنور مان سنگھ اور زین الدین علی وغیرہ نے مرزا حکیم کی فوج کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے دی اس معرکہ میں کنور مان سنگھ زخمی ہوا اور مرزا حکیم کا دست راست شادماں مارا گیا۔

اکبر کو جب بھائی کی اس تازہ غداری کی اطلاع ملی تو اس نے رائے سنگھ، جگن ناتھ، راجہ گوپال اور بہت سے مخلص امیروں کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ پنجاب روانہ کر دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ مرزا اگر آگے بڑھے تو اسے روکنا نہیں، ہمارے آنے تک لڑائی شروع نہ کرنا ہم خود آ رہے ہیں۔ چنانچہ اکبر فوراً پہنچ گیا لیکن مرزا حکیم پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی بھائی کے خوف سے بھاگ کر کابل چلا گیا اور مرزا حکیم کا یہ فتنہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ کابل گیا اور اس نے بھائی کا قصور معاف کر دیا۔ اس واقعے کے چند ہی سال بعد مرزا حکیم کا کابل میں انتقال ہو گیا۔

رانا اودے سنگھ کے خلاف چتوڑ پر یورش

اکبر اپنے لشکر کے ہمراہ مالوہ جا رہا تھا۔ اس سفر میں رانا اودے سنگھ کا بیٹا سکت سنگھ بھی بادشاہ

کے ہمراہ تھا۔ بادشاہ نے سکت سنگھ سے کہا ''ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے بڑے راجہ اور مہاراجہ ہماری خدمت میں آ چکے ہیں لیکن رانا اودے سنگھ ہماری قدم بوسی کے لئے حاضر نہیں ہوا یہ کیا بات ہے''۔ اس کے بعد اکبر نے مذاق کے طور پر سکت سنگھ سے پوچھا ''اگر ہم رانا پر حملہ کریں تو تم ہماری کیا خدمت کرو گے'' سکت سنگھ خاموش ہو گیا لیکن ایسا خوفزدہ ہوا کہ چند روز کے اندر اندر اچانک اکبر کے پاس سے بھاگ گیا۔

سکت سنگھ کے فرار ہونے کے بعد کیونکہ اکبر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ رانا اودے سنگھ کوئی شرارت کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ چتوڑ کی فتح کے لئے آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ رانا اودے سنگھ والئی چتوڑ اسی رانا سنگھ (سنگرام سنگھ) کا بیٹا تھا جو بابر سے کئی معرکے کی لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ لیکن رانا اودے سنگھ اپنے باپ رانا سنگا کی طرح بہادر نہیں تھا۔ اس نے جوں ہی یہ سنا کہ اکبر چتوڑ کی طرف آ رہا ہے تو اس نے قلعہ چتوڑ کو جے مل کے حوالے کیا جو ایک نہایت ہی بہادر راجپوت تھا۔ اس کے علاوہ آٹھ ہزار راجپوت قلعہ کی حفاظت کے لئے متعین کئے اور خود بھاگ کر پہاڑوں میں دور دراز فاصلے پر چلا گیا۔

اکبر آگرہ سے چل کر قلعہ سیوی پور میں آیا۔ یہ قلعہ بھی رانا اودے سنگھ ہی کا تھا جو آگرہ سے 120 میل پر تھا۔ اس قلعہ کے آدمی شاہی لشکر کے آتے ہی فرار ہو گئے۔ یہ قلعہ بغیر لڑے ہاتھ آ گیا۔ اس کے بعد اکبر کوٹہ میں آیا جو اس قلعہ سے صرف چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ قلعہ بھی آسانی سے ہاتھ آ گیا۔ اکبر اس کے بعد اجین اور منڈو میں گیا اور وہاں جا کر سلطان مرزا کے بیٹوں کی بغاوت کو دبایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے رانا اودے سنگھ کے قلعہ بانڈال کی فتح کا حکم دیا۔ یہ قلعہ بھی سخت مقابلے کے بعد فتح ہو گیا۔

ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد اکبر تین چار ہزار سواروں کا لشکر لئے ہوئے چتوڑ کی طرف چلا اکبر کو خیال تھا کہ اودے سنگھ کو جب یہ معلوم ہو گا کہ بادشاہ کے پاس لشکر بہت کم ہے تو وہ پہاڑوں سے نکل کر ضرور مقابلے پر آئے گا لیکن رانا اودے سنگھ جو بہادر رانا سانگا کا ایک کمزور جانشین تھا اسے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے قلعہ چتوڑ کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے اور پوری تیاری کے بعد قلعہ کی تسخیر میں مصروف ہو گیا۔ اکبر نے فوج کے ایک حصے کو تو گرد و نواح کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیج دیا تاکہ وہ قرب و جوار کے باغی راجپوتوں کا صفایا کر دے اور بقیہ فوج قلعہ کی تسخیر پر متعین کر دی۔

اکبر نے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بڑا ہی اہتمام کیا تھا۔ قلعہ کے گرد اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے ایک نئی فصیل تعمیر کرائی اور قلعہ کے اوپر جانے کے لئے چوڑی چوڑی سیڑھیاں بنوائیں ہزاروں راج مزدور دن رات تعمیر کے کام میں مصروف رہتے تھے جب اکبر کو ان حفاظتی

اور ضروری تدبیروں سے فرصت ملی تو اس نے قلعہ کی بنیادوں کو کھدوا کر ان میں قلعہ کے اڑانے کے لئے جا بجا بارود بھروادی۔ غرض کہ اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے اکبر نے ایسا اہتمام کیا جو اس سے قبل کسی جگہ بھی نہیں ہوا تھا۔

ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد پوری طاقت کے ساتھ مغل فوج نے حملے شروع کر دیئے۔ قلعہ کے بعض حصوں کو بارود سے اڑا دیا گیا اور جدید تعمیر شدہ سیڑھیوں اور ڈھلوان راستوں سے شاہی لشکر کے سپاہی اس قلعہ میں اترنے شروع ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا قلعہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ راجپوتوں نے سب سے پہلے تو چتا تیار کر کے اس میں اپنی عورتوں کو جھونک دیا۔ اس کے بعد شاہی فوج پر پل پڑے اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ جے مل مارا گیا، ہزاروں راجپوت کام آ گئے۔ رانا کے محل پر اور مہادیو کے مندر پر بڑی خونریزی ہوئی۔ قلعہ کے ہر محلہ اور ہر گوشہ پر سخت جنگ کرنی پڑی۔ راجپوت بڑی دلیری کے ساتھ اس قلعہ کی ایک ایک انچ زمین کے لئے لڑے غرض کہ بڑی دشواری اور بڑی محنت کے بعد 976ھ (1568ء) میں چتوڑ کے قلعہ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔

اس قلعہ میں عورتوں کو جلانے کے لئے جو چتا بنائی گئی تھی اس میں 9 رانیاں، 5 راجکماریاں اور تمام بڑے بڑے راجپوت سرداروں کی بیویاں جل کر خاک ہو گئیں۔ قلعہ میں آٹھ ہزار جنگجو راجپوت تھے جنہوں نے بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ راجپوت سپاہیوں کے علاوہ چونکہ تیس چالیس ہزار رعایا کے آدمیوں نے بھی اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا اس لئے اکبر نے رعایا کے قتل عام کا بھی حکم دے دیا تھا۔ اس قلعہ کو سب سے پہلے سلطان علاؤ الدین نے چھ مہینے اور سات دن کے محاصرے کے بعد فتح کیا تھا۔ اس کے مقابلے میں اکبر نے اسے بہت ہی کم مدت میں یعنی صرف تین مہینے میں فتح کر لیا۔

اکبر جب چتوڑ کے قلعہ کی فتح کے لئے روانہ ہوا تھا تو اس نے یہ منت مانی تھی کہ اگر مجھ کو یہ فتح نصیب ہو گئی تو میں پاپیادہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے اجمیر جاؤں گا چنانچہ اس فتح کے بعد اکبر پاپیادہ درگاہ شریف پہنچا اور حاضری کے بعد دس روز تک اجمیر ہی میں قیام کیا اس کے بعد شکار کھیلتا ہوا آگرہ واپس آ گیا۔

قلعہ رنتھنبور اور قلعہ کالنجر کی فتح

اکبر 977ھ (1569ء) میں قلعہ رنتھبور کی فتح کے لئے دہلی سے روانہ ہوا۔ یہ قلعہ اجمیر سے 115 میل پر واقع تھا۔ اسے پہاڑیوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا اور اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ پہاڑیاں چاروں طرف اس کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں تاکہ باہر کا کوئی حملہ آور اس پر قابو ہی نہ

پا سکے۔ اکبر نے جاتے ہی اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ رائے سورجن کے تسلط میں تھا جو ایک مشہور اور بہادر راجپوت تھا۔ اکبر نے قلعہ کے گرد مورچے بنائے اور اسی طرح اس قلعہ کے گرد بھی تعمیر کا کام شروع کیا جس طرح کہ اس نے چتوڑ کے قلعہ کی تسخیر کے لئے اہتمام کیا تھا۔ بھاری بھاری توپوں کو پہاڑیوں پر چڑھا دیا گیا اور اس کے بعد قلعہ پر بمباری شروع کی گئی۔

سورجن نے جب یہ دیکھا کہ ایک طرف تو قلعہ میں داخل ہونے کے لئے ڈھلواں راستے اور سیڑھیاں تعمیر ہو رہی ہیں اور دوسری جانب بمباری سے قلعہ کی دیواروں میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ اب قلعہ کا محفوظ رہنا ناممکن ہے چنانچہ اس نے فوراً بادشاہ کی خدمت میں اپنے دونوں بیٹوں اودے سنگھ اور بھوج سنگھ کو بھیجا جنھوں نے باپ کا جرم بادشاہ سے معاف کرا لیا۔ قلعہ کی سونے اور چاندی کی کنجیاں بادشاہ کے حوالے کر دیں اور سورجن قلعہ خالی کر کے چلا گیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ مہتر خاں کے سپرد کر دیا۔ اس قلعہ کو سلطان علاؤ الدین نے ایک سال میں فتح کیا تھا مگر اکبر نے ایک ہی مہینے میں تسخیر کر لیا۔ اس قلعہ کی فتح کے بعد اکبر اجمیر شریف میں حاضری کے لئے گیا اور وہاں سے آگرہ واپس آ گیا۔

کالنجر کے قلعہ کی فتح کے لئے اکبر خود نہیں گیا بلکہ مجنوں خاں، قاقشال اور شاہم خاں اور دوسرے امرا کو بھیجا۔ یہ قلعہ وہی تاریخی قلعہ ہے جس کے فتح کرنے میں شیر شاہ کی جان گئی تھی۔ شیر شاہ کی حکومت کے زوال کے بعد پٹھانوں نے اس قلعہ کو راجہ رام چندر والئی پنہ کے ہاتھ ایک بڑی رقم لے کر فروخت کر دیا تھا۔

شاہی امرا نے اکبر کی ہدایت کے مطابق جاتے ہی اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی تمام راہیں بند کر دیں۔ قلعہ چتوڑ اور قلعہ رنتھبور کی فتح کے بعد سے مغلوں کی قلعہ شکنی کی شہرت عام ہو گئی تھی اس لئے راجہ رام چندر نے گھبرا کر امان طلب کی اور 977ھ (1569ء) میں یہ قلعہ شاہی ملازموں کے سپرد کر دیا۔

اکبر کی گجرات میں فتوحات

قلعہ رنتھبور کی مہم کے زمانے میں اکبر کو اطلاع ملی تھی کہ محمد سلطان کے بیٹے ابراہیم حسین مرزا اور محمد حسین مرزا گجرات میں شکست کھانے کے بعد مالوہ آ گئے ہیں اور انہوں نے مالوہ آ کر اجین پر قبضہ جما لیا ہے۔ اکبر نے فوراً ایک لشکر مرزاؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ گجرات سلطان محمود کے قتل کے بعد اس کے غلام چنگیز خاں نے قلعہ چنپانیر، سورت اور بروچ پر قبضہ جما لیا تھا اور احمد آباد کی تسخیر میں مصروف تھا۔ اس مہم میں اس نے محمد حسین مرزا اور ابراہیم حسین مرزا کو بھی شریک کر لیا تھا اور ان کو جاگیریں دے دی تھیں لیکن مرزاؤں نے جب

دوسروں کی جاگیروں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تو چنگیز خاں نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجا۔ یہ مقابلے کی تاب نہ لاکر خاندیش بھاگ گئے اور وہاں سے مالوہ آکر اجین پر قابض ہو گئے۔

اکبر کا لشکر جب ان کی سرزنش کے لئے مالوہ آیا تو یہ منڈو کی طرف بھاگ گئے۔ جب منڈو میں ان کو معلوم ہوا کہ جھار خاں حبشی نے گجرات میں فساد برپا کر کے چنگیز خاں کو قتل کر ڈالا ہے تو یہ گجرات پہنچے اور قلعہ چنپانیر اور سورت پر بغیر لڑے ان کا قبضہ ہو گیا۔

گجرات میں اس وقت تخت کے چھوٹے دعویداروں میں جو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے بری طرح خانہ جنگی برپا تھی۔ سارے گجرات میں لاقانونی کی سی حالت تھی۔ نہ کوئی بادشاہ تھا نہ حاکم۔ روز نئے نئے بادشاہ تبدیل ہوتے تھے یہاں تک کہ مجہول النسب نتھو جیسے لڑکوں کو بھی شاہی خاندان کا فرد بنا کر تخت پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ اکبر نے گجرات میں یہ ابتری دیکھی تو اس نے محسوس کر لیا کہ گجرات کے فتح کرنے کا یہ بہترین موقع ہے چنانچہ اکبر 20 صفر 980ھ (1572ء) کو دارالسلطنت آگرہ سے روانہ ہو کر اجمیر آیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر حاضری دی۔ امرائے سلطنت کو بطور پیشرو کے ایک لشکر کے ساتھ آگے روانہ کیا اور خود شکار کھیلتا ہوا انکے پیچھے چلا۔ جب بادشاہ ناگور کے قریب پہنچا تو اسے شہزادہ سلیم کی ولادت کی خوشخبری ملی۔

اکبر سروہی پہنچا تو سروہی کے راجہ رائے سنگھ نے خود حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ بادشاہ نے سروہی اور جودھپور کے اختیارات رائے سنگھ کو عطا کر دیئے۔ ابھی اکبر راستے ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ شیر خاں فولادی شاہی لشکر کے حملے کی اطلاع سن کر احمد آباد چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ بادشاہ نے شیر خاں کے بیٹوں کی گرفتاری کے لئے راجہ مان سنگھ کو روانہ کیا اور خود پٹن میں جو پہلے نہروالہ کے نام سے مشہور تھا آیا۔ وہاں سے احمد آباد کی طرف گیا۔ گجرات کے مجہول النسب بادشاہ نتھو مظفر شاہ کو گرفتار کر کے اکبر کے پاس لایا گیا۔ اکبر نے اسے کرم علی کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد گجرات کے تمام ممتاز امرائے سلطنت میر ابوتراب اعتماد خاں، اختیار الملک مشرقی، جھار خاں حبشی، وجیہہ الملک اور مجاہد خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ نتھو مظفر شاہ کی گرفتاری اور امرائے گجرات کی اطاعت کے بعد 980ھ (1572ء) میں سارے گجرات میں اکبر کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا اور گجرات کا انتظام اعتماد خاں کے سپرد کیا گیا۔

اکبر کو جب گجرات کی تسخیر اور انتظام سے ذرا اطمینان ہوا تو وہ احمد آباد پہنچا وہاں کے باشندوں نے بادشاہ کا پرجوش استقبال کیا۔ احمد آباد سے بادشاہ جب سمندر کی سیر کے لئے کھمبات روانہ ہوا تو گجرات کے امرائے سلطنت بھی اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے بادشاہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ اختیار الملک فرار ہو گیا ہے اور اعتماد خاں اور دوسرے امرائے

گجرات شورش کے لئے آمادہ ہیں۔ان امرا نے بادشاہ کے جاتے ہی یہ طے کیا تھا کہ وہ شورش برپا کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیں گے لیکن اکبر نے شورش برپا کرنے سے قبل ہی ان کو گرفتار کر لیا۔

امرائے گجرات کے فتنے کو دبانے کے بعد اکبر مرزاؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ بڑودہ اور سورۃ میں ان کا غلبہ تھا۔اس مہم میں بادشاہ کے ساتھ ٹوڈرمل، راجہ بھگوان سنگھ اور راجہ مان سنگھ بھی تھے۔مرزاؤں نے ایک دو جگہ بادشاہ کا مقابلہ بھی کیا مگر ان کو شکست ہوئی۔مرزاؤں کی شکست کے بعد اکبر قلعہ سورت کی تسخیر کی جانب متوجہ ہوا۔یہ قلعہ مرزاؤں کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔قلعہ سورت کا جب محاصرہ کرلیا گیا تو محصورین نے مجبور ہو کر قلعہ اکبر کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ چھوٹی چھوٹی شورشوں کو دباتا ہوا دوبارہ احمد آباد آیا۔وہاں چند روز قیام کیا۔ وزیر خاں کو گجرات کا گورنر مقرر کیا۔اس کے بعد آگرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔راستے میں بادشاہ اجمیر ٹھہرا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر حاضری دی اور پھر آگرہ چلا گیا۔

نگر کوٹ راجہ بیربل کو عطا کرنے کا حکم

راجہ جے چند والیٔ نگر کوٹ نے اگرچہ اکبر کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر بادشاہ کسی بات پر اس سے ناراض ہو گیا چنانچہ راجہ جے چند کی تمام جاگیر راجہ بیربل کو عطا کرنے کا حکم ہو گیا۔راجہ بیربل کا اصلی نام براہمداس تھا۔یہ کالپی کا ایک برہمن بھاٹ تھا۔جس نے کہ اپنی شاعری کی بدولت بادشاہ کے مزاج میں غیر معمولی دخل حاصل کر لیا تھا۔بادشاہ نے پہلے تو براہمداس کو ''کوی رائے'' یعنی ملک الشعراء کا خطاب دیا۔بعد ازاں راجہ بیربل کے خطاب سے اس ہندی زبان کے شاعر کی خوب عزت افزائی کی گئی۔

بادشاہ نے بیربل کی خاطر حسین قلی خاں کو حکم دیا کہ وہ امرائے پنجاب کی امداد سے نگر کوٹ کو راجہ جے چند سے لے کر راجہ بیربل کے حوالے کر دے۔حسین قلی خاں پہلے تو مہری کے قلعہ پر قبضہ جمانے کے لئے چوگان میں آیا جو نگر کوٹ کے قریب تھا۔پھر حصار بھول کو جو مہامائی کا مندر تھا فتح کیا۔مہامائی کے مندر پر راجپوتوں نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔سارا مندر انسانی خون سے لالہ زار بن گیا۔اس کے بعد حسین قلی خاں نے نگر کوٹ کے شہر پر قبضہ کیا۔پھر قلعہ کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔راجہ نے مجبور ہو کر صلح کی پیشکش کی اور یہ پیغام بھیجا کہ اگر بادشاہ میری صلح کی درخواست کو قبول کر لے تو میں بادشاہ کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دوں گا اور بادشاہ کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کروں گا اور نگر کوٹ کے بارے میں بادشاہ کا جو بھی حکم ہو گا اس سے ہرگز سرتابی نہ کروں گا۔اس کے بعد راجہ نگر کوٹ نے خود جا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کی۔بادشاہ نے اس کا معاملہ خاطر خواہ صورت میں طے کر

دیا۔ یہ واقعہ 980ھ (1572ء) میں پیش آیا تھا۔

بغاوت کو دبانے کے لئے اکبر دوبارہ گجرات میں

اکبر کو اطلاع ملی کہ محمد حسین مرزا اور بعض دوسرے فتنہ پردازوں نے گجرات میں پھر ہنگامہ برپا کر دیا ہے۔ محمد حسین مرزا نے پہلے تو سورت کے قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ جب اس میں ناکام رہا تو بھروچ پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا اور کھمبات کو بھی لے لیا۔ گجرات کے مغل گورنر خان اعظم نے ہر چند کوشش کی کہ وہ فتنہ پردازوں کو کچل دے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

981ھ (1573ء) میں اکبر خود باغیوں کی سرزنش کے لئے گجرات روانہ ہوا۔ اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تین چار سو کے قریب صرف منصب دار اور سردار تھے۔ اس کے علاوہ فوجی لشکر بھی بے اندازہ تھا۔ بادشاہ اور سارا لشکر راستے میں ٹھہرے بغیر 9 دن کے اندر احمد آباد پہنچ گیا اور پہنچتے ہی دشمن پر حملہ کر دیا۔ محمد حسین مرزا مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگا مگر گرفتار ہو گیا۔ اس کے بعد شاہی لشکر کا مقابلہ اختیار الملک کی فوج سے ہوا۔ اختیار الملک کو بھی شکست ہوئی۔ محمد حسین مرزا کو قتل کر دیا گیا، اختیار الملک مارا گیا اور اس طرح گجرات کا سارا فتنہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ گیارہ دن گجرات میں رہنے کے بعد دار السلطنت واپس آ گیا۔

بنگال اور بہار کی فتوحات

بہادر شاہ کی موت کے بعد جلال خاں اور اس کے بھائی تاج خاں نے بنگال و بہار پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جب یہ دونوں بھائی مر گئے تو ان کا چھوٹا بھائی سلیمان کررانی بنگال و بہار کا حکمراں بن گیا۔ سلیمان بڑا دور اندیش اور سمجھدار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مغلوں سے مخالفت پیدا کر کے اپنی حکومت کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ اس نے مغلوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے خان زماں کو دوست بنایا جب خان زماں کا دور دورہ ختم ہوا تو سلیمان کررانی نے منعم سے یارانہ گانٹھا اور شہنشاہ اکبر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بنگال اور بہار میں اکبر کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ سلیمان کررانی کی ہوشمندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود یہ کہ اس نے اڑیسہ پر غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا اور وہاں کے راجہ کو قتل کر دیا تھا جو کہ مغلوں کا اطاعت شعار اور باجگزار تھا مگر پھر بھی اس نے مغلوں سے اپنے تعلقات نہ بگڑنے دیے۔

سلیمان کررانی 25 سال حکومت کرنے کے بعد جب 980ھ (1572ء) میں مرا تو اس کا بیٹا بایزید تخت پر بیٹھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مغلوں سے وہ تمام سیاسی رشتے منقطع کر لئے جو اس کے باپ نے بڑی دشواری سے قائم کئے تھے۔ بایزید نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی

خودمختاری کا اعلان بھی کر دیا۔ اپنا سکہ چلایا اور اپنے نام کا خطبہ بھی جاری کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر گجرات کی مہم کے سر کرنے میں مصروف تھا اس نے بایزید کی اس خودسری کی اطلاع پاتے ہی منعم خاں کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً لشکر کشی کر کے بہار و بنگال اور اڑیسہ کو تنبیہ کرے لیکن ابھی مغل فوجیں حرکت میں بھی نہیں آئی تھیں کہ بایزید کے چچازاد بھائی بانسوی نے اسے قتل کر دیا۔ بایزید کے قتل کے بعد حکومت بنگال کے ایک بااثر "امیر لودھی" نے فوراً بایزید کے چھوٹے بھائی داؤد کو تخت پر بٹھا دیا اور بانسوی کو قتل کر دیا۔

گوجر خاں کررانی جو حکومت بنگال میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی فکر میں تھا وہ داؤد کی تخت نشینی سے متفق نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بایزید کے بعد بایزید کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا جائے لیکن جب لودھی کے سامنے اس کی کچھ نہ چلی تو اس نے بایزید کے بیٹے کو بہار لے جا کر بادشاہ بنا دیا اور اس طرح اکبر کی خوش نصیبی سے بنگال کے امرائے سلطنت میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب منعم خاں شاہی لشکر لے کر پہنچا تو گوجر خاں نے اس سے صلح کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ وہ بنگال کی فتح میں ہر امکانی مدد کرے گا۔ منعم خاں نے اس کی پیشکش کو قبول کر لیا مگر غلطی سے اتنا موقع دے دیا کہ لودھی نے گوجر خاں کو ہموار کر لیا چنانچہ لودھی اور گوجر خاں دونوں مل گئے اگر منعم خاں میں تدبر اور دور اندیشی ہوتی تو وہ ان دونوں میں اور زیادہ منافرت کی خلیج حائل کرنے کے بعد مغلیہ لشکر کے لئے بنگال اور بہار کی فتح میں آسانیاں پیدا کر سکتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکا بلکہ اس نے مزید غلطی یہ کی کہ لودھی خاں کے کہنے پر ایک لاکھ روپیہ لے کر اپنی فوج کو مقابلے پر سے ہٹا لیا اور گورکھپور کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جس پر کہ یوسف محمد نے قبضہ جما لیا تھا۔ یوسف نے آگرہ کے قید خانے سے فرار ہو کر بغاوت کا طوفان برپا کر رکھا تھا لیکن منعم خاں نے دوبارہ گورکھپور فتح کر لیا۔

خان خاناں منعم خاں تو گورکھپور میں الجھا رہا ادھر شاہ بنگال داؤد اور لودھی نے ایک بڑا لشکر لے کر جونپور میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا کر دیا۔ غرض کہ داؤد کا زور اتنا بڑھا کہ منعم خاں کو صلح کی درخواست کرنی پڑی مگر داؤد نہیں مانا۔ اسی دوران میں شاہ بنگال داؤد نے لودھی کے ہونے والے داماد کو قتل کر دیا۔ جس سے داؤد اور لودھی میں چل گئی۔ داؤد نے لودھی کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ لودھی کی موت کے بعد داؤد کا دایاں بازو ٹوٹ گیا اور اس کی ہمت اس قدر پست ہو گئی کہ میدان میں لڑنے کی بجائے وہ پٹنہ کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔

بنگال کی فتح کے لئے اکبر کی روانگی

اکبر کو یہ توقع تھی کہ منعم خاں بنگال کی مہم کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے گا لیکن جب

اس نے یہ دیکھا کہ بہترین موقع حاصل ہونے کے باوجود منعم خاں بنگال، بہار میں کوئی خاص کارنامہ انجام نہ دے سکا تو وہ خود 9 صفر 982ھ (1574ء) کو کشتیوں کے ذریعے بہار کی جانب روانہ ہو گیا۔ بادشاہ پہلے بنارس گیا اس کے بعد جونپور پہنچا وہاں سے پٹنہ گیا اور حاجی پور پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ جب داؤد کو یہ پتہ چلا کہ بادشاہ خود آ گیا ہے تو اس نے بادشاہ کے پاس صلح کی درخواست بھیجی جسے اکبر نے ٹھکرا دیا۔ شاہی فوجوں نے سب سے پہلے حاجی پور فتح کیا اس کے بعد قلعہ پٹنہ پر قبضہ جمایا۔

اکبر بنگال کی مہم کی سرکردگی خود کرنا چاہتا تھا لیکن امرائے سلطنت نے عرض کی کہ آپ اس وقت تکلیف فرمائیں جب ہم اس مہم کو انجام نہ دے سکیں۔ چنانچہ اکبر نے یہ مہم پھر منعم خاں کے سپرد کر دی۔ راجہ ٹوڈرمل کو منعم خاں کی امداد کے لئے مقرر کیا اور خود جونپور چلا گیا۔

شاہی فوج جس میں کہ بادشاہ کے آنے سے نئی زندگی پیدا ہو چکی تھی اس نے پہلے تو سورج گڑھ فتح کیا اس کے بعد راجہ سنگرام، پورنمل اور راجہ کید و کو مطیع بنایا، بھاگلپور کو افغانوں سے چھینا اور گڈھی جو بنگال کا دروازہ کہلاتا تھا اسے فتح کیا۔ شاہ بنگال داؤد سیگاؤں بھاگ گیا اور داؤد کے دوسرے ساتھی کالا پہاڑ سلیمان اور بابو منگلی گھوڑا گھاٹ چلے گئے غرض کہ شاہی فوج برابر فتح پر فتح حاصل کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور راجہ ٹوڈرمل مفتوحہ علاقوں میں انتظام قائم کرتا چلا گیا۔ اس کے بعد شاہی فوج ٹانڈہ کی جانب بڑھی اور اسے فتح کر لیا۔ ایک لشکر کو داؤد کے تعاقب میں سیگاؤں بھیجا گیا جس کا داؤد کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ داؤد یہاں سے بھی فرار ہو کر اڑیسہ چلا گیا شاہی لشکر نے سیگاؤں پر بھی قبضہ کر لیا۔

داؤد نے اڑیسہ پہنچنے کے بعد مغلوں پر حملہ کرنے کے لئے نیا لشکر تیار کرنا شروع کر دیا لیکن داؤد کی بدقسمتی کہ شاہی لشکر اس کے تعاقب میں اڑیسہ جا پہنچا اس کے بعد داؤد جہاں اور جدھر بھی گیا شاہی لشکر برابر اس کا تعاقب کرتا رہا اور اسے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مقابلے کی تیاری کر سکے اس تعاقب میں داؤد کا وزیر گوجر خاں مارا گیا تو داؤد کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی۔ اس نے منعم خاں سے صلح کے لئے التجا کی۔ منعم خاں تو صلح کے لئے آمادہ ہو گیا لیکن راجہ ٹوڈرمل جس کو کہ داؤد پر بالکل اعتماد نہ تھا، یہ چاہتا تھا کہ داؤد کو فوراً ختم کر دیا جائے مگر منعم خاں نے راجہ ٹوڈرمل کے مشورے پر عمل نہ کرتے ہوئے داؤد سے اطاعت کا وعدہ لینے کے بعد صلح کر لی اور اس طرح تقریباً تمام بنگال پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

گھوڑا گھاٹ اور قلعہ رہتاس کی فتح

داؤد سے فتنے سے فارغ ہونے کے بعد شاہی لشکر داؤد کے دوسرے ساتھیوں یعنی کالا پہاڑ

اور بابومنگلی کی جانب متوجہ ہوا جنہوں نے گھوڑا گھاٹ میں فتنہ برپا کر رکھا تھا۔ ان دونوں نے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔

بادشاہ قلعہ رہتاس کی فتح کا بے حد خواہشمند تھا اس نے اس قلعہ کی تسخیر کے لئے خاص طور پر مظفر خاں اور فرحت خاں کو نامزد کیا تھا۔ رہتاس کا قلعہ ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ تھا۔ مظفر خاں کو اس قلعہ کے فتح کرنے میں کافی وقت لگا لیکن یہ قلعہ فتح ہو گیا اور اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد باغی پٹھانوں کی سب سے بڑی کمین گاہ ختم ہوئی۔

ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد منعم خاں بنگال کے دارالسلطنت گور کی جانب بڑھا اور وہیں مستقل قیام کر لیا۔ گور کی آب و ہوا نہایت خراب تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی لشکر میں وبائی بیماری پھیل گئی۔ ہزاروں سپاہی مر گئے۔ منعم خاں باقی ماندہ سپاہیوں کو لے کر ٹانڈہ آیا۔ ٹانڈہ آ کر وہ خود بھی بیمار ہو گیا اور 983ھ (1575ء) میں اسی مقام پر فوت ہو گیا۔

شاہ بنگال داؤد کی بغاوت اور موت

داؤد جس نے کہ بادشاہ کی اطاعت کا وعدہ کیا تھا جب اس نے دیکھا کہ منعم خاں مر گیا ہے اور بیماری کی وجہ سے مغل لشکر میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو اس نے بغاوت برپا کر کے قصبہ بھدرک پر قبضہ کر لیا۔ شاہی لشکر نے داؤد کا مقابلہ تو کیا لیکن یہ لشکر کچھ ایسا بددل ہوا کہ فتح حاصل کئے بغیر حاجی پور واپس آ گیا۔ داؤد نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالی علاقوں پر آسانی سے قائم کر لیا اکبر کو شاہی لشکر کی اس کمزوری کا پتہ چلا تو اس نے حاکم پنجاب خان جہاں مظفر خاں اور امرائے صوبہ بہار کو حکم بھیجا کہ فوراً بنگال پہنچ کر شاہی لشکر کی امداد کریں اور باغیوں کو کچل ڈالیں چنانچہ خان جہاں مظفر خاں اور امرائے بہار اپنے اپنے لشکر لے کر داؤد کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئے۔ اس کے بعد بادشاہ خود بنگال جا پہنچا اور لشکر کو نئے سرے سے ترتیب دینے کے بعد داؤد پر حملہ کر دیا۔ داؤد نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور گرفتار ہونے کے بعد خان جہاں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ داؤد کے مرنے کے بعد شاہان بنگال کا آخری چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا اور 987 (1579ء) میں بنگال کی حکومت پر مغلوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

جب داؤد مر گیا اور بنگال پر مغلوں کی حکومت قائم ہو گئی تو امرائے سلطنت نے ان علاقوں کو باغیوں سے صاف کرنا شروع کر دیا۔ جہاں ابھی تک باغی چھپے ہوئے تھے اور فساد کے لئے سازشیں کر رہے تھے۔ قلعہ رہتاس پر پوری طرح قبضہ کر لیا گیا۔ شیر گڑھ کے قلعہ کو تسخیر کیا گیا۔ سات گاؤں جہاں داؤد کے ساتھیوں کا زور تھا خان جہاں نے اسے باغیوں سے پاک کر کے وہاں اپنا انتظام قائم کر دیا اسی دوران میں خان جہاں بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔

بنگال اور بہار میں دوبارہ شورش

اکبر نے منعم خاں خان خاناں اور بہت سے لائق امرائے سلطنت کو بنگال اور بہار پر قربان کرنے کے بعد بڑی دشواری سے ان علاقوں پر تسلط حاصل کیا تھا لیکن وہاں چند ہی روز کے بعد پھر بغاوتیں شروع ہو گئیں اور منظم طریقے پر یہ تحریک جاری کی گئی کہ جس طرح بھی ہو مغلیہ حکومت کا جوا کاندھے سے اتار کر پھینک دیا جائے چنانچہ جابجا مغل عمال حکومت قتل ہونے لگے اور فساد برپا کر کے خلق خدا کو لوٹا جانے لگا۔ ان تباہ کاریوں میں سب سے زیادہ ان امرائے بنگال اور بہار کا ہاتھ تھا جن کو مغل سرداروں نے بڑی مشکل سے تلوار کے زور سے زیر کیا تھا لیکن انہوں نے اس امید میں از سر نو سر اٹھانا شروع کر دیا تھا کہ شاید اس مرتبہ وہ مغلوں کو بنگال اور بہار سے نکالنے کے بعد اپنی خودمختار حکومتیں قائم کرنے میں دوبارہ کامیاب ہو جائیں۔

اس شورش میں امرائے بنگال و بہار تمام متفق و متحد تھے انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ سب مل کر پوری طاقت سے مغلوں کو اس ملک سے نکال کر رہیں گے۔ پٹنہ اور دوسرے شہروں کو انہوں نے خوب لوٹا اور تاجروں پر بھی ہاتھ صاف کیا تاکہ لوٹ مار کے ذریعے جو دولت ہاتھ آئے اس سے لشکر کی تنخواہیں دی جا سکیں۔

جب اکبر کو امرائے بنگال و بہار کی اس سرکشی اور بغاوت کی اطلاع ملی تو اس نے اس خطرناک بغاوت کو دبانے کے لئے ایک بڑا لشکر بھیج دیا۔ شاہی لشکر کا کئی جگہ باغیوں کے لشکر سے مقابلہ ہوا جس میں مغلوں کو فتوحات بھی ہوئیں اور شکستیں بھی ہوئیں غرض کہ مغلوں کو اس بغاوت کے دبانے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ مغلوں کا بہترین فوجی افسر مظفر خاں بھی اس جنگ میں کام آ گیا۔

مغلوں کا لشکر اس سرکشی کو دبانے کی جتنی کوشش کرتا تھا اتنے ہی یہ سرکش اور ابھرتے جاتے تھے۔ بہار میں بھی نئے سرکش پیدا ہو گئے تھے اور بنگال میں نئے نئے باغی میدان میں آ گئے تھے اس کے علاوہ جونپور میں شدید فساد برپا کر دیا گیا۔ راجہ ٹوڈرمل اور دوسرے امرائے سلطنت نے اگرچہ باغیوں کے زیر کرنے پر اپنی ساری طاقت صرف کر دی تھی مگر باغی قابو ہی میں نہیں آتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی ایک جگہ بغاوت نہیں تھی بلکہ ہر دس پندرہ میل کے فاصلے پر جابجا بغاوتیں برپا تھیں شاہی لشکر کہاں کہاں دوڑتا۔

اکبر نے جب دیکھا کہ راجہ ٹوڈرمل اور مغل امرا کو اس خوفناک شورش کے دبانے میں بڑی دشواریاں پیش آ رہی ہیں تو اکبر نے خان اعظم کی سرکردگی میں تازہ دم لشکر روانہ کیا۔ یہ لشکر جب پہلے لشکر سے آن کر ملا تو اس وقت باغیوں کی سرگرمیاں دھیمی پڑ چکی تھیں۔ امرائے سلطنت نے

لشکر کو چھ سات حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ایک ساتھ ان تمام علاقوں پر یورشیں شروع کردیں جہاں باغی پناہ گزیں تھے باغیوں کو پکڑا گیا قتل کیا گیا، ان کے گھروں کو لوٹا گیا، باغیوں کا سرغنہ شرف الدین حسین مارا گیا۔ بنگال کا باغی بہادر بسلی لڑائی میں کام آ گیا۔ معصوم خاں معافی مانگ کر شاہی ملازمین میں شامل ہو گیا۔ نور محمد باغی قتل ہوا قتلو کررانی نے اطاعت قبول کر لی۔ رستم قاقشاں قتل ہوا۔ درجن سنگھ مارا گیا۔ غرض کہ اس سخت گیری کا یہ نتیجہ نکلا کہ سارا بنگال مطیع ہو گیا۔ بہار کی بغاوت دب گئی۔ اُڑیسہ پھر حکومت مغلیہ میں شامل ہو گیا لیکن اس مرتبہ بھی سعادت خاں اور دوسرے ممتاز فوجی افسر بہار اور بنگال پر قربان ہو گئے۔

راجہ مان سنگھ کی خوش انتظامی

بہار اور بنگال کی بغاوتوں کے فرو ہونے کے بعد چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہاں کے شورش پسند پھر سر نہ اٹھائیں اسلئے اکبر نے بہار کا سارا انتظام راجہ مان سنگھ کے حوالے کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ وہ بنگال کی بھی نگرانی کرتا رہے۔ بہار اور بنگال کی حالت یہ تھی کہ کچھ تو جغرافیائی مشکلات کی بنا پر اور کچھ پٹھانوں کا علاقہ ہونے کے سبب سے یہاں شورش پسندوں کو شورش پھیلانے کے کافی مواقع حاصل تھے۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ ان علاقوں کا انتظام ایسا چست ہو کہ پھر کبھی بدنظمی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ بنگال، بہار اور اُڑیسہ پر مغلوں کا پوری طرح تسلط ہو گیا اور یہ خطرناک علاقہ ہمیشہ کے لئے بغاوتوں سے پاک ہو گیا۔

گجرات میں مغلیہ حکومت کے خلاف بغاوت

اکبر 980ھ (1572ء) میں گجرات کو فتح کرنے کے بعد اور وہاں وزیر خاں کو گورنر مقرر کر کے دارالسلطنت واپس آ گیا تھا اور مطمئن تھا کہ گجرات کی مہم سے اسے نجات مل گئی لیکن بنگال کی طرح گجرات میں بھی اچانک بغاوت برپا ہو گئی۔ اس بغاوت کا بڑا سبب وزیر خاں کی غفلت تھی جس کی وجہ سے گجرات کی دبی ہوئی چنگاریاں نئے سرے سے روشن ہو گئیں جب اکبر نے یہ دیکھا کہ وزیر خاں گجرات کے معاملات پر قابو پانے میں ناکام رہا ہے تو بادشاہ نے وزیر خاں کی امداد کے لئے 985ھ (1577ء) میں ٹوڈرمل کو بھیجا۔ ٹوڈرمل ایک لائق سپہ سالار ہونے کے ساتھ نہایت ہوشیار مدبر بھی تھا۔

ٹوڈرمل کے گجرات جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظفر حسین جیسے باغی جنہوں نے کہ بری طرح شورش برپا کر رکھی تھی گھبرا گئے۔ ٹوڈرمل نے سرزمین گجرات پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے ان بدانتظامیوں کو دور کیا جو وزیر خاں کی غفلت سے پیدا ہوئی تھیں۔ ٹوڈرمل جدھر بھی جاتا تھا انتظام کو

نئے سرے سے درست کر دیا تھا۔ اس نے سلطان پور اور ندربار میں ایسا اچھا انتظام قائم کیا جو اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔

ٹوڈرمل، سورت، بروچ، بڑودہ اور چاپانیر کے انتظام کو درست کرتا ہوا جب احمد آباد پہنچا تو اس کے پہنچتے ہی احمد آباد اور اس کے گردونواح میں سخت شورش برپا ہو گئی اس شورش کا سرغنہ مہر علی کوابی تھا۔ جس کی فتنہ پردازی سے شورش اس قدر بڑھی کہ نہ سلطان پور رہا نہ بڑودہ۔ بڑودہ پر مہر علی نے پورا تسلط جما لیا تھا۔ وزیر خاں اس شورش سے بڑا گھبرایا اور اس نے سوچا کہ احمد آباد کے قلعہ میں محصور ہو کر لڑنا چاہیے مگر راجہ ٹوڈرمل اس کو ہمت دلا کر جب میدان میں لایا تو بڑودہ دوبارہ فتح ہو گیا۔

باغیوں نے بڑودہ سے بھاگنے کے بعد کھمبات میں شورش برپا کر دی جب شاہی لشکر کھمبات پہنچا تو باغی جونا گڑھ بھاگ گئے اور جونا گڑھ میں جمع ہو کر شاہی لشکر کے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے چنانچہ ان کا راجہ ٹوڈرمل سے سخت مقابلہ ہوا مگر باغیوں کو شکست ہو گئی ان کے اٹھارہ بڑے آدمی مارے گئے اور بے شمار گرفتار ہوئے۔ راجہ ٹوڈرمل مال غنیمت اور قیدیوں کو لیکر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اس وقت اجمیر شریف جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی راجہ ٹوڈرمل سے ملاقات ہوئی تو بادشاہ اس فتح سے بہت خوش ہوا۔ گجرات کے قیدیوں کو قتل کا حکم دیا اور راجہ ٹوڈرمل کو عہدہ وزارت پر سرفراز کیا۔

راجہ ٹوڈرمل کا گجرات سے جانا تھا کہ پھر نئے سرے سے شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ مظفر حسین نے کھمبات میں تاجروں کو خوب لوٹا اور دور دراز علاقوں تک ایسا ہنگامہ برپا ہوا کہ وزیر خاں قلعہ احمد آباد میں محصور ہونے پر مجبور ہو گیا لیکن وزیر خاں نے جب دیکھا کہ قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھنا بے سود ہے تو وہ باہر نکلا باغیوں کا مقابلہ کیا۔ باغیوں کو شکست ہوئی۔ مظفر حسین دکن بھاگ گیا۔ جہاں سے گرفتار کر کے 996ھ (1588ء) میں بادشاہ کے پاس لایا گیا۔ بادشاہ نے اسے قید خانے میں ڈلوا دیا۔

اکبر نے جب دیکھا کہ گجرات کے باغی وزیر خاں کے قابو کے نہیں ہیں تو اس نے وزیر خاں کو تو ایدر کی مہم پر روانہ کر دیا اور اس کی جگہ شہاب الدین احمد خاں کا تقرر کر دیا اور گجرات کا انتظام استاد خاں کے سپرد ہوا جسے بادشاہ پہلے ہی جاگیر دے چکا تھا لیکن گجرات میں پھر بھی امن نہ ہوا۔ دو تین سال تک برابر شورشیں برپا ہوتی رہیں۔

مظفر شاہ عرف نتو گجرات کا دوبارہ بادشاہ

991ھ (1583ء) میں مظفر شاہ کا پرانا فتنہ پھر کھڑا ہو گیا۔ مظفر شاہ جس کا اصلی نام نتو تھا اور

جو مجہول النسب تھا۔ اسے اغراض پسندوں نے سلطان محمود کا بیٹا بنا کر چھوٹی سی عمر میں تخت پر بٹھا دیا تھا۔ جب اکبر نے 980ھ (1572ء) میں گجرات فتح کیا تو یہ مظفر شاہ عرف نتو گرفتار ہو گیا تھا۔ اکبر نے اسے بچہ سمجھ کر قتل کی اجازت نہ دی اور اسے کرم علی داروغہ کی نگرانی میں دے دیا تھا لیکن جب یہ جوان ہوا تو بھاگ کر پھر گجرات چلا گیا اور گجرات کے باغیوں نے 991ھ (1583ء) میں اسے دوبارہ گجرات کے تخت پر بٹھا دیا۔ غرض کہ اس طرح گجرات کی مری ہوئی بادشاہی پھر زندہ ہو گئی۔

مظفر شاہ کا دوبارہ تخت پر بیٹھنا تھا کہ گجرات کے باغیوں کی ہمت بڑھ گئی۔ انہوں نے گجرات کے تمام بڑے بڑے شہروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چند روز میں مظفر شاہ کے پاس اچھا خاصا لشکر جمع ہو گیا جس کی وجہ سے اس نے مغلوں پر باقاعدہ حملے شروع کر دیئے۔ چنانچہ 992ھ (1584ء) میں شاہی لشکر کو دو مرتبہ مظفر شاہ سے جنگ کرنی پڑی۔ دونوں مرتبہ مظفر شاہ کو شکست ہوئی۔

اس زمانے میں خان خاناں بھی گجرات پہنچ چکا تھا اور گجرات کی جنگ دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی۔ آخر 993ھ (1583ء) میں شاہی لشکر کا اور مظفر شاہ کی فوج کا بڑا سخت مقابلہ ہوا جس میں مظفر شاہ کو تیسری مرتبہ بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مظفر شاہ کی اس شکست کے بعد جب خان خاناں واپس چلا آیا تو مظفر شاہ نے خان خاناں کے جانے کے بعد پھر شورش برپا کر دی لیکن اس شورش کو مغلیہ لشکر نے آسانی سے دبا دیا۔ اس کے بعد مغلیہ لشکر نے ایک ایک کر کے ان تمام مقامات پر قبضہ جمانا شروع کیا جن پر باغی قابض ہو گئے تھے۔

999ھ (1590ء) میں گجرات کے باغیوں نے پھر ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا اور مغلوں کے ساتھ ان کی سخت جنگ ہوئی۔ خان اعظم مرزا کوکہ نے باغیوں کو بری طرح شکست دی۔ جونا گڑھ کو فتح کیا۔ سورت پر قبضہ جما لیا اور گجرات کے گوشے گوشے سے فتنہ پردازوں کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ مظفر شاہ گجراتی جس نے کہ مسلسل چودہ سال تک مغلیہ لشکر کو پریشان رکھا جب مایوس ہو گیا تو اس نے استرے سے گلا کاٹ کر خودکشی کر لی۔ اس طرح بڑی دشواری اور طویل مدت کے بعد گجرات کا جھگڑا ختم ہونے کے بعد گجرات کا علاقہ سلطنت مغلیہ کا ایک اہم جزو بن گیا۔

والئ چتوڑ کے خلاف دوسری یورش

اکبر نے 976ھ (1568ء) میں چتوڑ پر حملہ کر کے اسے فتح تو کر لیا تھا لیکن اکبر اور اس کا لشکر سخت کوشش کے باوجود رانا اودے سنگھ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا تھا۔ رانا نے چتوڑ سے فرار ہونے کے بعد پہاڑیوں میں ایک نیا چتوڑ بنا لیا تھا جس کا نام اودے پور رکھا گیا یہاں نہایت مضبوط قلعہ

بنایا گیا۔ اس قلعہ کے گرد ایک اچھا خاصا شہر آباد ہو گیا۔ رانا اودے سنگھ چتوڑ کے نکل جانے کے بعد 4 سال زندہ رہا۔ 42 سال کی عمر میں جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا رانا پرتاب سنگھ جانشین قرار پایا جو کیکا کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اپنے دادا رانا سانگا کی طرح نہایت بہادر اور دلیر تھا۔

اکبر کی ابتدا ہی سے یہ خواہش تھی کہ وہ رانا اودے سنگھ کی لڑکی سے شادی کر کے میواڑ کے شاہی خاندان سے بھی اپنے تعلقات خوشگوار بنا لے لیکن اودے سنگھ کو مغلوں سے شدید نفرت تھی اس نے مرتے دم تک نہ تو اطاعت قبول کی اور نہ بیٹی دینا منظور کیا۔ چنانچہ جب رانا پرتاب اودے پور کے تخت پر بیٹھا تو اس نے بھی نہ صرف باپ کی تقلید کی بلکہ وہ باپ سے بھی کہیں زیادہ مغلوں سے متنفر تھا۔

اکبر 984ھ (1576ء) میں جب اجمیر آیا اور اسے رانا کی سرکشی کی تفصیلات معلوم ہوئیں اور پتہ چلا کہ رانا پرتاب کسی طرح جھکنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا تو اس نے راجہ مان سنگھ کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر رانا پرتاب کی سرزنش کے لئے 2 محرم 984ھ (1576ء) کو اجمیر سے روانہ کیا۔ راجہ مان سنگھ کے علاوہ اس مہم میں غازی بدخشی، خواجہ غیاث الدین علی آصف خاں، سید احمد، سید ہاشم، جگن ناتھ، سید راجو، مہتر خاں، مادھو سنگھ، مجاہد بیگ، کھنگار ورائے، مون کرن اور بہت سے دوسرے سردار شامل تھے۔ فوجی سرداروں کے علاوہ اس مہم میں مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔

راجہ مان سنگھ نے سب سے پہلے گولکنڈہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد مان سنگھ کے لشکر کا مقابلہ رانا کے لشکر سے کھیم پور لکھی کے مقام پر ہوا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رانا کو شکست ہوئی۔ رانا کا مشہور ہاتھی رام پرشاد مان سنگھ کے ہاتھ آیا۔ راجہ مان سنگھ نے مال غنیمت اور رام پرشاد نامی ہاتھی ملا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ بادشاہ کے پاس فتح پور بھیج دیا۔ بادشاہ فتح کی اطلاع سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ "چونکہ یہ فتح پیر کے علاقے میں ہوئی ہے اس لئے ہم اس ہاتھی کا نام رام پرشاد کی بجائے پیر پرشاد رکھتے ہیں۔"

اسی سال اکبر اجمیر شریف کی زیارت کے بعد شکار کھیلتا ہوا خود گولکنڈہ پہنچا۔ راجہ مان سنگھ کو رانا پرتاب کی تلاش میں پہاڑیوں میں بھیجا اور دوسرا لشکر ایدر کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ راجپوتوں نے ایدر کو بچانے کے لئے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن ان کو شکست ہوئی اور ایدر فتح ہو گیا۔ لیکن راجہ مان سنگھ اور اس کا لشکر جو رانا پرتاب کی تلاش میں گیا تھا ناکام واپس آ گیا۔ جس سے اکبر کو ناگواری پیدا ہوئی۔ اکبر چاہتا تھا کہ رانا پرتاب کو زندہ یا مردہ کسی نہ کسی طرح ضرور گرفتار کیا جائے۔ شاہی لشکر کو پتہ چلا کہ رانا نے قلعہ بلمیر کو اپنی پناہ گاہ بنا لیا ہے۔ یہ قلعہ ایک بہت اونچی پہاڑی پر واقع تھا۔ شاہی لشکر نے اس قلعہ کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا مگر رانا

وہاں بھی موجود نہ تھا۔ اس کے بعد شاہی لشکر اودے پور پر حملہ آور ہوا۔ لشکر کے ہاتھ بے اندازہ مال اور سامان لگا مگر رانا اب بھی ہاتھ نہ آیا۔ رانا شاہی لشکر سے پریشان ہونے کے بعد پہاڑیوں میں جاکر پناہ گزیں ہوگیا تھا۔ غرض کہ رانا کے خلاف اس دوسری یورش میں فتوحات تو بہت سی ہوئیں لیکن اصل مقصد پھر بھی حاصل نہ ہوا یعنی شاہی لشکر رانا پرتاب کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

چند دوسری راجپوت ریاستوں پر حملے

اکبر کو اطلاع ملی کہ چندر سین پسر راجہ مالدیو جو 975ھ (1567ء) میں اجمیر میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اطاعت کا اقرار کر چکا تھا باغی ہوگیا ہے اور اس نے حدود جودھپور میں فساد برپا کر رکھا ہے اور اجمیر کے بعض علاقوں میں بھی طوفان مچا رکھا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر راجہ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجا گیا جس نے قلعہ سوانہ کو فتح کر لیا اور راجہ کی شورش ختم ہوگئی۔

رائے سرجن حاکم رنتھنبور کا بیٹا دودا جو اکبر کے ملازمین میں سے تھا اچانک فرار ہوکر اپنے وطن بوندی چلا گیا اور بوندی پہنچنے کے بعد بغاوت برپا کر دی اور جب شاہی لشکر اس کی سرکوبی کے لئے آیا تو اس نے شاہی لشکر سے جنگ کی۔ دودا کو شکست ہوئی اور اس کا علاقہ رائے بھوج کو دے دیا گیا۔

سروہی اور جھالاواڑ حکومت مغلیہ کے مطیع بن چکے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کے حکمرانوں نے بھی شورش برپا کر دی ہے۔ ان کی سرکوبی کے لئے بھی لشکر روانہ کیا گیا اور ان کو زیر کر لیا گیا۔

بدھ گڑھ کا راجہ مطیع ہونے کے بعد باغی ہوگیا تھا۔ اس کی سرزنش کے لئے بھی شاہی لشکر بھیجا گیا۔ راجہ نے مقابلہ کیا جب وہ شاہی لشکر سے تنگ آگیا تو اکبر کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی طلب کی اکبر نے معاف کر دیا مگر اس نے پھر بغاوت برپا کر دی اور اسی بغاوت میں مارا گیا۔

اکبر کو اپنے دور حکومت میں سب سے بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ بہت کم راجپوت راجہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے تھے۔ راجپوت راجاؤں کی حالت یہ تھی کہ جب وہ اپنے بچنے کا کوئی راستہ نہیں دیکھتے تھے تو اطاعت قبول کر لیتے تھے لیکن پھر موقع ملتے ہی باغی ہو جاتے تھے۔

کشمیر کی فتح کے لئے اکبر کی مہم

مغلوں کی حکومت سے قبل ہندوستان میں بہت سی نہایت مضبوط اور وسیع اسلامی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں لیکن ان حکومتوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ ہمت نہ ہوسکی کہ وہ کشمیر کی سنگلاخ زمین کی جانب رخ کر سکتی۔ چنانچہ مغلوں سے ہزاروں برس تک کشمیری کشمیر کی آزاد حکومت کا پورا پورا

لطف اٹھاتے رہے یعنی تقریباً چار ہزار سال تک ہندوؤں کے مختلف خاندان کشمیر پر حکمراں رہے اور آخر میں ڈھائی سو برس تک مسلمان بادشاہوں نے جو سب کے سب کشمیری تھے بڑی شان کے ساتھ کشمیر پر حکومت کی ہے۔

مغلوں کو کشمیر کے فتح کا خیال بابر ہی کے زمانے میں پیدا ہو گیا تھا چنانچہ بابر نے 933ھ (1526ء) میں اپنی سپاہ کی مدد سے نازک شاہ بن ابراہیم شاہ کو کشمیر کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ نازک شاہ کشمیر کے پرانے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بابر کے بعد ہمایوں بھی کشمیر کی فتح کا ارادہ رکھتا تھا چنانچہ شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد جب ہمایوں فرار ہوا تو اس نے اپنے ایک فوجی جرنیل مرزا حیدر کو 948ھ (1541ء) میں چار ہزار سوار دے کر کشمیر کے لئے روانہ کر دیا تھا تاکہ مرزا حیدر وہاں جا کر جنگ شروع کر دے اور بعد میں ہمایوں بھی اس سے آن ملے لیکن ہمایوں کا ارادہ بدل گیا مگر مرزا حیدر نے اس مختصری فوج سے کشمیر کو فتح کر کے وہاں ہمایوں کا خطبہ تک پڑھوا دیا تھا لیکن جب ہمایوں کشمیر نہ پہنچا تو مرزا حیدر کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ یہ کشمیر کا پہلا غیر کشمیری بادشاہ تھا جو ترک نسل سے تھا۔ مرزا حیدر دس سال حکومت کرنے کے بعد جب مر گیا تو پھر کشمیریوں نے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

986ھ (1577ء) میں اکبر کی فتوحات کی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں یوسف شاہ کشمیری تخت نشین ہوا تو وہ اکبر سے بے حد خائف تھا۔ چنانچہ جب اکبر کے ایلچی اس کے پاس اطاعت کا پیغام لے کر آئے تو اس نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ بادشاہ کے فرمان کو چوم کر سر پر رکھا اور اپنے بیٹے یعقوب خاں کو بطور اقرار اطاعت کے بادشاہ کی خدمت کے لئے بھیج دیا۔ بادشاہ جو اس زمانے میں لاہور میں تھا اس نے یہ خواہش کی کہ یوسف شاہ کشمیر خود اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ لیکن یوسف شاہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اکبر اسے بلا کر قتل نہ کر دے اس لئے اس نے حاضری کے لئے عذر کر دیا۔ جس سے بادشاہ کو اس کی جانب سے شبہ ہو گیا۔ اسی زمانے میں یوسف شاہ کا بیٹا یعقوب خاں بغیر کسی اطلاع کے اکبر کے پاس سے بھاگ کر کشمیر چلا گیا جس پر اکبر کو یوسف شاہ کے باغی ہونے کا پورا یقین ہو گیا اور اس نے فوراً کشمیر پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

کشمیر میں مغلیہ فوج کا داخلہ

مرزا علی اکبر کی سرکردگی میں ایک فوج 954ھ (1586ء) میں کشمیر کی فتح کے لئے پنجاب سے روانہ ہوئی۔ اس میں مرزا شاہ رخ، راجہ بھگوان داس، شاہ قلی محرم مادھو سنگھ، مبارک خاں اور جلال خاں جیسے آزمودہ کار اور ماہرین جنگ شامل تھے۔ چونکہ کشمیر کی زمین بڑی سنگلاخ

ہے اور اس کے راستے بے حد پیچیدہ ہیں اس لئے فوج کو راستے میں بے حد تکالیف اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور کشمیر کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد فوج کے سپاہی سردی کی زیادتی سے ٹھٹھرنے اور مرنے لگے جس سے کہ مغلیہ فوج اور اس کے افسروں میں بڑی پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔

ایک طرف تو مغلیہ فوج کشمیر کی سردی کی وجہ سے پریشان تھی اور دوسری جانب یوسف شاہ بھی مغلیہ فوج کے آنے سے سراسیمہ تھا۔ اس نے اپنے پیغامبر بھیج کر صلح کی درخواست کی تو مغل فوج کے افسر جو پہلے ہی پریشان تھے فوراً صلح کے لئے تیار ہو گئے لیکن اکبر نے حکم دیا کہ "ہم کو یوسف شاہ کے قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں۔ فوج کشمیر کو فتح کرے اگر یوسف شاہ سچے دل سے صلح چاہتا ہے تو ملک فتح کرنے کے بعد دوبارہ اس کو تفویض کیا جا سکتا ہے۔"

بادشاہ کے اس حکم کے بعد فوج کو مجبوراً پیش قدمی کرنی پڑی۔ چنانچہ کشمیریوں اور مغلوں میں جنگ چھڑ گئی۔ مغلوں نے گربوہ کا کچھ علاقہ فتح بھی کر لیا۔ یوسف شاہ نے جب یہ رنگ دیکھا تو اس نے تخت پر اپنے بیٹے یعقوب خاں کو بٹھا دیا اور صلح کی دوبارہ کوشش شروع کی لیکن اکبر نے اس مرتبہ بھی صلح کی پیشکش مسترد کر دی کیونکہ اکبر تو ہر حالت میں کشمیر کو فتح کرنا چاہتا تھا۔

شیعہ سنی کے جھگڑے کی وجہ سے مغلوں کی فتح

کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جہاں پہاڑیاں اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ کسی بیرونی حملہ آور کا اسے فتح کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ کشمیری بہادری میں بھی دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں تھے۔ اس لئے مغلیہ فوج کے لئے کشمیر میں فتح حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن اکبر اور مغلوں کی خوش نصیبی سے کشمیر میں زمانہ دراز سے شیعہ اور سنی کا جھگڑا چل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہاں اکثر مسلمانوں میں فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوتے رہتے تھے اور مسلمان اس جھگڑے کی وجہ سے مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے تھے چنانچہ کشمیریوں کی اس خانہ جنگی سے مغلوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ کشمیر کے بہت سے امرا مغلوں کے امرائے سلطنت سے مل گئے اور ان کو کشمیر کی فتح کے وہ ڈھنگ بتائے جو کسی غیر کشمیری کو معلوم نہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مغلیہ فوج کو کشمیر کی تنگ پہاڑیوں اور ناہموار راستوں میں الجھ کر رہ گئی تھی اور سردی کی وجہ سے پریشان تھی اس کے پاؤں جم گئے اور اسے فتوحات حاصل ہونے لگیں۔

کشمیریوں کے مغلوں کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے اگرچہ یعقوب خاں کی ہمت ٹوٹ گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے مغلیہ فوج کا مضبوطی سے مقابلہ کیا لیکن جب وہ فیصلہ کن جنگ کے لئے ہیرہ پور میں آیا تو اسے پتہ چلا کہ جو کشمیری اب تک مغلوں کو نکالنے کے حق میں تھے وہ بھی

دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں اور سب کے سب اس سے منحرف ہو چکے ہیں۔ اب یعقوب کا حوصلہ اور بھی پست ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ مغلوں کا اقبال سامنے ہے غرض کہ کشمیریوں میں بری طرح پھوٹ پڑ گئی۔

مغل فوج جس کے لئے کشمیریوں کی خانہ جنگی اور شیعہ سنی کے جھگڑے نے کامیابی کے راستے کھول دیئے تھے۔ بڑھتی بڑھتی سری نگر کے قریب جا پہنچی۔ کشمیریوں سے مغل فوج کا سخت مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے میں کشمیریوں نے مغلوں کے کئی بڑے افسروں کو ہلاک کر دیا لیکن مغل سردار قاسم خاں بڑی بہادری کے ساتھ کشمیریوں کا مقابلہ کرتا رہا آخر کشمیریوں کو شکست ہوگئی اور مغلیہ فوج سری نگر میں داخل ہوگئی۔ اکبر کو اس فتح سے فوراً مطلع کیا گیا جس سے کہ اسے بے حد خوشی حاصل ہوئی۔

یعقوب نے جب دیکھا کہ مغلیہ فوج سری نگر پر قابض ہو چکی ہے اور اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ میدان میں آ کر مغلیہ فوج کا مقابلہ کر سکے تو اس نے مغلیہ فوج پر شب خون مارنے شروع کئے اور کشمیر میں جا بجا شورش برپا کرادی لیکن قاسم خاں نے بہت جلد اس شورش کو دبا دیا۔ یعقوب خاں ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے میدان میں آیا اور مغلیہ فوج کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن اسے اس مرتبہ بھی شکست ہوئی اور اس طرح 994ھ (1586ء) میں یعقوب خاں کی شکست کے بعد کشمیر پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

شہنشاہ اکبر کی کشمیر میں آمد

شہنشاہ اکبر کو کشمیر کی فتح کی بڑی تمنا اور آرزو تھی جب کشمیر فتح ہو چکا تو وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ مع مصاحبین اور بیگمات کے کشمیر کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہزاروں سنگتراش اور بیلدار اکبر کے لئے راستہ بناتے جاتے تھے اور وہ اپنے لشکر کو لئے ہوئے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ راستے میں شکار کھیلتا ہوا قدرتی مناظر سے لطف اٹھاتا ہوا اکبر سری نگر جا پہنچا۔ سری نگر پہنچنے کے بعد اس نے ایک ہزار بنگلہ نما کشتیاں تیار کرائیں اور ان کشتیوں کو دریا میں ڈالنے کے بعد دریا پر ایک خوبصورت شہر آباد کر دیا۔ غرض کہ اکبر نے کشمیر کی کیف آور فضا سے خوب لطف اٹھایا۔

جس زمانے میں اکبر کشمیر میں تھا یوسف شاہ اور اس کے بیٹے یعقوب خاں نے بادشاہ سے اپنی غلطیوں کی معذرت چاہی۔ بادشاہ نے ان دونوں باپ بیٹوں کی معذرت قبول کر لی اور ان دونوں کو امرائے دربار میں شامل کر لیا اور بہار میں ان کو ایک بڑی جاگیر عطا کر دی۔ اکبر کو کشمیر اس قدر پسند تھا کہ جس سال کشمیر فتح ہوا وہ سال میں دو مرتبہ کشمیر گیا۔ اس کے بعد برابر کشمیر جاتا رہتا تھا اسے کشمیر دنیا کے ہر خطے سے زیادہ عزیز تھا۔

تبت پر مغلیہ فوج کا حملہ

کشمیر کی فتح کے بعد اکبر کو تبت کے حاکم علی رائے کی جانب سے ایک عرضداشت موصول ہوئی جس میں علی رائے نے اکبر سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی لڑکی کی شہزادہ سلیم کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ جو کشمیر کے بعد تبت کو تسخیر کی فکر میں تھا اس نے اس درخواست کو نیک فال سمجھتے ہوئے قبول کرلیا اور شہزادہ سلیم کی شادی حاکم تبت علی رائے کی لڑکی سے ہوگئی۔

1005ھ (1595ء) میں ایک شخص علی زاد نے حاکم تبت کے وزیر راجو رائے سے ساز باز کرکے تبت میں ہنگامہ برپا کرادیا۔ حاکم تبت علی رائے کی اس سے کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان لڑائیوں میں علی رائے کو شکست ہوئی۔ علی زاد فتح یاب ہوگیا اور اس نے تبت پر بھی قبضہ جمالیا اور کشمیر پر بھی دست درازی شروع کردی۔ علی زاد کی ہنگامہ آرائی کے اثرات جب کشمیر پر بھی پڑنے لگے تو مغلیہ فوج اس کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوگئی لیکن مغل لشکر جب تبت پہنچا تو علی زاد اس کے مقابلے پر نہ آیا۔ مگر راستے کی خرابی کی وجہ سے کیونکہ لشکر کا تبت کے اندرونی علاقے میں جانا ناممکن تھا اسلئے یہ لشکر جہاں تک جاسکتا تھا چلا گیا۔ اسکے بعد ناکام واپس لوٹ آیا اور یہ مہم نامکمل رہ گئی۔

تبت کی مہم میں اگرچہ مغل فوج کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی لیکن اس مہم سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اکبر کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس نے انتہائی بے جگری کے ساتھ پہلے تو کشمیر جیسے دشوار گزار خطے کو فتح کیا اور اس کے بعد تبت کے اس علاقے پر بھی حملہ کرنے کا حکم دے دیا جس کے راستے نہایت کٹھن تھے اور جسے ہمیشہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا رہا ہے۔

کابل، سندھ اور قندھار کی فتح

اس سے قبل ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اکبر کے بھائی مرزا حکیم بار بار اکبر کے خلاف بغاوت برپا کرکے کابل سے ہندوستان پر حملہ کرتا رہا ہے چنانچہ اکبر کو کئی مرتبہ مرزا حکیم کے مقابلے پر جانا پڑا تھا۔ اس فتنے کو دبانے کے لئے اکبر جب کابل گیا تو مرزا حکیم نے اکبر سے معافی مانگ لی تھی اور اکبر نے اسے معاف بھی کردیا تھا لیکن 993ھ (1585ء) میں مرزا محمد حکیم کے مرنے کے بعد اکبر نے یہ ضروری سمجھا کہ کابل کو تسخیر کرنے کے بعد اسے ہندوستان ہی میں شامل کرلیا جائے تاکہ کابل سے ہندوستان پر حملے کا خطرہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق فوجی طاقت کے ذریعے کابل کو تسخیر کرلیا گیا چنانچہ کابل بھی 993ھ (1585ء) میں ہندوستان کی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا۔

کابل کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد اکبر نے 999ھ (1590ء) میں خان خاناں کی

زیرِ سرکردگی ایک لشکر قندھار کی فتح کے لئے روانہ کیا تاکہ قندھار کو فتح کرنے کے بعد وہ تمام خطرات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں جو ہندوستان کے شمال ومغربی علاقے میں برابر پیش آتے رہتے ہیں لیکن اسی دوران میں ٹھٹھہ اور سندھ کے چند دوسرے علاقوں سے اکبر کو عرضداشتیں موصول ہوئیں کہ مغلیہ فوج سندھ میں آکر اس لاقانونی کو ختم کردے جو زمانہ دراز سے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ خان خاناں کا لشکر جب قندھار کی فتح کے لئے علاقہ سندھ میں آیا تو مغلیہ حکومت کے ہوا خواہوں نے خان خاناں سے یہ التجا کی کہ وہ قندھار کی مہم کے مقابلے میں سندھ کے معاملات کو ترجیح دیں۔ غرض کہ یہ طے پا گیا کہ قندھار سے قبل سندھ کو فتح کرلیا جائے۔

سندھ کی حالت اس وقت یہ تھی کہ جس کو جو بھی علاقہ مل جاتا تھا وہ اس کا خودمختار بادشاہ بن بیٹھتا تھا۔ ٹھٹھہ پر محمد باقی کا قبضہ تھا۔ بھکر میں سلطان محمود فرمانروائی کررہا تھا۔ مگر محب علی خاں نے اس کے خلاف یورش کررکھی تھی۔ مرزا جانی بیگ کے قبضے میں اگرچہ سندھ کا بہت تھوڑا علاقہ تھا لیکن وہ اپنے آپ کو سارے سندھ کا بادشاہ تصور کرتا تھا۔ غرض کہ سارے سندھ میں طوائف الملوکی اور بدنظمی کا دوردورہ تھا۔

خان خاناں اور مغل فوج کے سرداروں نے سندھ میں یہ بدنظمی دیکھی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ سندھ کو بڑی آسانی کے ساتھ بہت تھوڑے لشکر کے ساتھ فتح کیا جاسکتا ہے چنانچہ خان خاناں نے قلعہ سیسوان کے زیریں علاقے پر حملہ کرکے لکھی کو فتح کرلیا۔ لکھی کو سندھ کا دروازہ تصور کیا جاتا تھا جب لکھی مغلوں کے قبضے میں آگیا تو مرزا جانی بیگ کو فکر ہوئی اس نے مغلیہ فوج پر حملے شروع کردیئے مگر مغلیہ فوج برابر بڑھتی رہی اور فتوحات حاصل کرتی رہی۔

مغلیہ فوج نے ٹھٹھہ فتح کرلیا۔ شہنشاہ اکبر کی جائے پیدائش امرکوٹ پر قبضہ جمالیا اور سیستان پر بھی مغلیہ فوج کا قبضہ ہوگیا۔ مرزا جانی بیگ نے کئی لڑائیاں لڑیں مگر اسے شکست پر شکست ہوئی۔ آخر مجبور ہوکر وہ خان خاناں کے ساتھ صلح کرنے پر رجوع ہوا۔ چنانچہ خان خاناں نے جو بھی شرائط پیش کیں مرزا جانی بیگ نے مجبور ہوکر وہ سب تسلیم کرلیں۔ اس کے بعد مرزا جانی بیگ خان خاناں کے ہمراہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اس پر بڑی نوازشیں کیں اس طرح 1000ھ (1591ء) میں سندھ پر بھی حکومت مغلیہ کا قبضہ ہوگیا۔ مرزا جانی بیگ کے اطاعت قبول کرنے کے بعد بھی سندھ کے بعض علاقے فتح ہونے سے رہ گئے تھے جن کو 1005ھ (1596ء) میں مغلیہ فوج نے فتح کیا اور اس کے بعد سارے سندھ پر حکومت مغلیہ کا تسلط ہوگیا۔

شاہ ایران طہماسپ کو اکبر نے قندھار دے دیا تھا لیکن شاہ طہماسپ کے مرنے کے بعد قندھار میں بری طرح بدنظمی پھیل گئی اور یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ یہ بدنظمی بڑھتے بڑھتے کابل اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں تک نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا اکبر نے یہ ضروری سمجھا کہ قندھار پر حملہ کر

کے اسے بھی حکومت مغلیہ کا ایک صوبہ بنا دیا جائے چنانچہ 1003ھ (1593ء) میں مغل لشکر نے قندھار پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور یہ علاقہ بھی حکومت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔ قندھار کے بعد مغلیہ فوج بلوچستان کی جانب متوجہ ہوئی اور ان شورش پسندوں کو دبایا جنھوں نے اس علاقے میں بے چینی برپا کر رکھی تھی۔

دکن میں اکبر کی فتوحات

پورے شمالی ہند پر قبضہ جمانے کے بعد اکبر 1002ھ (1592ء) میں دکن کو فتح کرنے کی جانب متوجہ ہوا۔ اکبر کو دکن کے معاملات میں مداخلت کا اس طرح موقع ملا کہ مرتضیٰ نظام شاہ والئی احمد نگر کا چھوٹا بھائی برہان الملک دکن سے بھاگ کر بادشاہ کی پناہ میں آ گیا تھا۔ جب برہان الملک کا بڑا بھائی مرتضیٰ نظام شاہ مر گیا اور دکن میں شورش برپا ہوئی تو اکبر نے برہان الملک کو احمد نگر کے تخت پر بٹھانے کے لئے ایک لشکر دے کر روانہ کر دیا۔ پہلے حملے میں تو برہان الملک کو دکھنیوں کے مقابلے میں شکست ہوگئی اور وہ مالوہ واپس آ گیا لیکن اس کا دوسرا حملہ کامیاب ثابت ہوا۔ چنانچہ مغلوں کے طفیل برہان الملک احمد نگر کا بادشاہ بن گیا لیکن وہ تخت پر بیٹھتے ہی ایسا مغرور ہوا کہ اس نے اکبر کی ساری نوازشات کو بالکل فراموش کر دیا۔

اکبر نے برہان الملک کی اس ابن الوقتی کو دیکھتے ہوئے نہ صرف برہان الملک والئی احمد نگر پر اطاعت کے لئے زور دیا بلکہ دکن کے دوسرے فرمانرواؤں یعنی عادل خاں حاکم بیجاپور، راجہ علی خاں والئی اسیر و برہانپور اور قطب الملک حاکم گولکنڈہ کے پاس علامہ فیضی اور دوسرے مدبرین کی سرکردگی میں وفود روانہ کئے تاکہ وہ دکن کے تمام فرمانرواؤں کو مطیع بنائیں اور ان کے ذریعے برہان الملک والئی احمد نگر کی سرکوبی میں مغلوں کو آسانی ہو۔

شاہان دکن کی حالت یہ تھی کہ وہ اگرچہ ابھی تک اکبر کے مطیع نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اطاعت اور دوستی کا برابر اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ عادل خاں والئی بیجاپور برابر بادشاہ کی خدمت میں تحائف بھیج کر اپنی نیازمندی کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ قطب الملک والئی گولکنڈہ بھی اکبر کی خدمت میں تحفے بھیجنا ضروری سمجھتا تھا۔ اسی طرح دکن کے دوسرے حکمران بھی کسی نہ کسی طرح اکبر کو خوش رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے لیکن برہان الملک کے آنکھیں بدل لینے کے بعد جب اکبر نے دکن کے حکمرانوں کے پاس اطاعت کا پیغام لے کر وفود بھیجے تو پتہ چلا کہ دکن کے تقریباً تمام فرمانروا ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ان کی سابقہ چاپلوسی اور نیازمندی محض دکھاوے کے لئے تھی وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ تحائف اور خوشامد کے ذریعے مغلوں کو دکن کی جانب آنے سے باز رکھ سکیں ورنہ دراصل ان کو اکبر اور مغلوں سے برائے نام

بھی کوئی تعلق نہیں تھا چنانچہ تقریباً تمام دکن کے فرمانرواؤں نے اکبر کی اطاعت سے انکار کر دیا اور اکبر کا بھیجا ہوا وفد دکن سے ناکام اور نامراد واپس آ گیا صرف راجہ علی خاں والئ اسیر و برہانپور نے اطاعت کا اقرار کرنے کے بعد امیر وفد شیخ فیضی کے ہمراہ اپنی بیٹی کو شہزادہ سلیم سے شادی کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

شاہان دکن کے اس معاندانہ طرز عمل کے بعد اکبر نے فوراً دکن کی تسخیر کا حکم دے دیا۔ شہزادہ دانیال، خان خاناں، رائے سنگھ، شاہ رخ، مرزا شہباز خاں، شہاب خاں اور امرائے مالوہ کے نام اس مہم کے لئے تجویز کئے گئے۔ راجہ مان سنگھ کو بھی ہدایت کی گئی کہ وہ بنگال سے دکن کے لئے روانہ ہو جائے چنانچہ مغل فوج فوراً دکن کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہزادہ مراد نے بھی اس مہم میں شامل ہونے کی درخواست کی اور وہ بھی گجرات سے دکن کی جانب روانہ ہو گیا۔ راجہ علی خاں والئ برہانپور کو جب معلوم ہوا کہ شاہی لشکر دکن کی فتح کے لئے آ رہا ہے تو اس نے برہانپور سے آ کر راستے ہی میں امرائے سلطنت اور شاہی لشکر کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

احمد نگر کو بچانے کیلئے چاند بی بی کی بہادری

شاہی لشکر سیدھا قلعہ احمد نگر کی طرف بڑھا اور شہزادہ مراد کی سرکردگی میں قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔ برہان الملک کی بہن چاند بی بی جو نہایت ہی بہادر خاتون تھی اس نے بڑی جرأت کے ساتھ محصور ہونے کے بعد قلعہ کی حفاظت کی۔ یہی خاتون فوجوں کی کمان کر رہی تھی۔ احمد نگر کی فوج کو جب بھی موقع ملتا وہ قلعہ سے نکل کر مغلیہ فوج پر چھاپہ مار کر کافی نقصان پہنچا جاتی تھی۔ مغلیہ فوج نے جب احمد نگر کے قلعہ کو بارود سے اڑایا تو قلعہ کی دیوار کا ایک حصہ گر گیا۔ چاند بی بی فوراً دیوار کے شکستہ حصے پر آن کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک بھی مغل سپاہی کو قلعہ کے اندر نہیں جانے دیا۔ وہ برابر مغلوں سے جنگ کرتی رہی اور ادھر دیوار کی مرمت کا کام جاری رہا۔ یہاں تک کہ دیوار درست ہو گئی اور قلعہ احمد نگر پھر محفوظ ہو گیا۔

چاند بی بی ایک نہایت ہی ہوشمند عورت تھی اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ مغلوں سے صلح کے سوا کوئی چارہ نہیں چنانچہ اس نے مغلوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی اور یہ طے پا گیا کہ بہادر کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جائے۔ اس خورد سال لڑکے کو نظام الملک کا خطاب دے دیا جائے اور یہ ہمیشہ بادشاہ کا اطاعت شعار رہے۔ احمد نگر اسی کے پاس رہے لیکن برار کا سارا علاقہ مغلوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مغل ان شرائط پر صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن احمد نگر کی حکومت میں دو گروہ بن گئے تھے ایک تو چاند بی بی کا گروہ جو شرائط کے حق میں تھا اور ایک شرائط کے مخالفین کا گروہ جو چاند بی بی کا بھی دشمن ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

یہ صلح نہ ہو سکی اور جنگ بدستور جاری رہی۔

دکنیوں اور مغلوں میں فیصلہ کن جنگ

مغلوں کے لشکر نے بھکر میں آ کر اس پر قبضہ جما لیا تھا کئی مقامات پر شاہی لشکر کا دکنی فوج سے مقابلہ ہوا۔ دکنی فوج بڑی بہادری کے ساتھ لڑی لیکن اسے تقریباً ہر مورچے پر شکست ہوئی اس کے بعد مانکنگ کے قریب مغل فوج اور دکنی فوج کا 1005ھ (1596ء) میں شدید مقابلہ ہوا۔ ایک طرف نظام الملکی سپاہ عادل شاہی لشکر اور قطب الملکیوں کی فوج تھی اور دوسری جانب مغلیہ لشکر تھا جس کی کمان شہزادہ مراد کے ہاتھ میں تھی۔ دونوں لشکروں میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دکنی ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ مغلوں کو اپنی کامیابی خطرے میں دکھائی دینے لگی لیکن آخر میں مغلوں کی فتح ہوئی اور دکنیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد دکنیوں کے پاؤں تقریباً اکھڑ گئے۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد مغلوں نے قلعہ کاویل فتح کر لیا۔ برار کے قلعہ پر قبضہ جما لیا۔ قلعہ کھیرلہ اور ناسک فتح ہو گیا لیکن فتوحات کی رفتار چونکہ نہایت سست تھی اس لئے بادشاہ نے ابوالفضل کو بھیجا کہ دکن جانے کے بعد ایسا انتظام کرے کہ دکن کی مہم جلد سے جلد ختم ہو سکے چنانچہ ابوالفضل کے آنے سے فوج کی کارکردگی پر بہت اچھا اثر پڑا۔ لیکن ایک مصیبت یہ آن پڑی کہ اسی دوران میں دکن میں شہزادہ مراد کا انتقال ہو گیا جس سے کہ فوج میں بڑی بددلی پھیل گئی اور یہ بددلی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر ابوالفضل جیسا مدبر اس وقت دکن میں موجود نہ ہوتا تو شاید دکن کی مہم ناکام ہی رہ جاتی۔ ابوالفضل نے بڑی دانشمندی کے ساتھ فوج کو قابو میں کیا۔ اس کے بعد جدید فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی دوران میں شہزادہ دانیال بھی پہنچ گیا جس کے آنے سے شاہی لشکر کو کافی تقویت پہنچی پھر شاہی لشکر کو جب یہ پتہ چلا کہ اکبر خود برہان پور پہنچ چکا ہے تو شاہی فوج کی سرگرمیاں اور بھی بڑھ گئیں۔

چاند بی بی کا قتل اور مغلوں کی فتح

اسی زمانے میں احمد نگر میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ حبشہ خاں خواجہ سرا نے سلطانہ چاند بی بی کو محض اس بنا پر قتل کر دیا کیونکہ سلطانہ مغلوں سے صلح پر بضد تھی اور ابھی تک اپنی پرانی شرائط پر قائم تھی۔ سلطانہ چاند بی بی کے مرتے ہی سارے احمد نگر میں ایک بدنظمی سی پھیل گئی جس سے فائدہ اٹھا کر فوراً مغل فوج نے قلعہ احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ قلعہ کی دیوار کو بارود سے اڑا دیا گیا۔ مغل سپاہی فوراً قلعہ میں گھس گئے۔ دکنیوں کا بری طرح قتل عام کیا گیا اور اس قلعہ کی بے اندازہ دولت مغلوں کے

ہاتھ آئی۔ اس قلعہ کے فتح ہوتے ہی دکنیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اب ہر جگہ مغلوں کو فتح پر فتح حاصل ہونے لگی۔

خاندیش نے قلعہ احمد نگر کی فتح سے قبل ہی اطاعت قبول کر لی تھی۔ مالی گڑھ اور قلعہ اسیر احمد نگر کی فتح کے بعد زیر ہوئے۔ اس کے بعد برار اور بیدر بھی حکومت مغلیہ میں شامل ہو گئے۔ غرض کہ اس طرح دکن کے بیشتر حصے پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ مغلوں نے تلنگانہ میں بھی کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن وہ اس علاقے کو پوری طرح فتح نہ کر سکے گولکنڈہ اور بیجا پور جس کے اکثر حصوں کو مغلیہ فوج نے فتح کر لیا تھا۔ سخت جنگ کے باوجود پوری طرح مغلوں کے زیر اثر نہ آ سکے۔ غرض کہ مغل لشکر جو دکن کی فتح کے لئے 1001ھ (1592ء) میں دکن میں داخل ہوا تھا۔ تقریباً نو سال تک دکن کی فتوحات میں مشغول رہنے کے بعد 1011ھ (1602ء) میں فارغ ہوا۔ ان فتوحات کے بعد کابل، قندھار اور کشمیر سے لے کر دکن تک اور سندھ و گجرات سے لے کر بنگال و اڑیسہ تک مغلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ اتنی بڑی حکومت تھی کہ اس سے قبل ہندوستان کے کسی بادشاہ کو میسر نہیں آئی تھی۔

ابوالفضل کا قتل

اکبر کے مصاحب خاص ابوالفضل نے دکن کی فتوحات میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر ابوالفضل جیسا مدبر اس عظیم الشان جنگ میں حصہ نہ لیتا تو دکن کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ابوالفضل کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ جب مغل فوج میں بددلی پیدا ہوتی تھی تو یہ ان کی ہمتوں کو بڑھاتا تھا، ان کو انعامات دے کر اور اپنی ہوش مندانہ باتیں سنا کر تازہ دم کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ جب امرائے سلطنت یا فوجی سرداروں میں اختلافات پیدا ہو جاتے تھے اور ان اختلافات کی وجہ سے ان کی یکجہتی میں فرق آ جاتا تھا تو ابوالفضل ان کو متحد کر دیتا تھا۔ ابوالفضل اگرچہ ایک اہل قلم اور مدبر تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اور اس کے بیٹے نے دکن کی جنگ میں اکثر موقعوں پر سپہ سالاری تک کے فرائض انجام دیئے ہیں غرض کہ دکن کی فتوحات میں ابوالفضل کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

ابوالفضل دکن کی اس مہم سے زندہ واپس نہ آ سکا کیونکہ بادشاہ کے بلانے پر جب وہ دکن سے دارالسلطنت کو واپس آ رہا تھا تو شہزادہ سلیم نے نرسنگھ دیو بندیلہ نامی ایک مشہور ڈاکو کے ذریعے سرائے بیر اور انتری کے درمیان ابوالفضل کو قتل کرا دیا۔ ابوالفضل سے شہزادہ سلیم کی مخاصمت کی یہ وجہ تھی کہ شہزادہ سلیم کو یہ گمان ہو گیا تھا کہ شہزادہ سلیم سے اکبر کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف ابوالفضل ہے جو بادشاہ کے کان اس کے خلاف بھرتا رہتا ہے۔ شہزادہ سلیم اس لئے بھی ابوالفضل کا دشمن ہو گیا

تھا کیونکہ اس کی اور عام مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ ابوالفضل نے اکبر کو بے دین بنا دیا ہے۔ اکبر کو جب ابوالفضل کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے بے ساختہ کہا "ہائے شیخو جی تم نے یہ کیا کیا"۔ اکبر کو ابوالفضل کی موت کا اتنا رنج ہوا کہ اس نے کئی وقت کھانا نہیں کھایا اور وہ کئی دن تک اپنے اس مخلص مصاحب کے لئے روتا رہا۔

شہزادہ دانیال کی شادی اور موت

بیجاپور کے فرمانروا عادل خاں کی خواہش پر اکبر نے شہزادہ دانیال کا رشتہ عادل خاں کی لڑکی سے کر دیا تھا لیکن عادل خاں نے تین سال تک شادی نہیں کی۔ آخر تین سال کے بعد عادل خاں کی لڑکی بیجاپور سے احمد نگر میں آئی اور 1013ھ میں شہزادہ دانیال کا عقد اس لڑکی سے کر دیا گیا۔

شہزادہ دانیال کی جس وقت شادی ہوئی تو وہ بہت کمزور اور بیمار تھا۔ کثرت شراب نوشی نے اس کی تندرستی کو برباد کر دیا تھا چنانچہ شادی کے فوراً ہی بعد شہزادہ دانیال فوت ہو گیا جس سے اکبر کو بے حد صدمہ ہوا۔

دکن کی مہم کے سلسلے میں اکبر کو تین بڑے صدموں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے تو شہزادہ مراد کی موت سے صدمہ ہوا۔ اس کے بعد ابوالفضل کے قتل سے اکبر کو بے حد رنج پہنچا اور اس مہم کے خاتمے پر شہزادہ دانیال کی موت اکبر کے لئے ایک ناقابل برداشت سانحہ تھی۔

افغانستان کے آزاد قبائل کو زیر کرنے کی کوشش

اکبر ہندوستان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے افغانستان کے ان آزاد قبائل کو زیر کرنے کی کوشش کی جو پشاور اور افغانستان کے درمیان آباد تھے اور جن کو ہمیشہ ہی ناقابل تسخیر خیال کیا گیا ہے۔ اس علاقے میں کبھی کسی بادشاہ کی حکومت نہیں ہوئی۔ اس علاقے کے باشندے علیحدہ علیحدہ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر گروہ کا سردار اپنی چھوٹی سی پہاڑی بستی کا بادشاہ ہوتا تھا۔ ان کا علاقہ اس طرح پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا کہ کوئی بھی بیرونی حملہ آور ان پر فتح نہیں حاصل کر سکتا تھا۔

اکبر نے ۹۹۴ھ (1586ء) میں جب ان آزاد قبائل کو زیر کرنے کے لئے لشکر بھیجا تو وہ ناکام واپس آ گیا لیکن اکبر نے فوراً ہی دوبارہ ایک بڑا لشکر روانہ کر دیا۔ اس لشکر نے بمشکل تمام بجوار اور مہواد کا علاقہ فتح کیا۔ اس لشکر کی یوسف زئی قبیلے سے 23 لڑائیاں ہوئیں آخر زنیر کا علاقہ مغل لشکر نے فتح کر لیا لیکن آزاد قبائل نے متحد ہو کر شاہی لشکر کو اس طرح چاروں طرف سے گھیرا کہ ہزاروں مغل سپاہی کام آ گئے۔ شاہی لشکر کو سب سے زیادہ تکلیف یوسف زئیوں سے پہنچی جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی اور سب کے سب فن سپہ گری سے واقف تھے۔ جب بادشاہ کو معلوم

ہوا کہ یوسف زئی قبیلے نے شاہی لشکر اور مغلیہ فوج کے بہترین افسروں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے تو راجہ ٹوڈرمل کی سرکردگی میں تازہ دم لشکر روانہ کیا گیا جس نے بڑی بہادری کے ساتھ یوسف زئیوں کا مقابلہ کیا۔ یوسف زئیوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی اور گرفتار کی گئی لیکن پھر بھی یہ قبیلہ زیر نہ ہوا۔

پشاور میں دس ہزار مہمند اور غوری خیل رہتے تھے جو سب کے سب اپنے آپ کو بادشاہ کا اطاعت شعار کہتے تھے اکبر نے آزاد قبائل کو زیر کرنے کے لئے ان کو بھی شاہی لشکر کے ہمراہ کر دیا۔ یہ سب کے سب بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آزاد قبائل کے اکثر علاقوں پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ جو علاقہ آج فتح ہوتا تھا وہ دوسرے دن نکل جاتا تھا۔ اس مہم میں مغلیہ فوج کو بہت بڑا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا پھر بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی غرض کہ مغلیہ فوج نے بڑی دشواری سے جن علاقوں کو فتح کیا تھا وہ فوج کے واپس آتے ہی پھر نکل گئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آزاد قبائل کو زیر کرنے کی کوشش میں اکبر کو بہت بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اکبر ہی کی ہمت اور جرأت تھی کہ اس نے ان قبائل کو زیر کرنے کی کوشش کی جو ہمیشہ سے ناقابل تسخیر خیال کئے جاتے تھے اور جو آج بھی ناقابل تسخیر ہیں۔

اکبر کی فوجی سرگرمیاں صرف آزاد قبائل تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اس نے جب دیکھا کہ بدخشاں میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے تو وہاں بھی اپنا لشکر بھیج کر اپنے اثرات قائم کر لئے اور توران کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ اکبر کے ساتھ صلح اور دوستی پیدا کرے۔ غرض کہ اکبر ایک ایسا فاتح تھا جو یہ چاہتا تھا کہ دنیا کا ہر ملک اور ہر خطہ اس کا مطیع بن جائے اور اس کے اسی جذبے کا یہ نتیجہ تھا کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں تخت پر بیٹھنے کے باوجود اس نے سارے ہندوستان اور اس کے قرب و جوار کے تمام علاقوں کو حکومت مغلیہ میں شامل کر لیا تھا۔

اکبر اور شہزادہ سلیم میں رنجش

اکبر کو دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی لیکن اسے مرتے دم تک اولاد کا سکھ نصیب نہ ہو سکا۔ اکبر کو خدا نے تین بیٹیاں اور پانچ بیٹے عطا کئے تھے۔ ان پانچ میں سے دو بیٹے جو جڑواں پیدا ہوئے تھے پیدا ہونے کے بعد ہی مر گئے۔ شہزادہ مراد اور شہزادہ دانیال جو خواصوں کے بطن سے تھے جوانی میں باپ کو دغا دے گئے۔ سلیم جو سب سے بڑا بیٹا تھا اور جودھا بائی کے بطن سے پیدا ہوا تھا ہمیشہ باپ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا اور باپ کو اس کی ذات سے وہ سکھ نہ مل سکا جو اولاد سے ملنا چاہیے۔

شہزادہ سلیم بڑی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش چونکہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے گھر میں سیکری میں ہوئی تھی اس لئے اس کا نام حضرت شیخ کے نام پر سلیم رکھا گیا۔

اکبر نے شہزادہ سلیم کی پیدائش سے قبل یہ منت مانی تھی کہ اگر خدا نے مجھے بیٹا دیا تو میں پاپیادہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ چنانچہ اس منت کو پورا کرنے کے لئے اکبر 2 شعبان 277 ہجری (1569ء) کو آگرہ سے پاپیادہ اجمیر شریف گیا اور راستے بھر روپیہ لٹاتا گیا۔ ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شہزادہ سلیم کن منتوں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔

شہزادہ سلیم جس سے کہ باپ کی ہزاروں تمنائیں اور امیدیں وابستہ تھیں جب سن تمیز کو پہنچا تو باپ سے کشیدہ رہنے لگا۔ اکبر نے اگرچہ اس کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس کو یہ شبہ رہتا تھا کہ نہ جانے مجھ کو سلطنت ملے گی یا کسی دوسرے کو دے دی جائے گی اور اس کا شبہ کا بڑا باعث ابوالفضل، راجہ مان سنگھ اور خان اعظم تھے جو شہزادہ سلیم کو تخت و تاج سے محروم کرنے کے بعد شہزادہ سلیم کے بڑے بیٹے خسرو کو ولی عہد بنانے کے جوڑ توڑ میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب بادشاہ دکن کی مہم کے سلسلے میں دکن گیا ہوا تھا تو شہزادہ سلیم ایک بڑا لشکر لے کر آگرہ جا پہنچا تا کہ دارالسلطنت پر قبضہ جما لے مگر قلیج خاں حاکم آگرہ کے کہنے سے وہ واپس لوٹ گیا لیکن اس کے بعد اودھ اور بہار میں آ کر اس نے اکبر کے جاگیرداروں کو نکال دیا اور اودھ و بہار کی جاگیریں اپنے ہوا خواہوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی دوران شہزادہ سلیم نے ابوالفضل کو قتل کرایا تھا۔

اکبر کو سلیم کی اس بغاوت کا علم ہوا تو اسے بے حد رنج ہوا۔ اکبر اگر چاہتا تو طاقت کے ذریعے سلیم کو سخت سے سخت سزا دے سکتا تھا لیکن سلیم کی ان تمام کوتاہیوں کے باوجود اکبر کو اس سے بے اندازہ محبت تھی۔ اس نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بیٹے کی بغاوت کو فرو کر دیا اور ملکہ مریم مکانی اور گلبدین بیگم کے کہنے سے شہزادہ سلیم کا قصور معاف کر دیا۔ جس کے بعد سلیم اپنی دادی ملکہ مریم مکانی کے در دولت پر حاضر ہوا۔ باپ بیٹوں کی ملاقات ہوئی۔ بیٹے نے باپ کے قدموں میں گر کر معافی طلب کی۔ باپ نے اسے اٹھا کر کلیجے سے لگایا اور پھر اپنے ساتھ محل میں لایا۔ کئی روز تک جشن منایا گیا مگر موقع ملتے ہی شہزادہ سلیم الہ آباد واپس چلا گیا۔

جب شہزادہ سلیم اپنے پرانے دوستوں میں پہنچا تو پھر وہی پرانا رویہ اختیار کر لیا اور باپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ سلیم کا بیٹا خسرو جو راجہ مان سنگھ کی بہن کے بطن سے پیدا ہوا تھا اکبر کے مزاج میں بے حد دخیل تھا اور اس لڑکے میں عیب یہ تھا کہ وہ باپ کے خلاف دادا کو بھڑکاتا رہتا تھا۔ خسرو کی ماں یعنی راجہ مان سنگھ کی بہن نے بار بار اس حرکت سے بیٹے کو روکا لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانا تو افیون کھا کر اس خاتون نے جان دے دی۔ شہزادہ سلیم کو اپنی اس وفا شعار بیوی کی خودکشی کا بے حد صدمہ ہوا۔

الہ آباد میں جب شہزادہ سلیم کی مخالفانہ سرگرمیاں زیادہ بڑھیں تو اکبر بیٹے کو سمجھانے کے لئے خود دریا کے راستے الہ آباد کے لئے روانہ ہوا۔ ابھی الہ آباد پہنچا بھی نہ تھا کہ ملکہ مریم مکانی کی بیماری کی اطلاع ملی۔ فوراً ماں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مریم مکانی بے ہوش تھیں اسی روز مریم مکانی کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے ماں کے مرنے پر ہندوؤں کی طرح بھدرا کرایا اور بادشاہ کی تقلید میں کئی ہزار امراء او ملازمین نے بھی بھدرا کرالیا۔ اکبر نے ماں کے تابوت کو دہلی روانہ کرنے کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں باپ کی قبر کے برابر دفن کرادیا۔

جس وقت شہزادہ سلیم کو باپ کے الہ آباد آتے ہوئے واپس جانے کی اور دادی کی موت کی اطلاع ملی تو وہ دوڑا ہوا باپ کے پاس آگرہ آیا۔ باپ نے اسے گلے لگایا اور کہا کہ "علیحدہ رہنے کی وجہ سے تجھ سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ہی رہے"۔ سلیم باپ کے پاس رہنے لگا۔

شہنشاہ اکبر کی بیماری اور موت

اسی دوران میں بادشاہ 1014ھ (1605ء) میں شدید بیمار ہو گیا۔ اب امرائے سلطنت کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ بادشاہ کا جانشین کون ہو۔ اس وقت سلطنت کا سارا کام راجہ مان سنگھ اور خان اعظم کے ہاتھ میں تھا۔ خان اعظم اور مان سنگھ دونوں چاہتے تھے کہ سلیم کی بجائے اس کے بڑے بیٹے خسرو کو بادشاہ کا جانشین قرار دیا جائے اس کی وجہ یہ تھی کہ خسرو خان اعظم کا داماد اور مان سنگھ کا بھانجا تھا۔ یہ دونوں چاہتے تھے کہ سلیم کو محروم کرنے کے بعد اور خسرو کو تخت پر بٹھانے کے بعد ان کی طاقت اور بھی بڑھ جائے۔

سلیم نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے سمجھ لیا کہ اب اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ چنانچہ وہ آگرہ سے کچھ دور چلا گیا لیکن سلیم کا پیارا بیٹا خرم (شاہجہاں) بدستور دادا کی تیمارداری ہی میں لگا رہا۔ اس سے ہر چند کہا گیا کہ تمہارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں مگر خرم نے جواب دیا کہ "جب تک دادا زندہ ہیں میں ان کے قدموں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

اکبر کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ اب وہ بچنے والا نہیں اور اس کو اس چیز کا بھی اندازہ تھا کہ اس کے امرائے سلطنت اس کے محبوب بیٹے سلیم کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں چنانچہ اکبر نے فوراً سلیم کو بلوایا اور تمام امرائے سلطنت کو طلب کیا۔ جب سب امرائے سلطنت اکبر کے بستر علالت کے گرد جمع ہو گئے تو اکبر نے ان سے کہا "تم سب نے برسوں میرے ساتھ سختیاں اٹھائی ہیں تم ہمیشہ جان و دل سے میرے ساتھ رہے ہو اگر میں نے کبھی بھولے سے بھی کوئی خطا کی

ہوتو تم اسے معاف کر دینا''۔ اکبر کے ان الفاظ پر کہرام مچ گیا۔شہزادہ سلیم باپ کے پاؤں پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ اکبر نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نوکروں کو اپنی خاص تلوار و دستار اور خلعت شاہانہ لانے کا حکم دیا۔ جب یہ چیزیں آ گئیں تو امرائے سلطنت کو حکم دیا کہ'' دستار اور خلعت شاہانہ سلیم کو پہناؤ اور اس کو بادشاہ بنا کر مجھے دکھاؤ''۔اس کے بعد اکبر نے شہزادہ سلیم کو وصیت کی کہ'' خاندان کی مستورات کی خبر گیری کرنا۔ میرے رفیقوں اور دوستوں کو نہ بھولنا۔''

جہانگیر باپ کی عیادت کے بعد جوں ہی قلعہ سے باہر گیا۔ اکبر کی حالت نازک ہوگئی اکبر نے جب یہ سمجھ لیا کہ اس کا وقت قریب آ گیا ہے تو اس نے ملا صدر جہاں کو بلا کر ان کے سامنے اپنے گناہوں اور ملحدانہ عقائد سے توبہ کی۔ یاسین سنی ،کلمہ پڑھا اور اس دنیا کو خیر باد کہہ دیا۔ اکبر 49 سال اور 8 ماہ حکومت کرنے کے بعد 63 سال کی عمر میں 13 جمادی الآخر 1014ھ (1605ء) کو فوت ہو گیا۔

اکبر کے دور حکومت پر ایک نظر

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد اکبر کے دادا بابر نے رکھی تھی جسے شیر شاہ نے بالکل اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔اس کے بعد اکبر کے باپ ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان میں حکومت مغلیہ کی بنیاد رکھی لیکن ابھی ہمایوں اس کی تعمیر ہی میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی موت واقع ہوگئی۔ ہمایوں کے مرنے کے بعد اکبر کو جو حکومت ملی تو وہ یا تو پنجاب میں تھی یا دہلی سے آگرہ تک محدود تھی لیکن وہ بھی باقی نہ رہ سکی۔ ہیمو بقال نے اپنے پہلے ہی حملے میں آگرہ سے لے کر دہلی تک کا سارا علاقہ چھین لیا اور مغل فوج بھاگ کر سرہند چلی گئی یعنی اکبر کے پاس بس پنجاب کا تھوڑا سا علاقہ رہ گیا تھا جس پر کہ ابھی پوری طرح تسلط بھی نہ ہو سکا تھا۔ یعنی اکبر کو جو حکومت ملی تھی وہ صرف نام کی حکومت تھی اور اس قابل بھی نہ تھی کہ چند ماہ بھی قائم رہ سکتی۔

اکبر کی یہ خوش بختی تھی کہ شکستہ اور کمزور بنیادوں پر ناسازگار حالات کے باوجود حکومت مغلیہ کی جو جدید عمارت تعمیر کی گئی وہ مختصر سے عرصے میں ایک مستحکم ترین حکومت بن گئی۔ چنانچہ مغل سرداروں نے ہیمو سے شکست کھانے کے بعد جب یکا یک کروٹ لی تو سب سے پہلے پانی پت کے میدان میں ہیمو ہی کو ختم کیا۔ پھر دہلی فتح ہوئی اس کے بعد آگرہ پر قبضہ ہوا اور پھر ممالک مشرقی کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس طرح مغلیہ حکومت کی وہ عمارت جو گر رہی تھی فولادی چٹان پر کھڑی ہوگئی۔ یعنی اکبر اور اس کے لائق ساتھیوں نے پھر نئے سرے سے ہندوستان میں مغلیہ حکومت قائم کر دی۔

ہیمو کے حملے کی طرح بیرم خاں کی علیحدگی سے بھی مغلیہ حکومت میں زلزلہ آ گیا تھا۔ لیکن اکبر

کے تدبر اور ہوش مندی نے اس سخت ترین حادثے سے بھی حکومت مغلیہ کو اس طرح نکال لیا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا اور اس کے بعد اکبر کو جو بے اندازہ فتوحات حاصل ہوئیں اس کی ساری تفصیل آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ غرض کہ ان فتوحات نے مغلیہ حکومت کو اتنی وسیع حکومت بنا دیا کہ اس سے قبل ہندوستان کا کوئی بھی بادشاہ اتنی بڑی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ یہاں تک کہ مہاراجہ اشوک جس کی حکومت کو ہندوستان کی سب سے بڑی حکومت کہا جاتا ہے وہ بھی اکبر کی حکومت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی کیونکہ اس میں نہ تو کشمیر تھا اور نہ وہ دوسرے علاقے تھے جو اکبر کی حکومت میں شامل تھے۔

اکبر، بابر اور ہمایوں کی طرح کوئی بہت بڑا سپہ سالار نہ تھا۔ لیکن اس کے اندر سپہ سالار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے دور حکومت میں جو نئے نئے سپہ سالار تیار کئے ان کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں سے بھی زیادہ تھی اوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اکبر نے علامہ ابوالفضل، علامہ فیضی، علامہ بدایونی اور دوسرے بے شمار اہل قلم حضرات تک سے اہل سیف کا کام لے کر دکھا دیا اور اس نے معمولی معمولی آدمیوں سے وہ کارہائے نمایاں کرائے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اکبر اپنے زمانے کا بہترین سپاہی گر تھا۔ لائق ترین مدبر تھا۔ بے نظیر سیاست داں تھا۔ فطرت شناس نباض تھا۔ وہ امرائے سلطنت کا سچا دوست اور رعایا کا صحیح معنوں میں غم خوار تھا۔ اس کی حکومت صرف وسعت کے اعتبار ہی سے قابل تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس کے دور حکومت میں رعایا کی فلاح اور بہبود کے لئے جو اصلاحات ہوئیں وہ بھی بے حد قابل قدر ہیں۔ اکبر کے دور حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی رعایا نے بڑی فارغ البالی کے ساتھ زندگی گزاری۔ مسلمانوں نے اسے اپنا دوست سمجھا۔ ہندوؤں نے اسے اپنا سب سے بڑا سرپرست تصور کیا اور ہندوستان کی رعایا میں ایسی یگانگت اور فرقہ وارانہ اتحاد اس کے دور حکومت میں پیدا ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اکبر کا دور حکومت ہندوستان کی ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک ایسا دور تھا جس کی مثال ہندوستانی تاریخ میں آج تک مفقود ہے۔

اکبر کی حکومت شخصی بھی تھی اور جمہوری بھی

اکبر ہندوستان کا پہلا بادشاہ ہوا ہے جس نے کہ شخصی اور جمہوری نظام حکومت کو سمو کر ایک نئے طرز کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ وہ مطلق العنان حکمران بھی تھا اور جمہوری طرز کی وزارت بھی رکھتا تھا۔ جس کے مشورے کے بغیر قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ چنانچہ اس کی وزارت کے چند ممتاز رکن یہ تھے۔ راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، راجہ بھگوان داس، علامہ ابوالفضل، علامہ فیضی، راجہ بیربل،

عبدالرحیم خان خاناں۔

اکبر کی حکومت اٹھارہ صوبوں میں بٹی ہوئی تھی جن کی تفصیل یہ ہے۔(1) صوبہ کابل (2) صوبہ لاہور (3) صوبہ ملتان (4) صوبہ دہلی (5) صوبہ آگرہ (6) صوبہ اودھ (7) صوبہ الہ آباد (8) صوبہ اجمیر (9) صوبہ گجرات (10) صوبہ مالوہ (11) صوبہ بہار (12) صوبہ بنگال (13) صوبہ خاندیش (14) صوبہ برار (15) صوبہ احمد نگر (16) صوبہ اڑیسہ (17) صوبہ کشمیر (18) صوبہ سندھ۔

ان صوبوں میں انتظام کا طریقہ یہ تھا کہ ہر صوبے کا ایک گورنر ہوتا تھا۔ جس کو سپہ سالار کے بھی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ اس کے ماتحت ضلعدار اور جاگیردار ہوتے تھے اور تمام بڑے بڑے شہروں میں عالم یا ڈپٹی کمشنر مقرر تھے لیکن صوبیدار سے لے کر ایک عالم تک کو فوجی سوار ضرور رکھنے پڑتے تھے جن کے خرچ کے لئے حکومت کی جانب سے ان کو حسب حیثیت جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔

اکبر نے اگرچہ عمال حکومت کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر رکھی تھیں لیکن وہ اصولاً جاگیرداری کا مخالف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ملک میں زیادہ تر بغاوتیں ان جاگیروں ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں چنانچہ اکبر نے چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں کو ختم کر کے فوجی سواروں کی تنخواہیں شاہی خزانے سے دینے کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔

اکبر نے محکمہ انصاف کو بھی زیادہ سے زیادہ منظم کرنے کی کوشش کی تھی اس نے جا بجا عدالتیں قائم کر دی تھیں جن میں قاضی اور میر عدل ہوتے تھے۔ قاضی مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا اور میر عدل اس پر نظر ثانی کرتا تھا۔ پولیس کا انتظام بھی اکبر کے زمانے میں نہایت عمدہ تھا۔ پولیس کا حاکم اعلیٰ کوتوال کہلاتا تھا اور شہری انتظام اس کے سپرد ہوتا تھا۔ دیہاتوں میں بھی پولیس افسر مقرر تھے۔ ملزموں کو بعض اوقات چھوٹے چھوٹے جرموں پر بھی بہت سخت سزائیں دی جاتی تھیں تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں غرض کہ اکبر نے ایسا اچھا نظام حکومت قائم کیا تھا جو کسی اچھے سے اچھے جمہوری حکومت سے کم درجے کا نہ تھا۔

اکبر کی حکومت میں قانون سازی

اکبر کے دور حکومت میں موجودہ زمانے کی طرح کوئی باقاعدہ مجلس قانون ساز تو نہ تھی لیکن اس نے راجہ ٹوڈرمل اور دوسرے مدبرین کے ذریعے بے شمار قوانین وضع کرائے تھے۔ قانون سازی کا یہ سلسلہ اگرچہ ہندوستان میں شیر شاہ نے سب سے پہلے شروع کیا تھا لیکن اکبر نے قانون سازی کا ایک مستقل شعبہ قائم کر کے اس لاقانونی کو بڑی حد تک ختم کر دیا تھا جو سابقہ

بادشاہوں کے زمانے میں رائج تھی۔ جن کا دستور یہ تھا کہ بس بادشاہ کا فرمان اور حاکم کی زبان ہی قانون ہوتی تھی۔ اکبر نے اس فرسودہ طریقہ کار کو ختم کر کے بہت سے مفید اور کارآمد قوانین وضع کرائے اور ان کو رواج دیا۔ ان میں سے چند یہ تھے:

(1) مالگزاری کا قانون راجہ ٹوڈرمل نے تیار کیا تھا جو آج بھی ہندوستان میں رائج ہے۔ (2) آبادکاری کا قانون (3) خزانہ کا قانون (4) آئین جواہرات (5) ٹکسال کا قانون (6) سونے کے صاف کرنے کا قانون (7) آئین درم و دینار (8) محلات اور حرم کی حفاظت کا قانون (9) لشکر کے اترنے کا قانون (10) روشنی کا قانون (11) باورچی خانہ کا قانون (12) کاشتکاری کا قانون (13) شالوں کی تجارت کا قانون (14) رنگ بنانے کا قانون (15) تصویر کشی کا قانون (16) کتابت کا قانون (17) قانون تصنیف و تالیف (18) قانون اسلحہ (19) توپخانہ کا قانون (20) بندوق سازی کا قانون (21) آئین فیلخانہ (22) آئین اسپ خانہ (23) آئین گاؤ خانہ (24) آئین دربار (25) آئین آب پاشی (26) آئین تجارت (27) جانوروں کی نسل کشی کا قانون (28) آئین تعمیرات (29) آئین سپاہ (30) آئین اسناد (31) آئین خیرات (32) قانون انصاف (33) آئین زنانہ بازار (34) قانون تعظیم (35) آئین شکار (36) آئین فوجداری (37) آئین کوتوال (38) آئین پیمائش اراضی (39) آئین خزانچی (40) آئین ناپ تول (41) قانون شادی و بیاہ۔

اکبر نے جو بے شمار قوانین وضع کرائے تھے وہ اگرچہ ایک ترقی یافتہ حکومت کے لئے ناکافی تھے لیکن پھر بھی ان قوانین کے ذریعے کسی نہ کسی حد تک اس لاقانونی کا ضرور خاتمہ ہو گیا تھا جو زمانہ قدیم کے بادشاہوں کے دور حکومت میں تھی۔

اکبر کی ملکی اور سیاسی پالیسی

اکبر کی ملکی اور سیاسی پالیسی یہ تھی کہ وہ ہندوستان سے ہندو مسلم کی تفریق کو بالکل مٹا دینا چاہتا تھا۔ اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ ہندوستان کے تمام باشندے مذہب کے اختلافات کے باوجود متحد ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور ہندوستان کو اپنا ملک اور اکبر کو اپنا بادشاہ تصور کرتے ہوئے اس کی حکومت کو خوب مضبوط بنائیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر اس نے راجپوت راجاؤں کے بڑے بڑے خاندانوں میں شادیاں کیں۔

اکبر یا اکبر کے بیٹوں کی راجپوتوں میں جتنی بھی شادیاں ہوئیں وہ ہندو رسم و رواج کے مطابق ہوئیں کسی ہندو راجکماری کو شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے پر یا اسلامی طریقہ پر نکاح کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ ان راجکماریوں کو اکبر یا شہزادوں سے شادی کرنے کے بعد

پوجاپاٹ کی پوری آزادی تھی۔ اکبر نے اپنی اسی غیر فرقہ وارانہ پالیسی کی بنا پر ہندوؤں کو ہمیشہ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کے اثرات اکبر کے دور حکومت میں دوسرے امرائے سلطنت کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اکبر نے راجپوتوں اور ہندوؤں کو جاگیریں عطا کرنے میں بھی بڑی فیاضی سے کام لیا۔ چنانچہ ہندوستان میں جتنی بھی ہندو ریاستیں تھیں ان میں سے زیادہ تعداد ان ریاستوں کی تھی جو اکبر نے عطا کی تھیں۔ امرائے سلطنت اور جاگیرداروں کے علاوہ عمال حکومت کے عہدے بھی اکبر کے زمانے میں زیادہ تر ہندوؤں ہی کو دیئے جاتے تھے تاکہ اکبر کو ہندوستان کی ہندو اکثریت کی زیادہ سے زیادہ ہمدردی حاصل ہو سکے۔

اکبر نے مذہبی تفریق مٹانے کی یہاں تک کوشش کی تھی کہ اس نے ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نیا مذہب رائج کرنا چاہا تھا تاکہ اس مذہب کے رواج پانے کے بعد ہندوستان کے ہندو اور مسلمان ایک ایسے نئے مذہب میں داخل ہو جائیں جو نہ ہندو مذہب ہو اور نہ اسلامی ہو بلکہ بالکل ایک نیا مذہب ہو، تاکہ اس طرح ہندوستان سے ہندو اور مسلمانوں کی مذہبی تفریق ہمیشہ کے لئے مٹ جائے لیکن اکبر کے اس نئے مذہب کو چند آدمیوں کے علاوہ کسی نے قبول نہیں کیا اس لئے اکبر کو اس نئے مذہب کے رائج کرنے کا خیال چھوڑ دینا پڑا۔

اکبر نے ہندوؤں اور غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی پرانی رسم کو ختم کر دیا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کو مسلمانوں سے بھی زیادہ آزادی دے دی تھی۔ مندروں کی تعمیر میں اکبر کے زمانے میں حکومت کی طرف سے امداد کی جاتی تھی۔ اکبر نے کئی چھوٹے چھوٹے مندر اپنے محل کے اندر بھی اپنی ہندو رانیوں کے لئے تعمیر کرائے تھے۔ اس نے گائے اور دوسرے جانوروں کی قربانی بھی ممنوع قرار دے دی تھی۔ یہ تھی اکبر کی ملکی اور سیاسی پالیسی۔

اکبر کے عجیب وغریب مذہبی خیالات

اکبر نامہ، آئین اکبری، تزک جہانگیری، تاریخ ملا عبدالقادر بدایونی اور دیگر مستند تاریخی کتب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے خوشامدیوں نے اور حاشیہ نشینوں نے اس کے دماغ میں تخیل پیدا کر دیا تھا کہ وہ امام مہدی ہے۔ اپنے زمانے کا اوتار ہے، ایک بہت بڑا پیغمبر ہے اور یہاں تک کہ بعض خوشامدیوں نے اس کے دماغ میں (نعوذ باللہ) ''خدا'' ہونے تک کا تصور پیدا کر دیا تھا۔

اکبر کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ پڑھا لکھا نہ تھا بلکہ پڑھنے لکھنے کے معاملے میں قطعی کورا تھا۔ اس کا ذاتی مطالعہ تو تھا نہیں بس دوسروں کے خیالات سن کر ان کو اپنے دماغ میں بٹھا لیتا

تھا اور پھر انہی کا اعادہ کرنے لگتا تھا۔ عیسائی پادریوں کی باتیں سننے کے بعد وہ ان کی سی گفتگو کرنے لگتا تھا۔ ہندو پنڈتوں کے خیالات سننے کے بعد وہ ان کا ترجمان بن جاتا تھا۔ آتش پرست جب اس سے ملتے تھے تو وہ آتش پرستی کا حامی نظر آنے لگتا تھا اور اگر ملحد اور بے دین اس سے تبادلہ خیال کرتے تھے تو وہ ملحد اور بے دینوں کی سی گفتگو کرنے لگتا تھا۔ غرض کہ مذہبی معاملات میں اس کے کسی عقیدے اور کسی خیال کو قیام اور قرار نہ تھا اور آخر میں جا کر تو وہ اس مغالطے میں مبتلا ہو گیا تھا یا اسے اس مغالطے میں مبتلا کر دیا گیا تھا کہ وہ مجتہد العصر اور نئے خیالات اور نئے مذہب کا بانی مبانی ہے۔ ذیل میں ہم اکبر کے عجیب وغریب مذہبی قائد اور اعمال واشغال کی چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر مذہبی خیالات اور عقائد کے معاملے میں کس طرح معجون مرکب بن کر رہ گیا تھا۔

(1) اکبر مہر شاہی میں سکوں اور شاہی فرمانوں پر ''اللہ اکبر'' لکھواتا تھا جو ذومعنی تھا یعنی جس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ بزرگ وبرتر ہے اور جس سے یہ بھی مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ ''اللہ اکبر'' ہے گویا اکبر کو خدائی کا بھی دعویٰ تھا۔

(2) اکبر اسلام کے پانچوں ارکان یعنی کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کا قائل نہ تھا۔ وہ ان ارکان کو محض مذہب کی اندھی تقلید کہا کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی حج کو جانا چاہتا تھا تو اسے شاہی خزانے سے امداد دی جاتی تھی لیکن لوگ اکبر کی ناراضگی کی وجہ سے حج کے لئے خزانے سے مالی امداد حاصل کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

(3) اکبر حیات بعد الموت اور یوم قیامت کا بھی قائل نہ تھا بلکہ وہ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کو سراہا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح دوسرے جون میں تبدیل ہو جاتی ہے چنانچہ خوشامدیوں نے مسئلہ تناسخ کے صحیح ہونے کے ثبوت میں اکبر کے لئے کئی رسالے بھی لکھ دیئے تھے جن کو دیکھ کر اکبر بہت خوش ہوتا تھا۔

(4) اکبر ان لوگوں سے بہت خوش تھا جو اس کو سجدہ کرتے تھے۔ اس سجدہ کا نام ''زمین بوسی'' رکھا گیا تھا اور اس کی ذات کو قبلہ حاجات قرار دے دیا گیا تھا چنانچہ بادشاہ کو سجدہ کرنے کے جواز میں خوشامدی علماء نے بہت سی کتابیں لکھ ڈالی تھیں۔

(5) پادریوں نے اکبر سے جب بار بار ملاقاتیں کیں تو اکبر بھی عیسائیوں کی طرح باپ بیٹے اور روح القدس کا قائل نظر آنے لگا اور اس نے شہزادہ دانیال کو ہدایت کی وہ اسے انجیل کے چند جملے روزانہ پڑھ کر سنایا کرے۔

(6) بیربل نے بادشاہ کے ذہن نشین کر دیا کہ آفتاب پرماتما کا مظہر ہے اسی سے کھیتی کیاری ہوتی ہے اور اسی پر انسانوں کی زندگی کا دارومدار ہے اس لئے وہ بجا طور پر پرستش کے لائق

ہے۔ اکبر کو بیربل کے یہ خیالات بے حد پسند آئے چنانچہ بادشاہ نے باقاعدہ آفتاب پرستی شروع کر دی اور روزانہ صبح کو نکلتے ہوئے سورج کی پوجا کرنے لگا۔

(7) بیربل کے ذہن نشین کرنے پر اکبر نے گائے کی بھی تعظیم شروع کر دی تھی۔ اس کے گوبر کو وہ مقدس سمجھنے لگا تھا اور گائے کے گوشت کو وہ حرام خیال کرتا تھا چنانچہ گاؤ کشی اکبر کی حکومت میں ممنوع قرار دے دی گئی اور ان لوگوں کو سخت سزائیں دی جانے لگیں جو گائے کشی کے جرم کے مرتکب ہوتے تھے۔

(8) نوساری گجرات کے کچھ آتش پرست اکبر سے آن کر ملے۔ انہوں نے اکبر کو سمجھایا کہ صرف زردشت ہی کا مذہب سچا ہے۔ اس کے علاوہ آتش پرستی کے فوائد بھی اکبر کو سمجھائے تو اکبر کو آتش پرستی کا شوق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ شاہان عجم کے آتش کدوں کی طرح ایک آتش کدہ فوراً بنایا جائے جہاں آگ رات دن روشن رہے اور کبھی بجھنے نہ پائے۔

(9) اکبر قلعہ میں اپنی ہندو رانیوں کے ساتھ ہون میں شریک ہوتا تھا۔ پوجا پاٹ کرتا تھا۔ ماتھے پر قشقہ لگاتا تھا۔ جشن نوروز کے موقع پر بادشاہ سب کے سامنے آگ اور سورج کو سجدہ کرتا تھا۔

(10) اکبر پر بے دینی کا اثر اس قدر غالب ہو گیا تھا کہ اس نے اسلام کے تمام احکامات کو نامعقول قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ آئمہ اسلام کو کھلم کھلا برا بھلا کہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے بھی منکر ہو گیا تھا۔

(11) اکبر نے اپنے خطبوں میں سے نعت اور رسول اللہ کا نام نکلوا دیا تھا اور خدا کے بعد خود اس کا نام لیا جانے لگا تھا۔ اس نے رسولؐ کی جگہ خود اختیار کر لی تھی۔ اکبر نے یہ طریقہ کار ابوالفضل کے کہنے پر اختیار کیا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ابوالفضل کا مذہبی معاملات میں اکبر کو گمراہ کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ تھا۔

(12) اکبر کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قائل نہ تھا اس لئے جب وہ اجمیر شرف برہنہ پا اور پاپیادہ گیا تو لوگ اکبر پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ اکبر کو خواجہ اجمیری سے تو بے پناہ عقیدت ہے لیکن اصل الاصول سے یعنی پیغمبر اسلام سے انکار ہے جن کے گوشہ دامن سے بے شمار خواجہ اجمیری جیسے اولیاء اللہ پیدا ہو سکتے ہیں۔

(13) اکبر نے کلمہ بھی تبدیل کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا کریں۔ اکبر کی اس اختراع سے چونکہ اچھا خاصا فتنہ برپا ہو گیا تھا اس لئے یہ کلمہ صرف شاہی محل کے خوشامدیوں تک ہی محدود رہا۔

(14) اکبر کی والدہ مریم مکانی نے جب رحلت کی تو اکبر نے سر منڈوا کر ہندوؤں کی طرح بھدرا کرایا اور تمام ہندوانی مراسم ادا کئے۔ بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں امراء اور ملازمین نے بھی اپنے سر منڈوا دیئے۔

(15) حاجی ابراہیم سرہندی نے پرانے کاغذوں پر لکھوا کر ایک جعلی کتاب اکبر کی خدمت میں پیش کی جس میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ زمانہ آخر میں امام مہدی پیدا ہوں گے وہ بہت سی شادیاں کریں گے۔ داڑھی منڈوائیں گے اور اس کتاب میں امام مہدی موعود کی تمام نشانیاں وہی لکھ دیں جو اکبر میں موجود تھیں اس کے علاوہ یہ فرضی حدیث بھی ٹھونس دی کہ ''کسی صحابی کا داڑھی منڈا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو صحابہ نے اعتراض کیا اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اہل بہشت کی شکل ایسی ہی ہوگی''۔ اکبر اس فرضی تصنیف اور فرضی حدیث سے بہت خوش ہوا اور حاجی کو مالا مال کر دیا۔

(16) خوشامدیوں کے کہنے سے اکبر کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ نبوت کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سال ہوتی ہے اس کے بعد نیا نبی آتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو چونکہ ایک ہزار برس ہو چکے تھے اس لئے اکبر اپنے آپ کو نبی سمجھنے لگا تھا۔

(17) ہندو رانیوں کی صحبت کا بھی اکبر پر بہت اثر پڑا تھا چنانچہ اکبر نے گائے کا گوشت، لہسن اور پیاز کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ گائے کے گوشت سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اطباء کے نزدیک بھی اس کا کھانا مضر ہے۔

(18) اسلام میں سور اور کتے کے پالنے کی مخالفت ہے لیکن خوشامدیوں نے اکبر کو بتایا کہ یہ دونوں جانور بے حد مفید ہیں۔ چنانچہ اکبر نے سوروں اور کتوں کی پرورش شروع کر دی۔ اس کے بعد تو کتوں کی اس قدر عزت بڑھی کہ فیضی اپنے دستر خوان پر کتوں کو کھلاتا تھا اور بادشاہ کے خوشامدی کتوں کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستے تھے اور بادشاہ ان کی خوشامدانہ حرکتوں سے خوش ہوتا تھا۔

(19) اکبر نے اسلامی تہواروں یعنی عید اور بقر عید سے دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ زردشتوں کی تقلید کرتے ہوئے سال میں دو کے بجائے چودہ عیدیں منانے لگا تھا۔ جس کا اثر یہ پڑا کہ مسلمانوں کی عیدیں بے رونق ہو گئیں۔

(20) اکبر کو چونکہ عربی زبان سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے عربی زبان کا جاننا اور پڑھنا عیب میں داخل ہو گیا تھا۔ فقہ، تفسیر اور حدیث کے پڑھنے والوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ عربی کے اکثر حروف کتابوں سے نکال دیئے گئے۔

(21) زمانہ دراز سے دربار میں پانچ وقت اذان اور نماز ہوتی تھی۔ اکبر نے اسے موقوف کر دیا

اس کے علاوہ جن نوکروں کے نام میں محمد یا مصطفیٰ کا لفظ تھا ان کے نام بھی بدل ڈالے کیونکہ یہ نام اکبر کو مرغوب نہیں تھے۔

(22) بادشاہ جس مہینے میں پیدا ہوا تھا ان دنوں میں اور بعض دوسرے مخصوص دنوں میں جانوروں کا ذبح کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ اکبر کئی کئی مہینے گوشت نہیں کھاتا تھا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ سورج کی پوجا کرتا تھا۔ سورج کے ایک ہزار ایک نام جو سنسکرت میں ہیں سورج کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ پڑھتا تھا اور دونوں کان پکڑ کر چکر کھاتا تھا اور کانوں کے اوپر مکے لگاتا تھا۔ وہ تلک بھی لگاتا تھا اور سورج نکلنے کے وقت نوبت بجواتا تھا۔

(23) اکبر سے چند جوگی ملے تو ان کی تقلید میں اکبر نے چندیا کے بال منڈوائے۔ ان جوگیوں نے اکبر کے ذہن نشین کر دیا تھا کہ جب چندیا منڈی ہوئی ہوتی ہے تو روح چندیا سے نکل کر باہر جاتی ہے اور فیضان حاصل کرتی ہے۔

(24) پنڈتوں نے بادشاہ کو یہ مغالطہ دے رکھا تھا کہ وہ بھی راجہ چندر جی اور کرشن جی کی طرح ایک اوتار ہے چنانچہ اکبر اپنے آپ کو اوتار سمجھنے لگا تھا۔ اکبر پنڈتوں کی ہدایت کے مطابق سورج دیوتا کے نام کی تسبیح روانہ صبح کو ایک مرتبہ پڑھتا تھا اور جب باہر آتا تھا تو خوشامدی ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی سب اس کو سجدہ کرتے تھے۔ برہمنوں نے پرانے کاغذوں پر لکھوا کر ایسی تحریریں تیار کر رکھی تھیں جن میں اکبر اوتار کی پیدائش کی خوشخبری تھی اور یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ اوتار گائے کی حفاظت کرے گا۔ اکبر ان جھوٹی تحریروں پر یقین کر لیتا تھا۔

(25) اکبر نے پیری مریدی کا بھی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ جو خوشامدی ذاتی اغراض کے لئے اس کے بے معنی اور متضاد عقائد پر ایمان لے آتا تھا اور مرید ہو جاتا تھا تو اکبر اسے اپنی تصویر عطا کر دیتا تھا تا کہ مرید روزانہ اس تصویر کو سجدہ کیا کرے۔ یعنی اکبر پیر بھی بن گیا تھا۔

(26) اکبر کے حکم سے خوشامدی علماء نے جوا کھیلنا اور سود لینا حلال قرار دے دیا تھا اور محرمات بھی حلال ہو گئی تھیں۔ جوا کھیلنے والوں کے لئے سرکاری خرچ پر قمار خانہ بنوایا گیا تھا اور جوئے کے لئے روپیہ سرکاری خزانے سے دیا جاتا تھا۔ شراب بھی جائز قرار دے دی گئی تھی۔ چنانچہ علماء اور مفتی بھی بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے شراب پینے لگے تھے۔

(27) اکبر کا مرید خاص سلطان خواجہ جب مرا تو اکبر کے حکم سے اس کے دفن کرنے میں یہ جدت کی گئی کہ سورج کے رخ اس کی قبر میں ایک جالی رکھی گئی تھی تا کہ سورج کی روشنی جو گناہوں کو پاک کرنے والی ہے مردے کے منہ پر پڑتی رہے۔ نیز اس کا سر مشرق کی جانب اور

پاؤں مغرب کی جانب رکھے گئے جو مسلمانوں کے قاعدے کے خلاف ہے۔

(28) اکبر نے حکم دیا کہ جب اس کے مرید ایک دوسرے سے ملیں تو اس طرح سلام کریں کہ سلام کرنے والا کہے "اللہ اکبر" اور جواب دینے والا سلام کے جواب میں کہے "جل جلالہ" گویا اس طرح "جلال الدین اکبر" کی یاد تازہ ہوتی رہے یعنی اکبر نے سلام کا اسلامی طریقہ بھی بدل ڈالا تھا۔

(29) 999ھ میں یہ حکم جاری ہوا کہ بھیڑ، گائے، بھینس، گھوڑے اور اونٹ کا گوشت حرام سمجھا جائے۔ ہندو عورت اگر اپنی خوشی سے ستی ہو تو اسے کوئی نہ روکے لیکن بالجبر کسی عورت کو ستی نہ کیا جائے۔

(30) اکبر نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بارہ برس سے پہلے کسی لڑکے کی ختنہ نہ کی جائے اور بارہ برس کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار دیا جائے کہ ختنہ کرائے چاہے نہ کرائے۔ نیز قصائی کے ساتھ کھانا کھانا اکبر کے زمانے میں بدترین جرم قرار دے دیا گیا تھا۔

(31) ابوتراب واعتماد خاں گجراتی حج کر کے واپس آئے تو اپنے ساتھ ایک بھاری پتھر بھی لائے جس پر کہ رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک کا نقش تھا۔ اکبر کو جب اس پتھر کے آنے کا علم ہوا تو اس نے چار کوس آگے آ کر اس پتھر کا استقبال کیا اور امرا کو حکم دیا کہ سب باری باری سے کاندھا دیں خود بادشاہ نے بھی اس پتھر کو کاندھا دیا۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ جب بادشاہ نے اس پتھر کا احترام کیا تو مسلمانوں کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ مسلمان اکبر کو بے دین اور رسول اللہ کی رسالت کا منکر سمجھتے تھے۔

اکبر کے مندرجہ بالا عجیب وغریب ملحدانہ اعمال اور خیالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر محض اپنی کم علمی کی بنا پر کس طرح موہوم عقائد میں الجھ گیا تھا لیکن مورخین کا بیان ہے کہ آخری عمر میں جا کر اس کی اصلاح ہو گئی تھی اور اس نے ملحدانہ اور مشرکانہ عقائد اور خیالات سے توبہ کر لی تھی۔ چنانچہ جب اکبر مرا تو اس نے ملا صدر جہاں کے روبرو توبہ کی۔ مرنے سے پہلے یٰسین سنی اور مرتے وقت بلند آواز سے کلمہ پڑھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اکبر پر ایک خاص دور ایسا گزرا تھا کہ وہ شرک اور الحاد کی لعنت میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن آخر عمر میں وہ تائب ہو گیا تھا۔

اکبر کا ذاتی کیریکٹر

اکبر نہایت ہی مُخیّر اور دوست نواز انسان تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ بڑی فیاضی کا سلوک کیا ہے۔ اگر امرائے سلطنت سے لغزش ہو جاتی تو وہ اس کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ جن لوگوں نے مغلیہ حکومت کی تعمیر میں اس کا ساتھ دیا تھا اکبر نے ان کو نہ صرف بلند

ترین منصب عطا کئے بلکہ مال وخزانہ دے کر مالا مال کر دیا۔ انتقام کا جذبہ اس میں بہت کم تھا چنانچہ اپنے بھائی مرزا حکیم کی پے درپے بغاوتوں کے باوجود اس نے کوئی انتقام نہیں لیا۔ شہزادہ سلیم نے لغزشوں پہ لغزشیں کیں مگر اس کی مہربانی اور مروت میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اس نے شہزادہ سلیم کو مرنے سے قبل اپنے سامنے بادشاہ بنا دیا۔ اکبر کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی اگر اس کے سامنے آ کر معذرت خواہ ہوتا تھا تو وہ فوراً نہ صرف اسے معاف کر دیتا تھا بلکہ اس کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرتا تھا۔

وہ نہ عیاش تھا، نہ آرام طلب تھا لیکن اس کو نئی نئی شادیاں کرنے کی عادت تھی۔ شادی کرتے وقت وہ بیوہ اور کنواری میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ بیرم خاں کی بیوہ سے اس نے بڑے شوق کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ شراب وہ پیتا تھا مگر اعتدال کے ساتھ۔ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کا اسے سب سے زیادہ شوق تھا اور شکار کا وہ بے حد دلدادہ تھا۔

پڑھا لکھا نہ ہونے کے باوجود اس میں علمی ذوق بے حد موجود تھا چنانچہ اس نے بے شمار سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور بہت سی نایاب کتب اس نے بڑی بڑی قیمتوں پر فراہم کر کے اپنے کتب خانے میں جمع کیں اس کی خواہش یہ تھی کہ اس کا کتب خانہ کسی نایاب کتاب سے خالی نہ رہے اور دوسری زبان کی کوئی بھی اچھی کتاب ایسی باقی نہ رہے جس کا فارسی زبان میں ترجمہ نہ ہو جائے۔ وہ روزانہ کتابوں کو پڑھوا کر سنتا تھا۔ اس طرح اس نے اپنی اس کم علمی کو بڑی حد تک دور کر لیا تھا جو اس کا سب سے بڑا عیب تھا۔

اکبر اور اس کی حکومت سے متعلق چند دلچسپ واقعات

اکبر اور اس کے دور حکومت سے تعلق رکھنے والے چند دلچسپ واقعات بھی ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اکبر کی عمر جب چار سال چار مہینے اور چار دن کی ہوئی تو رسم و رواج کے مطابق مکتب نشینی کی رسم کی وسیع پیمانے پر تیاریاں کی گئیں۔ لیکن عین مکتب نشینی کے وقت اکبر کہیں جا کر چھپ گیا۔ ہر چند تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا۔ اکبر کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے لائق استاد رکھے گئے مگر اس نے کبھی پڑھ کر نہ دیا اور کھیل کود پر دیوانہ بنا رہا۔ اسے بچپن ہی سے کبوتر بازی، شکار اور کتے دوڑانے کا شوق تھا۔

اکبر 27 جمادی الاول 971ھ (1564ء) کو دہلی میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ جب وہ زیارت کر کے واپس آ رہا تھا تو ایک شخص نے بادشاہ کے تیر مارا۔ تیر بادشاہ کے داہنے شانے میں اتر گیا ملزم کو گرفتار کر لیا گیا۔ شاہی ملازمین یہ چاہتے

تھے کہ ملزم کے ذریعے اس سازش کا پتہ چلائیں جو بادشاہ کے قتل کے لئے کی گئی تھی لیکن اکبر نے حکم دیا کہ اسے فوراً قتل کر دو۔ معلوم نہیں کہ وہ ہمارے اخلاص مندوں میں سے کس کس پر تہمت لگائے اور ان پر مصیبتیں نازل ہوں۔

اکبر کی والدہ حضرت مریم مکانی کے سوتیلے بھائی خواجہ معظم کو بادشاہ کا ماموں ہونے پر بڑا غرور تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ اکبر کو اس کی یہ بے اعتدالیاں سخت ناپسند تھیں۔ ایک روز خواجہ معظم نے اپنی بے گناہ بیوی کو جبکہ وہ غسل خانے سے نہا کر نکل رہی تھی خنجر مار کر قتل کر دیا۔ اکبر اس سانحے کو سن کر فوراً پہنچا اور خواجہ معظم کے قتل کا اشارہ کیا ایک غلام نے فوراً خواجہ معظم کا سر اڑا دیا۔

اکبر جس زمانے میں تھانیسر میں تھا وہاں کے پنڈتوں میں ایک تالاب کی تولیت پر جھگڑا شروع ہوا اور ان کے دو گروہ بن گئے جو آپس میں آمادہ پیکار تھے۔ اکبر نے ان دونوں کو بلا کر سمجھایا کہ آپس میں خانہ جنگی اچھی نہیں۔ جب وہ دونوں نہ مانے تو اکبر نے کھلے میدان میں ان کو لڑنے کی آزادی دے دی۔ ان میں معمولی سی جنگ ہوئی اور پھر آپس میں تصفیہ ہو گیا۔

اکبر ہر جمعہ کی رات کو مختلف عقائد کے علماء کو جمع کرتا تھا اور ان کے مباحثے سنتا تھا۔ ان مباحثوں میں رفتہ رفتہ ہاتھا پائی اور مار پیٹ تک نوبت آگئی اور اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ جب اکبر نے یہ حالت دیکھی تو مختلف عقائد اور مذاہب کے علماء کے لئے الگ الگ نشستیں قائم کر دی تھیں تاکہ یہ ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔

اکبر کے زمانے میں شیخ قطب الدین جلیسری ایک مجذوب صفت بزرگ تھے۔ اکبر نے ان کو طلب کیا اور ان فرنگیوں سے بحث کرنے کے لئے کہا جو اسلام کے معاملے میں مسلمان علماء سے مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ شیخ نے کہا کہ ''بحث و مباحثہ تو بے کار چیز ہے حق و باطل کی تمیز کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کئی گز کے اندر خوب آگ روشن کر دی جائے۔ ہم میں سے جو بھی اس آگ پر سے پاپیادہ بغیر جلے ہوئے گزر جائے وہی سچا ہے'' چنانچہ آگ روشن کرا دی گئی۔ شیخ نے ایک فرنگی کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور کہا کہ ''بسم اللہ ہم تم آگ پر چلیں'' مگر کسی فرنگی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ شیخ کے ہمراہ آگ میں جاتا۔ شیخ بے فکری سے دہکتے ہوئے انگاروں پر سے گزر گئے اور ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

اکبر نے عورتوں کے لئے مینا بازار کو بھی اپنے زمانے میں رواج دیا تھا۔ اس مینا بازار میں صرف عورتیں دوکانیں لگاتی تھیں۔ اکبر اس مینا بازار کی سیر سے بے حد خوش ہوتا تھا اور لڑکے لڑکیوں کے رشتے بھی اس موقع پر کرا دیا کرتا تھا۔

بادشاہ نے راجہ مان سنگھ سے خواہش کی کہ وہ بھی اکبر کے لایعنی عقائد کو مان لے اور اکبر کا مرید ہو جائے۔ مان سنگھ نے جواب دیا کہ ''اگر مریدی کا منشا جان نثاری ہے تو میرا سر حضور کے

لئے ہر وقت ہتھیلی پر رکھا رہتا ہے اور اگر مریدی سے مقصد دین کا معاملہ ہے تو میں ہندو ہوں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ ان دو مذہبوں کے سوا کسی تیسرے مذہب کو میں نہیں جانتا۔" اکبر، راجہ مان سنگھ کا جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

مرزا عزیز کوکا حاکم پنجاب اکبر کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اکبر اس کی بڑی عزت کرتا تھا لیکن جب مرزا کوکا نے روپیہ غبن کرنے کے سلسلے میں اپنے ایک کارکن کو اتنا پٹوایا کہ وہ مر گیا تو اکبر نے تعلقات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حکم دے دیا کہ مرزا کوکا کو قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے اور مناسب سزا دی جائے۔ مرزا کوکا نے ہر چند کوشش کی کہ اکبر اسے معاف کر دے مگر اکبر نے کہہ دیا کہ انصاف کے مقابلے میں سارے رشتے ہیچ ہیں۔ چنانچہ مرزا کوکا کا مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا اور مرزا کو اکبر کا دودھ شریک بھائی ہونے کے باوجود جرم کی سزا دی گئی۔

شہنشاہ نورالدین جہانگیر

اکبر نے مرنے سے تھوڑی دیر قبل یوں تو اپنے سامنے ہی شہزادہ سلیم کو بادشاہ بنا دیا تھا لیکن اس کی باقاعدہ تخت نشینی کی رسم 8 جمادی الآخر 1094 ھ (1605 ء) کو 38 برس کی عمر میں دارالسلطنت آگرہ میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ انجام دی گئی۔ تخت نشینی کے وقت شہزادہ سلیم نے شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے باپ کے زمانے کے سب امیروں اور عہدہ داروں کو بحال رکھا بلکہ بعض پرانے امرا کے منصبوں میں اضافے بھی کر دیئے۔

شہنشاہ جہانگیر کی ابتدائی زندگی

شہنشاہ جہانگیر کے دور حکومت کے واقعات سپرد قلم کرنے سے قبل ہم جہانگیر کی خود نوشت سوانح عمری تزک جہانگیری سے اس کی ابتدائی زندگی کے حالات درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ تاریخ پڑھنے والوں کو اس کی ابتدائی زندگی سے بھی کسی نہ کسی حد تک واقفیت ہو جائے۔

اکبر کے ہاں 38 سال کی عمر تک کوئی اولاد نہ تھی۔ جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ مر جاتا تھا۔ اکبر کو لوگوں نے بتایا کہ اگر وہ ہندوستان کے روحانی شہنشاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک پر اجمیر شریف جا کر اولاد کے لئے منت مانے تو اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔ اکبر اجمیر شریف گیا اور اس نے منت مانی کہ ''اگر خدا مجھے جیتا جاگتا بیٹا دے گا تو میں آگرہ سے اجمیر تک پیدل حاضری دوں گا''۔ چنانچہ جہانگیر کی پیدائش کے بعد اس نے اس منت کو پورا کیا۔

آگرہ کے قریب قصبہ سیکری میں ایک مشہور بزرگ حضرت شیخ سلیم چشتی رہتے تھے۔ اکبر نے ان سے بھی بیٹے کے لئے دعا کرائی اور یہ عہد کیا کہ ''میرے جو پہلا بیٹا ہوگا اسے آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دوں گا''۔ حضرت نے فرمایا ''جا تجھے بیٹا مبارک ہو۔ ہم نے اپنے نام پر اس کے کا نام سلیم رکھ دیا''۔ چنانچہ جب جہانگیر کے پیدا ہونے کا وقت قریب آیا تو اکبر نے جہانگیر

کی ماں رانی جودھا بائی کو حضرت شیخ کے گھر قصبہ سیکری میں بھیج دیا۔ جہانگیر حضرت شیخ ہی کے گھر میں 17 ربیع الاول 977ھ کو پیدا ہوا اور اس کا نام حضرت شیخ کے نام پر سلیم رکھا گیا۔ مگر اکبر نے حضرت شیخ سلیم چشتی کے احترام کے پیش نظر کبھی بیٹے کو سلیم کہہ کر نہیں پکارا۔ وہ ہمیشہ حضرت شیخ کے نام کی نسبت سے اسے شیخو جی یا شیخو بابا کہا کرتا تھا۔ جہانگیر کی پیدائش کے بعد اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے غیر معمولی عقیدت ہو گئی تھی۔ اس لئے اکبر نے چند سال کے اندر اندر شیخ کے مسکن قصبہ سیکری کو ایک خوبصورت شہر بنا دیا۔

چار سال اور چار ماہ اور چار دن کی عمر میں جہانگیر کو حسب دستور پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا اور اس کی تعلیم کا اکبر نے نہایت ہی معقول بندوبست کیا۔ اتالیقی کی اہم ذمہ داری بیرم خاں کے فرزند عبدالرحیم خان خاناں کے سپرد کی گئی۔ آٹھ سال کی عمر میں جہانگیر کو منصب دہ ہزاری عطا ہوا۔

پندرہ سال کی عمر میں جہانگیر کی پہلی شادی 993ھ (1585ء) میں مشہور راجپوت راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے ہوئی۔ دوسری شادی 994ھ (1586ء) میں راجہ اودے سنگھ کی بیٹی سے ہوئی۔ جہانگیر کا سب سے بڑا لڑکا خسرو راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے 997ھ (1589ء) میں پیدا ہوا تھا۔ جہانگیر کا دوسرا لڑکا پرویز اس کی تیسری بیوی جو زین خاں کوکا کی بیٹی تھی پیدا ہوا تھا۔ جہانگیر کا تیسرا لڑکا خرم (شاہجہاں) راجہ اودے سنگھ کی لڑکی سے 999ھ (1591ء) میں پیدا ہوا۔ جہانگیر کے دو بیٹے خواصوں سے بھی پیدا ہوئے تھے۔ جن کے نام جہاندادار اور شہریار تھے۔

1007ھ (1596ء) میں اکبر نے مہارانا اودے پور کی سرکوبی کے لئے ایک مہم بھیجی اور جہانگیر کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر دکن کی فتوحات میں مصروف تھا۔ اس مہم میں راجہ مان سنگھ بھی جہانگیر کے ہمراہ تھا۔ راجہ مان سنگھ اور دوسرے امرائے سلطنت نے جہانگیر کو مشورہ دیا کہ وہ اس مہم کو سر کرنے کے بجائے پہلے آگرہ جائے کیونکہ آگرہ کا تخت خالی پڑا ہے اور اس کے بعد الہ آباد اور بنگال کی جانب متوجہ ہو۔ جہاں بغاوتیں برپا ہیں۔ چنانچہ جہانگیر نے اس مہم کو ناکام چھوڑ دیا جس سے اکبر کو بے حد رنج ہوا۔

جہانگیر نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باپ کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ وہ آگرہ کو فتح کرنا چاہتا تھا مگر قلیچ خان کے نیک مشورے سے متاثر ہو کر اودھ اور بہار کی جانب چلا گیا اور وہاں جا کر باغیانہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں جہانگیر نے ابوالفضل کو بھی دکن سے آتے ہوئے قتل کرا دیا تھا۔ ابوالفضل سے جہانگیر کی دشمنی کے دو سبب تھے۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ جہانگیر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ ابوالفضل شہنشاہ اکبر کو جہانگیر کے خلاف بھڑکاتا رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جہانگیر کو ابوالفضل کے ملحدانہ عقائد اور خیالات سے سخت نفرت تھی اور اس کا خیال تھا کہ ابوالفضل نے اسکے باپ کو قطعی بے دین اور ملحد بنا دیا ہے۔ اسی لئے جہانگیر نے اسے موقع ملتے ہی قتل کرا دیا۔

جہانگیر کی بغاوت اور ابوالفضل کے قتل کے بعد جب اکبر نے جہانگیر کو آگرہ طلب کیا تو وہ بہت گھبرایا لیکن چونکہ اس حکم کی تعمیل ضروری تھی اس لئے اپنی حفاظت کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر وہ دارالسلطنت کی جانب روانہ ہوگیا۔ اکبر کو جب اطلاع ملی کہ جہانگیر لشکر کے ساتھ آرہا ہے تو اسے خیال پیدا ہوا کہ کہیں لشکر کی وجہ سے باپ بیٹوں میں مزید بدمزگی نہ پیدا ہو جائے۔ اکبر نے بیٹے کو لکھا کہ ''اگر تجھے آنا ہے تو تن تنہا آ اور اگر تجھ کو کوئی وہم ہے تو الہ آباد واپس چلا جا۔ جب تیرے دل سے وہم دور ہو جائے اس وقت حاضر ہو جانا''۔ اس حکم کے بعد جہانگیر نے دارالسلطنت جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور وہ واپس چلا گیا۔

اس واقعے کے چند ہی روز بعد اکبر نے سلطان بیگم کو جہانگیر کو لانے کے لئے الہ آباد بھیجا۔ سلطان بیگم نے جہانگیر کے دل سے وہ سارے وسوسے اور اندیشے دور کر دیئے جو باپ کی طرف سے پیدا ہو گئے تھے۔ جہانگیر سلطان بیگم کے ہمراہ آگرہ آیا۔ سب سے پہلے اپنی دادی مریم مکانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی جگہ باپ بیٹوں کی ملاقات ہوئی۔ جہانگیر نے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ باپ نے بیٹے کو اٹھا کر گلے سے لگایا۔ پیار کیا اور کہا کہ ''شراب نے تیری حالت خراب کر دی ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ شراب اور افیون کو ملا کر استعمال کرنے سے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ تو میرے پاس قیام کر، تاکہ میں تیرا علاج کراؤں۔''

جہانگیر تقریباً دس دن باپ کے پاس رہا۔ جب اکبر اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تو اسے آزادی دے دی کہ وہ جہاں چاہے رہے۔ اسی زمانے میں اکبر نے جہانگیر کو حکم دیا کہ وہ رانا کے خلاف اس مہم کو پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس نے نامکمل چھوڑ دی تھی۔ جہانگیر فوراً اس مہم کے لئے آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ لیکن راجہ مان سنگھ اور خان اعظم جو جہانگیر کے بجائے خسرو کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس مہم کے لئے ضروری سامان نہ دیا۔ جس کی وجہ سے جہانگیر کو اس مہم کا ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ اس پر جہانگیر کے دشمنوں نے پھر جہانگیر کے خلاف بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا۔ جہانگیر کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس نے باپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تاکہ وہ مہم کو ملتوی کرنے کے اسباب زبانی باپ کو بتائے مگر اسے حاضری کی اجازت نہیں دی گئی۔

چند دن کے بعد الہ آباد میں جہانگیر کو اطلاع ملی کہ اکبر اسے لینے کے لئے آگرہ سے الہ آباد بذریعہ کشتی آرہا تھا کہ راستے میں خبر ملی کہ اکبر کی ماں مریم مکانی سخت بیمار ہو گئی ہے اس لئے اکبر واپس چلا گیا اور اس کے آگرہ پہنچتے ہی مریم مکانی کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی اس زحمت فرمائی اور دادی کی موت کی اطلاع پاتے ہی جہانگیر بے چین ہو گیا اور وہ فوراً آگرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ باپ بڑی محبت سے پیش آیا جس سے جہانگیر کے مخالفوں کو بڑا صدمہ ہوا۔

جہانگیر کے آگرہ پہنچنے کے بعد جہانگیر کے مخالفوں نے اکبر کو جہانگیر سے بدظن کرنے کے

لئے یہ چال چلی کہ جہانگیر اور اس کے بیٹے خسرو کے ہاتھیوں کی لڑائی کا پروگرام تیار کیا اور اس تماشے کے دکھانے کے لئے اکبر کو بھی بلایا۔ حریفوں کا خیال تھا کہ جب خسرو کا ہاتھی جہانگیر کے ہاتھی کو شکست دے دے گا تو اکبر کے ذہن میں یہ خیال آسانی سے جمایا جا سکے گا کہ خسرو کا اقبال سامنے ہے اور جہانگیر کا اقبال گردش میں ہے۔ اس لئے سلطنت کا فائدہ اسی میں ہے کہ تاج وتخت خسرو کے حوالے کر دیا جائے۔

ہاتھیوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ خسرو کا ہاتھی بے حد مضبوط تھا اور جہانگیر کا ہاتھی نہایت کمزور تھا۔ مخالفوں نے جان بوجھ کر ہاتھیوں کی یہ لڑائی کرائی تھی تا کہ جہانگیر کو ندامت ہو لیکن خدا کی قدرت جہانگیر کے کمزور ہاتھی نے خسرو کے مضبوط ہاتھی کو مار بھگایا۔ اب مخالفوں نے یہ چال چلی کہ خسرو کے ہاتھی کی مدد کے لئے بادشاہ کے خاصہ کے ہاتھیوں میں سے ایک بڑا ہاتھی منگوایا۔ جہانگیر نے شاہی فیل بان کو روکنے کی کوشش کی۔ جب وہ نہ مانا تو جہانگیر کے آدمیوں نے اسے مارا اور اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا جس سے اکبر کبیدہ خاطر ہو کر محل کے اندر چلا گیا اور اسے بخار ہو گیا یہاں تک کہ اس بخار نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔

جہانگیر کو جب باپ کی علالت کی اطلاع ملی تو وہ مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا۔ بخار نے شدت اختیار کر لی تھی اور بیماری دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جہانگیر عیادت کے بعد واپس چلا آیا۔ دوسرے دن پھر عیادت کے لئے جانا چاہتا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ خسرو کے ماموں مان سنگھ اور خان اعظم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد فوراً خسرو کو تخت پر بٹھا دیا جائے اور یہ دونوں اس کوشش میں ہیں کہ اگر موقع ملے تو جہانگیر کو گرفتار کر لیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی جہانگیر باپ کی عیادت کے بغیر واپس چلا گیا اور اس نے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

راجہ مان سنگھ اور خان اعظم خسرو کی تخت نشینی کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ چاہا تھا کہ کسی طرح خود اکبر سے خسرو کی جانشینی کی سند حاصل کر لیں۔ چنانچہ یہ دونوں محل میں آئے۔ اکبر اس وقت بخار کی زیادتی سے تقریباً بے ہوش تھا۔ تمام بڑے بڑے امرا اکبر کے پلنگ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ خان اعظم اور مان سنگھ بھی پلنگ کے پاس بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے ذرا آنکھ کھولی تو انہوں نے عرض کیا کہ ''حضور خسرو کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں''۔ اکبر نے ان دونوں کو ناراضگی سے دیکھتے ہوئے ان کی طرف سے کروٹ لے لی۔ اب یہ دونوں پلنگ کے دوسرے رخ پر آ گئے اور انہوں نے پھر عرض کی کہ ''خسرو کے بارے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں''۔ اکبر نے غصے کے لہجے میں کہا'' کیا بکتے ہو، کیا تم کو چنگیزی قانون معلوم نہیں کہ بڑے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو تاج نہیں مل سکتا''۔ اکبر کے ان الفاظ کو سن کر دونوں دم بخود رہ گئے۔

اکبر نے امرائے سلطنت سے پوچھا کہ ''شیخو جی کہاں ہیں'' مان سنگھ اور خان اعظم نے

جہانگیر کی طرف سے اس نازک وقت میں بھی باپ کے دل میں نفرت پیدا کرنے کے لئے کہا کہ ''دولت خانے کی طرف انہوں نے توپیں لگادی ہیں اور وہ باہر ہیں''۔ اکبر نے کہا ''تم نے اسے میرے پاس آنے سے روکا ہوگا''۔ جہانگیر کے حامیوں نے جواب دیا کہ ''جی ہاں، قلعے کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں اور دروازوں پر توپیں چڑھادی گئی ہیں اس لئے شہزادہ نے بھی اپنی حفاظت کے لئے اپنے مقام پر توپیں لگادی ہیں۔''

اکبر سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے فوراً جہانگیر کی طلبی کا حکم دیا۔ جہانگیر دوڑا ہوا باپ کی خدمت میں پہنچا اور قدموں پر سر رکھ کر زاروقطار رونے لگا۔ اکبر نے لیٹے لیٹے اسے چھاتی سے لگایا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹے کو شاہی تلوار اور دستار عطا کرنے کا حکم دیا کہ ''دستار پہنو، تلوار لگاؤ۔ میں نے تم کو ہندوستان کا بادشاہ بنادیا''۔ جہانگیر حکم کی تعمیل کرتا جاتا تھا اور [illegible] جاتا تھا۔ غرض کہ اکبر نے اس طرح آخری وقت میں اس خطرناک ہنگامے کو فرو کردیا جو مان [illegible] کے نام پر کھڑا کرنا چاہتے تھے۔

اس واقعے کے بعد جہانگیر محل سے نکل کر فوج کے افسر اعلیٰ شیخ فرید بخشی کے مکان پر چلا گیا۔ شیخ فرید بخشی اکبر کے خاص امرا میں سے تھا۔ سارے ملک کی فوج اسی کے ماتحت تھی۔ دہلی کے قریب قصبہ آباد شیخ فرید بخشی ہی نے آباد کیا تھا۔ جہانگیر شیخ کے مکان ہی میں تھا کہ اطلاع ملی کہ اکبر کا انتقال ہوگیا۔ جہانگیر فوراً محل میں گیا۔ بہت رویا جنازہ تیار ہوگیا تو خود جنازے کو کندھا دیا اور اکبر کو آگرہ سے تین کوس کے فاصلے پر ایک باغ میں دفن کردیا گیا۔ اکبر کے مرنے کے بعد راجہ مان سنگھ اور خان اعظم نے جہانگیر کی خدمت میں آکر معافی طلب کی۔ جہانگیر نے انہیں معاف کردیا۔ اس کے بعد جہانگیر کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ یہ ہیں جہانگیر کی ابتدائی زندگی کے حالات۔

مظلوموں کے لئے زنجیر عدل

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد زنجیر عدل لگوائی تاکہ مظلوم اور فریادی اس زنجیر کو کھینچنے کے بعد براہ راست بادشاہ سے فریاد کرسکیں۔ یہ زنجیر خالص سونے کی تھی اس کا طول تیس گز تھا اور یہ وزن میں چار من تھی۔ اس زنجیر میں ساٹھ گھنٹے لٹکے ہوئے تھے۔ جب کوئی مظلوم اس زنجیر کو کھینچتا تھا تو یہ گھنٹے بجنے لگتے تھے اور جہانگیر خود مظلوم کو بلا کر اس کی فریاد سنتا تھا۔

جہانگیر کو زنجیر عدل کے لگانے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ مظلوم بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان پر امرا طرح طرح کے مظالم کرتے ہیں اور ان مظلوموں کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ اس زنجیر کا سرا جمنا کے قریب شاہی محل کے نیچے لٹکا ہوا تھا جس مظلوم کو بھی کوئی شکایت ہوتی

تھی وہ زنجیر کھینچ کر گھنٹے بجا دیتا تھا اور بادشاہ خود جھروکے میں آ کر اس کی فریاد سنتا تھا۔زنجیر عدل کے علاوہ جہانگیر نے خفیہ پولیس کا بھی بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔جہانگیر کے خفیہ نولیس نہ صرف دارالسلطنت میں بلکہ ملک کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے تھے۔جن کے ذریعے امرائے سلطنت کے پوشیدہ حالات جہانگیر کو برابر معلوم ہوتے رہتے تھے۔

جہانگیر کی زنجیر عدل اور خفیہ نویسوں کی سرگرمیوں کا یہ اثر پڑا کہ ملک میں ظلم وستم بڑی حد تک بند ہو گیا اور وہ امرائے سلطنت جو غریبوں کی نظر میں نہیں لاتے تھے غریبوں سے ہر وقت خوفزدہ رہنے لگے۔

جہانگیر کے بارہ احکامات

زنجیر عدل کے بعد جہانگیر نے نہایت مفید بارہ احکامات جاری کئے اور حکم دے دیا کہ ساری سلطنت میں ان بارہ احکامات پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے۔یہ بارہ احکامات یہ تھے۔

پہلا حکم:۔زکوٰۃ،تمغہ اور میر بحری کے نام سے جو محصول شاہی سرکار لیتی ہے اور جاگیردار لیتے ہیں وہ وصول نہ کئے جائیں۔اس کے علاوہ جاگیرداروں نے اور صوبہ داروں نے اپنے ذاتی نفع کے لئے رعایا سے روپیہ حاصل کرنے کے جو دوسرے حیلے اور بہانے بنا رکھے ہیں وہ سب بند کئے جائیں۔راستوں کا محصول نہ لیا جائے۔دریاؤں کے گھاٹوں کا محصول نہ لیا جائے۔شہروں اور قصبوں کی رعایا سے چنگی نہ لی جائے۔بندرگاہوں سے جو مال ہندوستان میں آئے اس پر کوئی محصول اور چنگی نہ لی جائے نہ ہی عہدہ دار کو نذر یا بھینٹ کے نام سے کچھ نہ دیا جائے۔

دوسرا حکم:۔جن راستوں میں چوری ہوتی ہے یا ڈاکے پڑتے ہیں اور یہ راستے آبادی سے دور ہیں تو اس علاقے کے جاگیردار ان راستوں پر سرائیں اور مسجدیں تعمیر کرائیں،کنویں کھدوائیں اور ان علاقوں کو آباد کرنے کا انتظام کریں تاکہ مسافروں کو بھی آرام ملے اور چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی انسداد ہو جائے۔اگر یہ راستے شاہی علاقوں میں ہوں تو وہاں کے متصدی ان کی آبادکاری کا انتظام کریں۔اس کے علاوہ راستوں پر جو سوداگر اپنا مال لے کر چلیں تو صوبیدار،جاگیردار اور شاہی عمال سوداگروں کے مال کی گٹھریاں ان کی رضامندی کے بغیر کھول کر نہ دیکھیں۔

تیسرا حکم:۔ تمام ممالک محروسہ میں کوئی ہندو مر جائے یا مسلمان مر جائے یا اور کسی عقیدے کا آدمی مر جائے تو اس کا مال واسباب مرنے والے کے وارثوں کو دیا جائے۔سرکار کا کوئی ملازم اس مال میں تغلب یا مداخلت نہ کرے اور اگر مرنے والا لاوارث ہو تو اس کے مال واسباب کی حفاظت کے لئے ایک شاہی تحویلدار مقرر کیا جائے اور یہ مال حسب ذیل کاموں میں خرچ کیا جائے۔

مرنے والا مسلمان ہو تو اس کے روپے سے مسجدیں بنوائی جائیں اور غیر مسلم ہو تو اس کے روپیہ سے سرائیں بنوائیں جائیں۔ تالاب کھدوائے جائیں۔ ٹوٹے ہوئے پلوں کی مرمت کرائی جائے۔ مسلمان کا روپیہ اگر مسجدوں کی تعمیر سے بچ جائے تو وہ بھی سراؤں، تالابوں، کنوؤں اور پلوں کی تعمیر پر صرف کیا جائے۔ اس حکم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ بادشاہوں نے زمانہ دراز سے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ اپنے نوکروں، امیروں اور دولت خواہوں کے مرنے پر ان کے سارے مال پر قبضہ جما لیتے تھے۔ کہتے تو یہ تھے کہ وہ اس مال کی حفاظت کے لئے ایسا کر رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ سارا مال ان کے خزانوں میں چلا جاتا تھا۔

چوتھا حکم :۔ شراب اور نشہ آور چیزوں کو نہ کوئی شخص بنائے نہ پیئے اور نہ بیچے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ میں خود اٹھارہ برس کی عمر سے اب تک شراب پیتا ہوں۔ پہلے دو آتشہ شراب کے رات دن میں بیس پیالے پیا کرتا تھا اور پھر رفتہ رفتہ کمی کر کے پندرہ پیالے پینے لگا تھا اور اس کے بعد اور کمی کر کے سات پیالوں تک آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ آج کل صرف رات کے کھانے کے ہضم کے لئے بہت تھوڑی سی شراب پیتا ہوں تاہم میں نے اپنے ملک کی ساری رعایا کو نشہ بازی کی مصیبت سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا ہے تاکہ میرے ممالک محروسہ میں شراب، بھنگ اور نشے کی سب چیزیں نہ کوئی شخص بنائے، نہ تجارت کرے اور نہ اپنے استعمال میں لائے۔

پانچواں حکم :۔ رعایا کسی قوم اور مذہب کی بھی ہو اس کے ذاتی مکان کو سرکاری آدمی نزولی نہ بنائیں۔ اگر سرکاری کام کیلئے کسی جگہ یا مکان کی ضرورت ہو تو مالک کو اس کی منہ مانگی قیمت دیکر خرید لیا جائے۔ اس کے بغیر کسی شخص کو اس کے مکان سے کوئی سرکاری ملازم جبر کر کے باہر نہ کر لے۔

چھٹا حکم :۔ کسی مجرم کو ناک، کان کاٹنے کی سزا نہ دی جائے۔ خود میں نے بھی بارگاہ الٰہی میں عہد کیا ہے کہ کسی شخص کو اس قسم کی سزا نہیں دوں گا۔

ساتواں حکم :۔ کوئی جاگیردار، شاہی عامل یا اس کے ملازم رعیت کی کسی زمین کو چھین کر خود اس میں کاشت نہ کریں۔

آٹھواں حکم :۔ شاہی عامل اور جاگیردار جس پرگنہ میں کہ حاکم ہوں حکم شاہی کے بغیر وہاں کے لوگوں کے ساتھ رشتہ اور بیاہ نہ کریں۔

نواں حکم :۔ بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے بنائے جائیں اور ان میں علاج کے لئے طبیب مقرر کئے جائیں۔ بیماروں کو دوا اور غذا مفت ملا کرے۔ یہ سارا خرچ شاہی خزانے سے دیا جائے۔

دسواں حکم:۔ میرے والد کے طریقہ کے موافق ہر سال 18 ربیع الاول سے جو ان کی پیدائش کی تاریخ ہے۔ عمر کے ہر سال کے لئے ایک روز شمار کر کے یعنی مسلسل 63 دن تک (چونکہ اکبر کی عمر 63 سال کی ہوئی تھی) ممالک محروسہ میں کوئی جانور ذبح نہ ہو۔ نیز اتوار کو بھی کوئی جانور ذبح نہ ہو کیونکہ یہ میرے والد کی ولادت کا دن ہے۔ اس کے علاوہ یہ آفرینش عالم کا بھی پہلا روز ہے۔ میرے والد اس کو مبارک سمجھ کر اس دن کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔

گیارھواں حکم:۔ میرے والد کے نوکروں کی جاگیریں اور منصب بدستور برقرار ہیں۔ بقدر حاجت ہر شخص کے منصب میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ دس اور بارہ سے کم کسی کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ بعض کا دس سے تیس چالیس تک اضافہ کیا گیا ہے۔ احدی سپاہیوں کی تنخواہ دس روپیہ ماہانہ سے بارہ روپیہ کر دی گئی ہے اور والد مرحوم حرم کی عورتوں کو جو تنخواہ دیتے تھے اس میں ان کی حالت کے مطابق دس سے بارہ تک اور دس سے بیس تک کا اضافہ کیا گیا ہے اور ممالک محروسہ کے اماموں اور علماء کو میرے والد کے زمانے میں جو کچھ معاش کے لئے وظیفہ ملتا تھا، وہ برقرار رکھا جائے۔ یہ ہندوستان کا صحیح النسب سید ہے۔ اس کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ مستحقوں کو خود سامنے بلا کر دیا کرے۔

بارھواں حکم:۔ جیل خانوں اور قلعوں میں جتنے آدمی قید ہیں وہ سب رہا کر دیئے جائیں۔

جہانگیر نے ان بارہ احکامات کے علاوہ ان تمام محصولوں اور فرامین کو بھی منسوخ کر دیا تھا جن سے کہ رعایا کو تکلیف ہوتی تھی اور جن کی طرف سے اکبر کے زمانے تک توجہ نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جہانگیر نے یہ بھی پابندی لگا دی تھی کہ جس علاقے میں چوری ہو یا ڈاکہ پڑے تو اس علاقے کے باشندوں کو چوروں اور ڈاکوؤں کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ غرض کہ جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی بہت سی مفید اصلاحات ملک کے لئے نافذ کر دی تھیں۔

امرائے سلطنت کو عہدے اور خطابات

جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد امرائے سلطنت کو خطابات، عہدے اور انعامات عطا کرنے میں بھی بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ جہانگیر نے اپنے بڑے بیٹے خسرو کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔ سعید خاں کو پنجاب کی حکومت سپرد کی۔ فوج کے افسر اعلیٰ شیخ فرید بخشی کو سابقہ عہدہ جلیلہ پر فائز رکھتے ہوئے خلعت اور شمشیر مرصع عنایت کی۔ خواجگی فتح اللہ بدستور بخشی کے عہدے پر سرفراز رہا۔ امین الدولہ کو آتش بیگی کا عہدہ دیا۔ شریف خان جو بچپن سے جہانگیر کے ساتھ کھیلا تھا اس کو پنج ہزاری کا منصب دیا اور اسے وزیراعظم کا عہدہ دے کر امیر الامرا کا خطاب دیا۔ راجہ مان سنگھ جو جہانگیر کا سب سے بڑا مخالف تھا اسے صوبہ بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ بیر داس کو میر آتش کا عہدہ دیا اور بکرماجیت کا خطاب

عطا کیا۔ مرزا شاہ رخ نبیرہ مرزا سلیمان حاکم بدخشاں کو ہفت ہزاری کا منصب دیا۔ بچپن کے ساتھی غیور بیگ کابلی کو مہابت خاں کا خطاب ملا اور ہزار و پانصدی کا منصب عطا ہوا۔ راجہ سرنگھ بوبندیلہ جس نے کہ ابوالفضل کو قتل کیا تھا اس کو سہ ہزاری کے منصب پر سرفراز کیا گیا۔ غرض کہ جہانگیر نے تخت پر بیٹھنے کے بعد اپنے دوستوں اور دشمنوں کو بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ نوازا۔

رانا اودے پور کے خلاف لشکرکشی

اکبر نے اگرچہ رانا اودے پور کی ریاست کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا تھا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود رانا اودے سنگھ اور رانا پرتاب سنگھ کو مغلیہ فوج گرفتار کرنے میں ناکام رہی تھی۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھنے کے بعد 1014ھ (1605ء) میں سب سے پہلے رانا اودے پور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رانا پرتاب سنگھ مر چکا تھا اور اس کا بیٹا امر سنگھ باپ کا نشین بن چکا تھا۔ جہانگیر نے رانا کی سرکوبی کے لئے ایک بڑی فوج سلطان پرویز کی سرکردگی میں روانہ کی۔ آصف خاں، عبدالرزاق معموری، ممتاز بیگ عمومی، راجہ جگناتھ، رانا شنکر، مادھو سنگھ، شیخ عبدالرحمٰن، پسر ابوالفضل، مہا سنگھ نبیرہ راجہ مان سنگھ، راجہ منوہر دیگر امرائے سلطنت اور راجپوت سردار اس مہم کے لئے سلطان پرویز کے ہمراہ روانہ کیے گئے۔

جہانگیر نے سلطان پرویز کو اس مہم پر روانہ کرتے وقت یہ ہدایت کر دی تھی کہ اگر رانا امر سنگھ مع اپنے بڑے بیٹے رانا کرن کے اس کے پاس آئے اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے تو پھر اس کے خلاف کوئی فوجی کارروائی نہ کی جائے۔ جہانگیر نے یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کیونکہ وہ ماوراالنہر کی اس مہم پر جلد سے جلد جانا چاہتا تھا۔ جس کے فتح کرنے کی تمنا اکبر اپنے ساتھ قبر میں لے گیا تھا۔ جہانگیر کا خیال تھا کہ اگر رانا کے جھگڑے سے نجات مل جائے تو وہ دارالسلطنت میں پرویز کو اپنا جانشین بنا کر ماوراالنہر کی فتح کے لئے فوراً روانہ ہو جائے۔

پرویز نے اودے پور کی پہاڑیوں کو جاتے ہی گھیر لیا۔ تاکہ رانا کسی طرح سے بھی نکلنے نہ پائے۔ آخر رانا امر سنگھ نے عاجز ہو کر آصف خاں کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہلوا دیا کہ ''میں اپنے کیے پر نادم ہوں۔ مہربانی کر کے کسی طرح سلطان پرویز کو اس پر راضی کر لو کہ محاصرے کو اٹھا لے۔ میں اپنے بیٹے باگھ کو ملازمت کے لئے حاضر کرنے کے لئے تیار ہوں''۔ پرویز اس کے لئے راضی نہ ہوا اور اس نے کہلوا دیا کہ یا تو رانا خود حاضر ہو یا اپنے بڑے بیٹے رانا کرن کو بھیجے اس کے بغیر محاصرہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اسی زمانے میں جب شہزادہ خسرو کی بغاوت اور جہانگیر کے اس کے تعاقب میں جانے کی اطلاع موصول ہوئی تو امرائے سلطنت رانا امر سنگھ کی شرط ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ رانا نے اپنے بیٹے باگھ کو حسب وعدہ بھیج دیا۔ سلطان پرویز راجہ جگناتھ اور دیگر

امرائے سلطنت کو لشکر میں چھوڑ کر آصف خاں اور چند دوسرے امرا کے ساتھ فوراً آگرہ آیا اور باکھ کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ پرویز کے آگرہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ دارالسلطنت بادشاہ کے چلے جانے کی وجہ سے خالی پڑا تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ خسرو کی بغاوت کے بعد کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔

شہزادہ خسرو کی بغاوت

شہزادہ خسرو جس کی بغاوت کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ 8 ذی الحجہ 1014ھ (1605ء) کی شام کو دادا کے مزار پر فاتحہ کے بہانے سے نکلا اور ساڑھے تین سو سواروں کو ساتھ لے کر پنجاب کی طرف فرار ہو گیا۔ جہانگیر نے فوراً فوج کے افسر اعلیٰ فرید بخشی کو حکم دیا کہ "جتنے پہریدار اور منصب دار اس وقت حاضر ہیں اور جتنے احدی سپاہی محل کے دروازے پر موجود ہیں ان کو حکم دیا جائے کہ وہ میری ہمراہی کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ میں خود شہزادہ خسرو کا تعاقب کرنا چاہتا ہوں"۔ جہانگیر کے حکم کے مطابق سب انتظامات فوراً مکمل کر دیئے گئے۔ جہانگیر کو یہ خیال تھا کہ شہزادہ کی اس بغاوت میں اس کا خسر خان اعظم ضرور شریک ہوگا مگر یہ خیال غلط نکلا۔ جہانگیر نے احتیاط کے خیال سے خان اعظم کو بھی اس مہم میں شامل کر لیا اور دوسرے دن صبح ہی پنجاب کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہانگیر جب متھرا پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ حسین بیگ بخشی جو اکبر کے زمانے میں فوج کا سردار تھا بدخشاں سے آگرہ آرہا تھا۔ اسے راستے میں خسرو ملا تو یہ بھی اس بغاوت میں مع اپنے سپاہیوں کے اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ خسرو نے اسے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا لیا۔ حسین بیگ بخشی سپہ سالار بننے کے بعد جدھر بھی گیا اس نے رعایا کو خوب لوٹا۔ اس کے علاوہ یہ بھی پتہ چلا کہ عبدالرحیم بھی اس بغاوت میں شامل ہو گیا ہے اور اس کو خسرو نے وزیر اعظم کا عہدہ دے دیا ہے۔

خسرو نے لاہور پہنچتے پہنچتے تقریباً دس ہزار کا لشکر جمع کر لیا۔ اس نے لاہور پہنچتے ہی لاہور کے ایک دروازے کو آگ لگا دی۔ کوتوال اور حاکم لاہور نے ایسی ہوشیاری کے ساتھ شہر کا تحفظ کیا کہ خسرو لگاتار 9 دن کی کوشش کے باوجود لاہور کی فصیل کے اندر تک نہ گھس سکا۔ خسرو کو جب یہ معلوم ہوا کہ باپ پیچھے سے لشکر لئے چلا آرہا ہے تو وہ بہت گھبرایا اور محاصرہ چھوڑ کر بھاگا۔ جہانگیر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بنگال کی طرف فرار ہو کر اپنے ماموں مان سنگھ کے پاس پہنچ کر کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر دے۔ اس لئے اس نے خسرو کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ فوراً آجائے اسے معاف کر دیا جائے گا۔ خسرو باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ مگر حسین بیگ بخشی اور عبدالرحیم نے یہ کہہ کر اسے روک لیا کہ ہمارے پاس بادشاہ سے دوگنا لشکر ہے، ہم کو دبنے کی کیا ضرورت ہے۔

شہزادہ خسرو کی گرفتاری

جہانگیر کو جب اطلاع ملی کہ حسین بیگ بخشی اور عبدالرحیم جنگ کے لئے بالکل آمادہ ہیں تو اس نے شیخ فرید بخشی کو فوراً حملے کا حکم دے دیا۔ خسرو کے لشکر میں انتشار پیدا ہو چکا تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ مقابلہ کیا جائے۔ بعض کی رائے تھی کہ بنگال چلا جائے اور بعض کا خیال تھا کہ بدخشاں کی طرف چلنا چاہیے۔ چنانچہ رائے کے اس اختلاف کی بنا پر فوج کے ایک بڑے حصے نے خسرو کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن پھر بھی خسرو کی فوج کے ایک حصے نے شاہی لشکر پر حملہ کر ہی دیا۔ جہانگیر کو جب اس حملے کی اطلاع ملی تو وہ خود چند سواروں کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف دوڑا مگر راستے ہی میں اسے خوشخبری مل گئی کہ شاہی لشکر کو فتح ہوگئی۔

اس فتح کے بعد خسرو کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر جہانگیر کے سامنے لایا گیا۔ خسرو کے دو سب سے بڑے معاون عبدالرحیم اور حسین بیگ بخشی بھی اسی کے ساتھ گرفتار کر کے لائے گئے۔ خسرو خوف سے کانپ رہا تھا جہانگیر نے خسرو کو تو حوالات میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن عبدالرحیم اور حسین بیگ کو گدھے اور گائے کی کھال میں سلوا دیا اور یہ دونوں گھٹ گھٹ کر مر گئے۔

خسرو کے معاونوں میں مصرار جن نامی ایک گرو بھی تھے۔ یہ بیاس دریا کے کنارے کونڈوال میں رہتے تھے۔ اس علاقے کے ہندو اور سکھ انہیں گرو مانتے تھے۔ جب خسرو یہاں آیا تو گرو ارجن نے خسرو کو فتح کی دعا دی۔ خسرو کے ہاتھی کی پیشانی پر زعفران کا تلک لگایا اور کہا تو فتح پائے گا۔

دیوان چندو لال جو گرو ارجن کا پرانا مخالف تھا۔ اس نے جہانگیر سے گرو ارجن کی شکایت کر کے گرفتار کرا دیا۔ جہانگیر نے گورو کو حکم دیا کہ یا تو دو لاکھ روپیہ جرمانہ ادا کرو ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ گرو ارجن نے جرمانہ ادا کرنے سے انکار کیا تو بادشاہ نے انہیں لاہور کی کوتوالی میں بھجوا دیا۔ دیوان چندو لال جو گرو ارجن کا پرانا دشمن تھا۔ اس نے مغل کوتوال سے مل کر گرو کو کوتوالی سے نکال لیا اور اپنے گھر لے جا کر بڑی بے دردی کے ساتھ انہیں قتل کر دیا۔ یہ گرو ارجن سکھوں کے پانچویں گرو تھے۔

خسرو جب لاہور میں تھا تو لاہور کے علاقے میں راجو اور انبا نامی دو شخصوں نے بغاوت کے دوران خوب لوٹ مچائی تھی۔ جہانگیر نے راجو کو تو موت کا حکم دے دیا اور انبا پر ایک لاکھ پندرہ ہزار کا جرمانہ کر دیا اور ہدایت کی کہ یہ جرمانہ وصول کرنے کے بعد خیرات کر دیا جائے۔ غرض کہ خسرو کی بغاوت میں حصہ لینے والوں سے جہانگیر نے بڑا سخت انتقام لیا۔ اس بغاوت میں جو سرغنہ تھے ان میں سے سات سو کی تو زندہ کھال کھینچی گئی اور باقیوں کو عبرت انگیز سزائیں دی گئیں۔ جہانگیر اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد خسرو کو ساتھ لے کر آگرہ آیا اور اسے محل میں نظر بند کر دیا۔

راجہ مان سنگھ کے بیٹے کی بغاوت

جہانگیر نے راجہ مان سنگھ کے بیٹے بہار سنگھ کو الہ آباد کے صوبے کا حاکم بنا دیا تھا لیکن بہار سنگھ کے اشارے پر اس کے دو تین قرابت داروں نے جن کے نام رام جی، بجے رام اور سیام رام تھے۔ الہ آباد میں بغاوت برپا کر دی۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ اس بغاوت کو دبانے کے بعد ان کو گرفتار کر کے راجہ مان سنگھ کے پاس بنگال بھیج دیا جائے۔ چنانچہ بغاوت کو دبانے کے بعد ان کو گرفتار کر لیا گیا لیکن یہ راستے سے فرار ہو گئے۔ ان کو دوبارہ گرفتار کر کے آگرہ لایا گیا۔ جب یہ آگرہ پہنچے تو بیس ہزار راجپوت بندوقوں سے مسلح ہو کر ان کو چھڑانے کے لئے آ گئے اور فوجی افسروں پر حملہ کر دیا۔

فوجی افسروں پر حملہ ہونا تھا کہ شیخ فرید بخشی اور دوسرے مغل افسر راجپوتوں کے مقابلے پر آ گئے اور انہوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ راجپوتوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کچھ راجپوت بھاگ گئے، کچھ مارے گئے جو باقی بچے ان کو گرفتار کر کے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا گیا اور ان کے سردار کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ یہ فتنہ جہانگیر کی تخت نشینی کے دو مہینے بعد 1014ء میں برپا ہوا تھا۔

قندھار کی بغاوت اور جہانگیر کی کابل کو روانگی

جہانگیر کو اطلاع ملی کہ قزلباشوں نے قندھار کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی اس نے فوراً ایک لشکر قندھار کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ جہانگیر آگرہ میں جشن نوروز منا رہا تھا کہ اسے یہ خوشخبری ملی کہ 12 شوال 1015ھ (1606ء) کو یہ لشکر قندھار میں داخل ہو گیا اور قزلباش اس لشکر کے آنے کی خبر سنتے ہی فرار ہو گئے۔ اس خوشخبری کے بعد جہانگیر نے خود کابل جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں جا کر شکار کھیلے، اپنے آبائی وطن کی سیر کرے اور کابل و قندھار کے انتظامات کو بھی خود جا کر درست کرے۔ چنانچہ جہانگیر مع بیگمات اور شہزادوں کے کابل کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ راستے میں جا بجا قیام کرتا جاتا تھا اور ان قلعوں اور عمارتوں کو بڑے شوق سے دیکھتا تھا جو اس کے بزرگوں نے تعمیر کرائی تھیں یا جن کو اس کے باپ دادا سے کسی قسم کی بھی تاریخی نسبت تھی۔ غرض کہ جہانگیر سیر کرتا ہوا، شکار کھیلتا ہوا اور راستے کا لطف اٹھاتا ہوا کابل میں داخل ہو گیا۔ کابل میں اس کا پرجوش طریقہ پر خیر مقدم ہوا۔ کابل پہنچنے کے بعد اس نے کابل اور قندھار کے انتظامات کو اور زیادہ مستحکم بنایا اور وہاں جا کر بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔

جہانگیر شہزادہ خسرو کو بھی اپنے ساتھ کابل لے گیا تھا۔ کابل پہنچنے کے بعد اس نے خسرو کے

پاؤں سے بیڑیاں اتروا دیں اور اسے سیر کی اجازت دے دی۔ خسرو نے آزادی ملنے کے ساتھ ہی سازشیں شروع کر دیں اور اس کوشش میں مصروف ہو گیا کہ باپ کو قتل کرانے کے بعد کسی طرح حکومت پر قبضہ جما لے۔ اس سازش میں بہت سے فتنہ پرداز اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جہانگیر نے جب بیٹے کی یہ روش دیکھی تو اس نے دوبارہ بیٹے کو نظر بند کر دیا۔ کابل میں چند روز کے قیام کے بعد جہانگیر آگرہ واپس آ گیا۔

نور جہاں کے شوہر شیر افگن کا قتل

جہانگیر کابل ہی میں تھا کہ اسے آگرہ سے اطلاع ملی کہ مہر النساء کا شوہر علی قلی بیگ عرف شیر افگن بردوان میں قتل کر دیا گیا ہے۔ مہر النساء وہی تاریخی خاتون ہے جس سے کہ بعد میں جہانگیر نے نکاح کیا اور جو نور جہاں کے نام سے مشہور ہوئی۔ نور جہاں کا اصلی نام مہر النساء تھا۔ مہر النساء مرزا غیاث بیگ کی بیٹی اور خواجہ شریف وزیر خراسان کی پوتی تھی۔ خواجہ شریف وہی امیر ہے کہ جس نے ہمایوں کے ایران پہنچنے پر شاہ ایران کی جانب سے ہمایوں کی غیر معمولی خاطر و مدارات کی تھی۔ خواجہ شریف کا بیٹا مرزا غیاث مصائب میں مبتلا ہوا تو ایران سے ہندوستان بھاگا۔ راستے میں ایک ریگستان میں مہر النساء پیدا ہوئی۔ مرزا غیاث مصائب برداشت کرتا ہوا کسی نہ کسی طرح اکبر کے پاس پہنچ گیا۔ اکبر نے مرزا غیاث بیگ کے خاندان کی سابقہ خدمات کے پیش نظر اس کی بڑی دلداری کی اور اسے شاہی ملازمین کے زمرے میں شامل کر کے دیوان بیوتات کا عہدہ دے دیا۔ اس عہدے پر سرفراز ہونے کے بعد مرزا غیاث کی بیوی اور بیٹی مہر النساء کی شاہی محل میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اتفاق سے جہانگیر کی مہر النساء پر نظر پڑ گئی اور وہ اس لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ دونوں میں خوب عشق و محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں۔ مرزا غیاث کی بیوی نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے یہ سوچتے ہوئے کہ اس لڑکی کی وجہ سے کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو جائے مہر النساء کو محل میں لے جانا بند کر دیا۔ ادھر اکبر کو بھی اس عشق بازی کی اطلاع ہو گئی تھی۔ وہ اس بات کو کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کا ولی عہد سلطنت ایک معمولی سرکاری ملازم کی بیٹی سے شادی کرے۔ لہٰذا اکبر نے مہر النساء کی شادی علی قلی بیگ سے کر دی اور اسے بردوان میں جاگیر دے کر بردوان بھیج دیا۔ لیکن جہانگیر کے قلب پر مہر النساء کی محبت کا نقش کچھ اس طرح قائم ہوا تھا کہ وہ مہر النسا کو کبھی بھی نہ بھول سکا۔

علی قلی بیگ ایران میں شاہ ایران کے نعمت خانہ کا داروغہ تھا جب ایران میں سلطنت کا انقلاب ہوا تو وہ ملتان آنے کے بعد خان خاناں کے ذریعے فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اس نے خان خاناں کے ساتھ ٹھٹھہ کی لڑائی میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔ خان خاناں نے اس کی فوجی

خدمات کی بڑی تعریف کرتے ہوئے اسے اکبر کے سامنے پیش کیا تو اکبر نے اسے ایک مناسب عہدہ دے دیا۔ مہرالنساء کے ساتھ اس کی شادی کر دی اور بردوان کی جاگیر بھی اسے عطا کر دی۔ جس زمانے میں اکبر دکن کی مہم کے لئے گیا ہوا تھا اور جہانگیر کو رانا اودے پور کی سرکوبی کے لئے متعین کیا گیا تھا تو علی قلی بیگ بھی اس مہم میں جہانگیر کا معاون و مددگار تھا۔

جہانگیر کے بادشاہ ہونے کے بعد جب علی قلی بیگ آگرہ آیا تو جہانگیر کے حاشیہ نشینوں نے اس کی جان لینے کے لئے اسے ہاتھی سے لڑوا دیا جس کو علی قلی بیگ نے مار کر بھگا دیا۔ جب اس طرح بھی مقصد حاصل نہ ہوا تو ایک شیر سے علی قلی بیگ کو بھڑوا دیا۔ علی قلی بیگ نے شیر کا مقابلہ کرنے کے بعد اسے تلوار سے مار دیا۔ جس پر جہانگیر نے اس کو شیر افگن کا خطاب عطا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر کے بعض ندیموں نے شیر افگن سے مہرالنساء کو طلاق دینے کی خواہش کی تھی جس پر وہ بے حد برہم ہو گیا تھا اور اس نے فوراً شاہی ملازمت چھوڑ دی تھی اور اپنی بردوان کی جاگیر میں چلا گیا تھا۔

مشہور مورخ فانی خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ نے قطب الدین خاں کو جسے وہ بھائیوں سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا جب بنگال کا صوبیدار بنا کر روانہ کیا تو شیر افگن کے بارے میں بھی چند خاص ہدایتیں دی تھیں۔ چنانچہ جب قطب الدین بنگال پہنچا تو اس نے شیر افگن کو بار بار بلایا مگر وہ نہ آیا۔ آخر قطب الدین اس سے ملنے کے لئے خود بردوان گیا اور شیر افگن کو کوئی ایسا پیغام دیا جسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے فوراً جوش میں آ کر خنجر سے قطب الدین خاں کو بری طرح زخمی کر دیا۔ اس پر قطب الدین خاں کے سپاہیوں نے شیر افگن پر حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ قطب الدین خاں بھی اس ہنگامے میں مارا گیا۔

اس واقعے کے بعد شیر افگن کا گھر بار ضبط کر لیا گیا۔ مہرالنساء اور اس کی کمسن لڑکی کو گرفتار کر کے آگرہ کے قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ مہرالنساء کے آگرہ آنے کے بعد جب جہانگیر نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے اس پیغام کو مسترد کر دیا اور بادشاہ سے کہلوا دیا کہ ''مجھ بے کس بیوہ پر رحم کیجئے۔ مجھ پر جو پہلے ہی ظلم ہو چکا ہے وہ بہت کافی ہے''۔ جہانگیر خاموش ہو گیا اور مہرالنساء کو سلطانہ سلیمہ بیگم کے سپرد کر دیا گیا۔

رانا اودے پور کے خلاف پھر فوج کشی

شہزادہ خسرو کے فتنے کی وجہ سے رانا اودے پور کے خلاف جو مہم نامکمل رہ گئی تھی جہانگیر نے 1016ھ (1607ء) میں اسے پایہ تکمیل کو پہنچانے کا ارادہ کیا۔ مہابت خاں کی سرکردگی میں دو ہزار برقنداز، بارہ ہزار سوار، ساٹھ ہاتھی اور توپخانہ روانہ کیا گیا اور بیس لاکھ روپیہ نقد فوجی ضرورتوں

کے لئے دیا گیا۔

مہابت خاں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کسی طرح رانا امر سنگھ کو گرفتار کر لے مگر رانا کسی طرح بھی مہابت خاں کے قابو میں نہ آیا۔ جب مہابت خاں اس مہم میں ناکام ہو گیا تو جہانگیر نے 1017ھ (1608ء) میں اس کو واپس بلا لیا اور یہ مہم عبداللہ خاں کے سپرد کر دی۔ عبداللہ خاں نے رانا کی کمین گاہ پر حملہ کر کے رانا کے ہاتھی چھین لئے اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ جما لیا لیکن رانا امر سنگھ رات کی تاریکی میں جان بچا کر بھاگ گیا۔

دکن میں ملک عنبر کا نیا فتنہ

دکن میں اکبر کو اگرچہ فتح حاصل ہو گئی تھی لیکن پھر بھی یہ مہم پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ احمد نگر کے بعض علاقے فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ بیجاپور بدستور خود مختار تھا اور گولکنڈہ نے بھی مغلیہ حکومت کی سیادت کو قبول نہیں کیا تھا۔ جہانگیر نے اگرچہ 1016ھ (1605ء) میں اس مہم کے لئے پوری تیاری کر لی تھی لیکن یہ مہم 1017ھ (1606ء) تک جاری نہ ہو سکی۔ غرض کہ جہانگیر نے 8 ذی الحجہ 1017ھ ((1606ء) میں شہزادہ پرویز کو ایک بہت بڑا لشکر اور بیس لاکھ روپیہ دے کر دکن کی جانب روانہ کیا۔ جونہی یہ لشکر دکن کی حدود میں داخل ہوا، ملک عنبر نے پوری طاقت کے ساتھ شاہی لشکر پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے شاہی لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ملک عنبر ایک حبشی غلام تھا جس نے کہ دکن میں غیر معمولی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس نے احمد نگر کی مردہ حکومت میں نئے سرے سے جان ڈال دی تھی اور کرکی (اورنگ آباد) کو احمد نگر کا نیا دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ ملک عنبر نے دکن کی دوسری حکومتوں کو بھی مغلوں کے مقابلے کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

جہانگیر کو جب اطلاع ملی کہ دکن میں مغل فوج کی حالت نازک ہے تو اس نے خان خاناں خانجہاں، راجہ مان سنگھ، سیف خاں، حاجی بیگ اوزبک، اسلام اللہ عرب کو تازہ دم لشکر کے ساتھ شہزادے کی امداد کے لئے دکن روانہ کیا۔ لیکن خان خاناں کے عدم تدبر اور فوجی سرداروں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے یہ لشکر بھی دکن کی فتح کے لئے کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکا۔ غلہ کی کمی نے لشکر میں اور بھی زیادہ بد دلی پیدا کر دی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو دشمنوں سے صلح کرنی پڑی اور مغل لشکر ناکام و نامراد آدھے راستے سے لوٹ کر برہان پور آ گیا۔ یہ مہم کیونکہ بالکل بے نتیجہ ثابت ہوئی تھی۔ اس لئے ملک عنبر کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔

جہانگیر کا نور جہاں سے نکاح

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ شیر افگن کے قتل کے بعد جہانگیر نے مہر النساء کو نکاح کا پیغام دیا تھا تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ جہانگیر کو مہر النساء کا یہ انکار بہت ناگوار گزرا تھا اور اس نے فوراً مہر النساء کے بجائے راجہ مان سنگھ کے بیٹے جگت سنگھ کی لڑکی سے جو بے حد خوبصورت تھی شادی کر لی تھی تاکہ وہ اس شادی کے ذریعے مہر النساء کی محبت کو اپنے دل سے نکال سکے لیکن مہر النساء کی محبت جہانگیر کے دل و دماغ پر اس طرح چھا چکی تھی کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود مہر النساء کو نہ بھول سکا۔ تین چار سال بعد ضبط کرنے کے بعد اس کا پیمانہ صبر پھر چھلکا اور اس نے مختلف ذرائع سے مہر النساء کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ جہانگیر بادشاہ تھا۔ مہر النساء اس کے قبضے میں تھی۔ وہ اگر چاہتا تو بالجبر بھی اس کو اپنے نکاح میں لا سکتا تھا لیکن وہ تو بچپن کی اس پرانی محبت کی تجدید کرنا چاہتا تھا "جب دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی" لیکن وہ مہر النساء کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ مہر النساء کے دل میں بھی جہانگیر کی محبت تھی لیکن شیر افگن کے واقعے نے وقتی طور پر اس کی محبت کو نفرت سے بدل دیا تھا لیکن جہانگیر کے عمدہ رویئے نے اور مہر و محبت کے سلوک نے مہر النساء کے دل میں پھر جہانگیر کی محبت کو بیدار کر دیا اور وہ اس سے نکاح کے لئے آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ 1020ھ (1611ء) میں ان دونوں پرانے محبت کرنے والوں کا نکاح ہو گیا۔

نکاح کے بعد جہانگیر نے پہلے تو مہر النساء کو نور محل کا خطاب دیا۔ اس کے بعد نور جہاں کا خطاب عطا ہوا۔ جہانگیر کے حرم میں اگرچہ بڑے بڑے راجاؤں کی نہایت حسین و جمیل بیٹیاں تھیں لیکن نور جہاں کے مقابلے میں سب ہیچ تھیں۔

نور جہاں کا سلطنت کے کاموں میں حصہ

نور جہاں جہانگیر کے محل میں صرف چراغ خانہ بن کر نہیں رہی بلکہ اس نے رزم اور بزم دونوں میں حصہ لیا۔ وہ اپنے شوہر کی ایک محبوب بیوی بھی تھی اور سلطنت کے کاموں میں بادشاہ کی بہترین مشیر بھی تھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سلطنت کے کاموں میں جو اختیارات نور جہاں کو حاصل تھے وہ کسی شاہ بیگم کو اس سے قبل حاصل نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کے نام کا سکہ تک چلا اور شاہی کاغذات پر اس کے نام کی مہریں بھی لگنے لگیں۔

امور ملکی میں وہ بادشاہ کے دوش بدوش کارفرما رہی۔ ایک لمحے کے لئے بھی وہ بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی تھی۔ جہانگیر جس وقت دربار میں بیٹھتا تھا تو نور جہاں پردے کے پیچھے اس کی پیٹھ پر

ہاتھ رکھ کر بیٹھتی تھی اور امور ملکی میں قدم قدم پر بادشاہ کو صلاح دیتی تھی۔ اگر سچ پوچھا جائے تو حکومت ہی وہی کرتی تھی۔ جب بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا تھا تو پس پردہ وہ بھی بادشاہ کے پاس ہی بیٹھتی تھی۔ بادشاہ جنگ کے لئے جاتا تھا تو وہ بھی نبرد آزمائی کے لئے بادشاہ کے ہمراہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کے ساتھ شکار میں بھی وہ ساتھ رہتی تھی۔ بڑی بہادری کے ساتھ مردانہ وار شیر کا شکار کھیلتی تھی۔ گھوڑے کی سواری میں اسے کمال حاصل تھا۔ غرض کہ رزم میں بزم میں اور ہر موقع پر وہ بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی۔ سلطنت کے کاموں میں اس کی سوجھ بوجھ اور تدبر کے سب قائل تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک شیریں بیان شاعرہ تھی۔ حاضر جوابی میں بھی وہ بے مثال تھی اور لطیفہ گوئی میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔ جہانگیر سے نکاح کرنے کے بعد اس نے جہانگیر کی زندگی کو بالکل بدل ڈالا تھا۔ اس کی شراب نوشی کو بڑی حد تک کم کر دیا تھا۔ جہانگیر یہ کہا کرتا تھا کہ "میں نے اپنی ساری سلطنت نور جہاں کے ہاتھ دو شراب کے پیالوں اور ایک سیخ کباب کے عوض بیچ دی ہے۔"

بنگال میں عثمان افغان کی بغاوت

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد راجہ مان سنگھ کو بنگال کی حکومت سپرد کر دی تھی لیکن جب راجہ مان سنگھ کی آگرہ کی مرکزی حکومت میں ضرورت محسوس ہوئی تو جہانگیر نے جہانگیر قلی کو بنگال کا حاکم بنا دیا تھا۔ جب جہانگیر قلی مر گیا تو حاکم بہار اسلام خاں کو بنگال کا گورنر بنا دیا اور ہدایت بھیجی کہ سب سے پہلے وہ اس بغاوت کو فرو کرے جو بنگال میں برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

بنگال میں عثمان افغان نے زمانہ دراز سے ہنگامہ آرائی شروع کر رکھی تھی۔ یہ شخص شیر شاہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مغلیہ حکومت کو ختم کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا اور اس نے اپنے گرد شیر شاہ کی طرح افغانوں کی ایک بڑی جماعت فراہم کر لی تھی۔ یہ اس فکر میں تھا کہ اگر ملک میں بدامنی پھیلے تو سب سے پہلے بنگال پر قبضہ جمایا جائے اور اس کے بعد دوسرے صوبوں پر ہاتھ صاف کیا جائے۔

اسلام خاں اگرچہ نوعمر اور نوجوان تھا لیکن اس نے بڑی خوبی کے ساتھ عثمان افغان کے فتنے کو فرو کر دیا۔ 1021ھ (1612ء) میں اسلام خاں بنگال کی گورنری سنبھالنے کے بعد چند روز تو خاموش بیٹھا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ عثمان افغان اس کی جانب سے بے فکر ہو گیا ہے تو اسلام خاں نے اچانک حملہ کر کے اس سارے علاقے کو گھیر لیا جس میں کہ عثمان افغان اور اس کے ساتھی پناہ گزیں تھے۔ عثمان افغان اور اس کے ساتھیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن ان کو شکست ہوئی اور اس جنگ میں عثمان افغان مارا گیا جس کے بعد بنگال کا سب سے بڑا فتنہ ختم ہو گیا۔

رانا اودے پور کی اطاعت

اکبر نے قلعہ چتوڑ کے فتح کی مہم شروع کی تھی تو اس نے یہ منت مانی تھی کہ اگر یہ قلعہ فتح ہو گیا تو میں پاپیادہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ جہانگیر نے بھی اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے رانا اودے پور کے خلاف لشکر بھیجنے سے قبل حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر حاضری دی۔ پھر اس کے بعد رانا اودے پور امر سنگھ کے خلاف مہم کا انتظام کیا۔ جہانگیر چونکہ پہلی مرتبہ اس درگاہ پر حاضر ہوا تھا اس لئے اس نے انعام و اکرام اور خیرات پر اجمیر میں بے اندازہ روپیہ لٹایا۔

درگاہ کی حاضری کے بعد جہانگیر نے اپنے بیٹے (خرم) شاہجہاں کو اس مہم کے لئے 1023ھ (1614ء) میں روانہ کیا اور خان اعظم کو بھی اس کی معاونت اور امداد کے لئے ساتھ کر دیا۔ لیکن خان اعظم نے اس مہم میں ایسے طریقے اختیار کئے جن سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یا تو وہ امر سنگھ سے ملا ہوا ہے یا شہزادہ خرم کو ناکام بنانا چاہتا ہے۔ خان اعظم چونکہ خسرو کا خسر تھا اور خسرو راجپوتوں کی طرف زیادہ جھکا ہوا تھا۔ نیز شہزادہ خرم کا وہ مخالف بھی تھا۔ اس لئے خان اعظم پر اور بھی شبہ کیا گیا۔ شہزادہ خرم نے خان اعظم کے مشکوک طرز عمل کی اطلاع فوراً جہانگیر کو دی۔ جہانگیر نے خان اعظم اور اس کے ساتھیوں کو اودے پور کی مہم سے واپس بلا کر قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔

خرم نے اس معرکے میں سب سے پہلے رانا امر سنگھ کے دست راست قبل عالم کو مع سترہ ہاتھیوں کے گرفتار کر لیا اور اس کے بعد رانا کی پناہ گاہ کا بھی اس طرح محاصرہ کیا کہ رانا نکل کر نہ جا سکے اور حکم دے دیا کہ رانا کی حکومت میں جو بھی شہر، قصبہ، گاؤں یا مکان دکھائی دے اس کو مسمار کر ڈالا جائے۔ راجپوتوں نے جب دیکھا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں اور ان کے لئے راہ فرار باقی نہیں رہی تو وہ بھی مغلوں کے مقابلے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ مغلوں اور راجپوتوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو بھی کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا اور ہزاروں راجپوت بھی کام آ گئے۔ اسی دوران مغلوں کی فوج میں بیماری پھیل گئی۔ جس سے بہت سے مغل سپاہی مر گئے لیکن خرم بدستور مقابلے پر ڈٹا رہا۔ یہاں تک کہ رانا امر سنگھ اطاعت کے لئے مجبور ہو گیا۔

رانا نے پہلے تو اپنے خالو سوپ کرن کو بھیج کر معافی چاہی اور پھر خود شہزادہ خرم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور گزشتہ گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے اطاعت کا وعدہ کیا اور شہزادہ کی خدمت میں سات ہاتھی بطور نذر پیش کئے۔ شہزادہ خرم جو دادا کے طور طریقے دیکھے ہوئے تھا۔ اس نے رانا امر سنگھ کی بڑی عزت کی، رانا کو گلے سے لگایا، اپنے برابر بٹھایا، اسے خلعت اور شمشیر مرصع عطا

کی۔ دو ہاتھی اور پچاس گھوڑے دیئے اور ایک سو بیس خلعتیں رانا کے ہمراہیوں کو عطا کیں اور شہنشاہ اکبر کے عہد سے اس وقت تک جتنا بھی رانا کا ملک فتح ہوا تھا وہ سب واپس دے دیا پھر اسے بڑے احترام کے ساتھ رخصت کرتے ہوئے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ رانا امر سنگھ نے بطور اظہار اطاعت اپنے ولی عہد رانا کرن کو شہزادہ کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ولی عہد کرن جب شاہی دربار میں آیا تو اس کی طبیعت میں وحشی پن تھا کیونکہ اس نے ساری عمر جنگلوں میں زندگی بسر کی تھی۔ جہانگیر نے اس پر بڑی عنایت کی اور نور جہاں نے بھی راجکمار کو خلعت عطا کی۔

جہانگیر کو اس فتح سے بے اندازہ خوشی ہوئی کیونکہ مہارانا اودے پور کی اطاعت کے بعد وہ مہم سر ہو گئی تھی جس کی تمنا اکبر اپنے دل میں دنیا سے لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ جس معرکے میں حکومت مغلیہ کے بڑے بڑے کہنہ مشق سپہ سالار منہ کی کھا چکے تھے اس کو جہانگیر کے لاڈلے بیٹے خرم نے بڑی قابلیت کے ساتھ سر کر لیا۔ جہانگیر نے شہزادہ کے منصب میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ اس معرکے کے بعد شہزادہ خرم صف اول کے سپہ سالاروں میں شمار ہونے لگا۔

پرتگیزوں کا مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ

جس زمانے میں کہ شمالی ہند میں مغلوں اور رانا اودے پور میں جنگ ہو رہی تھی۔ اسی زمانے میں پرتگیزوں نے سورت کے قریب مسلمانوں کے چار تجارتی جہاز لوٹ لئے تھے اور بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا تھا۔ پرتگیزوں نے غیر آئینی طریقے پر اس علاقے میں اپنی طاقت بڑھا لی تھی اور ان کا وجود دن بدن خطرناک بنتا چلا جا رہا تھا۔ سورت کا حاکم مقرب خاں ابھی پرتگیزوں کی سرکوبی کے لئے پہنچا بھی نہ تھا کہ پرتگیزوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریز بھی سورت میں پناہ گزیں تھے۔ انگریزوں نے آتش بازی سے پرتگیزوں کے کئی جہاز پھونک ڈالے۔ پرتگیز انگریزوں کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے اور وہ بھاگ گئے۔ یہ واقعہ 1023ھ (1614ء) میں پیش آیا۔

مقرب خاں نے سورت پہنچ کر لوٹے ہوئے جہازوں اور ان کے مال پر قبضہ جمایا اور ان مسلمانوں کو رہا کیا جن کو کہ پرتگیزوں نے قیدی بنا لیا تھا۔ لیکن ان انگریزوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جو پرتگیزوں کی طرح بظاہر سیاح یا پناہ گزیں بن کر سورت میں ٹھہرے ہوئے تھے مگر جن کے پاس سامان جنگ بھی موجود تھا۔ چنانچہ انگریزوں کی جانب سے مغل افسروں کی اس لاپرواہی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک روز وہ آیا جب انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ اگر مغلوں نے

شروع ہی میں پرتگیزوں، انگریزوں اور دوسری یورپین قوموں کو ہندوستان سے نکال دیا ہوتا تو شاید ہندوستان غیروں کے ہاتھوں میں کبھی نہ جاتا۔

ہندوستان میں پہلی مرتبہ طاعون کی وبا

جہانگیر کے عہد حکومت کے گیارھویں سال تک ہندوستان طاعون کی وبا سے قطعی ناآشنا تھا۔ ہندوستان میں کوئی یہ جانتا بھی نہ تھا کہ طاعون بھی کوئی بیماری ہے۔ یہ وبا 1025ھ (1616ء) میں پہلی مرتبہ پنجاب کے دیہاتوں میں پھیلی وہاں سے لاہور پہنچی، اس وبا کے بارے میں جہانگیر اپنی تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ:۔

''اس سال ہندوستان کے بعض مقامات پر ایک وبائے عظیم پھیلی ہے۔ پنجاب کے دیہاتوں میں اس کا ظہور ہوا۔ رفتہ رفتہ شہر لاہور میں آئی۔ اس وبا سے بہت سے ہندو مسلمان تلف ہوئے۔ پھر یہ وبا سرہند میں آئی اور دوآبہ میں نیز دہلی کے اطراف تک جا پہنچی۔ بہت سے قصبوں اور شہروں کو اس نے ویران کر دیا۔ ابتدا میں گھر میں ایک چوہا نکلتا تھا۔ وہ بل سے مدہوش نکل کر درودیوار سے سرپٹک پٹک کر مر جاتا تھا۔ اگر اس چوہے کے مرتے ہی اہل خانہ اپنا گھربار چھوڑ کر صحرا و جنگل میں چلے جاتے تھے تو ان کی جان سلامت رہتی تھی ورنہ گھر کے سارے آدمی مر جاتے تھے۔ اگر کوئی میت یا اس کے کپڑوں کو ہاتھ لگا دیتا تھا تو زندہ نہ بچتا تھا۔ اس وبا کا اثر اہل ہنود پر زیادہ تھا۔ لاہور کے گھروں میں دس دس اور بیس بیس آدمی مر جاتے تھے۔ ان کی لاشوں کی بدبو سے اہل محلہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے تھے۔ گھر کے گھر لاشوں سے بھرے پڑے تھے۔ جان کے خوف سے کوئی ان کے قریب تک نہ جاتا تھا۔ کفن دفن کی کسی کو فرصت نہ تھی۔ مرگ انبوہ جشنے دارد پر سب کا عمل تھا۔ نوحہ اور ماتم کی رسم متروک ہو گئی تھی۔ کشمیر میں اس وبا کی بڑی شدت ہوئی۔ یہاں تک نوبت آئی کہ ایک شخص مر گیا۔ اس کو ایک فقیر نے گھاس پر غسل دیا۔ دوسرے روز فقیر بھی مر گیا جس گھاس پر غسل دیا تھا اس کو جس گائے نے کھایا وہ بھی مر گئی اور جن کتوں نے اس گائے کا گوشت کھایا وہ سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ہندوستان کا کوئی صوبہ اس وبا سے خالی نہیں رہا۔ بڑی بڑی عمر کے آدمیوں کی زبانی اور تواریخ سے معلوم ہوا کہ اس وبا نے کبھی اس ملک کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔''

جہانگیر کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ طاعون کی وبا پہلی مرتبہ جہانگیر کے عہد حکومت میں رونما ہوئی تھی۔ اس سے قبل ہندوستان اس وبائی مصیبت سے پاک تھا۔

احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کی اطاعت

جہانگیر نے دکن میں پہلی فوج شہزادہ پرویز کی سرکردگی میں 1017ھ (1608ء) میں بھیج تھی جو ناکام و نامراد واپس آ گئی تھی۔ اس کے بعد 1021ھ (1612ء) میں جب جہانگیر نے دوسری بار دکن کے فتح کرنے کا ارادہ کیا تو ملک عنبر نے سخت مقابلہ کیا۔ ملک عنبر کے پاس یورپین توپخانہ تھا جو شاہی توپخانے سے بہتر تھا لہٰذا اس مرتبہ بھی شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ جہانگیر نے 1024ھ (1615ء) میں تیسری مرتبہ بڑی تیاریوں کے بعد دکن پر لشکر کشی کی۔ شاہی لشکر کا احمد نگر کی نظام شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ نظام شاہی فوج کو شکست ہوئی لیکن دوسرے مورچے پر ملک عنبر نے مغل لشکر پر اس قدر سخت حملہ کیا کہ مغل لشکر میں زلزلہ پیدا ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود مغل لشکر بدستور ڈٹا رہا۔ آخر ملک عنبر کو شکست ہوئی۔ وہ شکست کھانے کے بعد دولت آباد کی طرف بھاگا۔ مغل لشکر کے ہاتھ گھوڑے، ہاتھی اور بہت سا قیمتی سامان لگا۔ مغل لشکر نے احمد نگر کے جدید دارالسلطنت کرکی تک ملک عنبر کا تعاقب کیا اور تین روز تک احمد نگر کے شہروں اور قصبوں کو خوب لوٹا۔

شہزادہ پرویز چونکہ دکن میں فوجوں کو قابو میں نہ رکھ سکا تھا اور وہ بڑی حد تک اس مہم میں ناکام ہو گیا تھا اس لئے جہانگیر نے اسے الہ آباد کا گورنر مقرر کر دیا اور شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو اس کے بجائے دکن روانہ کر دیا۔ شہزادہ خرم اودے پور کی فتح کے بعد کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے اس کے آنے سے دکنیوں میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ شہزادہ خرم نے لڑنے سے قبل عادل خاں والئی بیجاپور اور سپہ سالار احمد نگر ملک عنبر کو اطاعت کا پیغام بھیجا۔ والئی بیجاپور تو اطاعت کے لئے فوراً تیار ہو گیا مگر ملک عنبر معاملے کو ٹالتا رہا لیکن بعد میں وہ بھی اطاعت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ دکن کے دوسرے سرکش بھی مطیع ہو گئے۔

دکن کے حکمرانوں کے مطیع ہونے کے بعد شہزادہ خرم نے فوراً جہانگیر کو اطلاع دی کہ "عادل، عنبر اور دکن کے سرکشوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ اپنے کئے پر نادم ہیں۔ احمد نگر اور دوسرے قلعوں کی کنجیاں جن پر عنبر متصرف تھا، ملازمین شاہی کے حوالے کر دی گئی ہیں اور جو علاقے ہاتھ سے نکل گئے تھے ان پر دوبارہ قبضہ ہو گیا ہے"۔ جہانگیر اس خوشخبری کے ملنے کے بعد بے حد خوش ہوا۔ شادیانے بجوائے گئے اور عادل خاں کے نام بادشاہ کی جانب سے خوشنودی کا فرمان بھیجا گیا۔ اس فرمان کے ملنے کے بعد عادل خاں نے بادشاہ کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد، دو لاکھ روپے کے جواہرات، پچاس ہاتھی اور پچاس گھوڑے بطور نذر کے بھیجے اور سفیروں کو دو لاکھ روپے دیئے۔ قطب الملک والئی گولکنڈہ نے بھی تقریباً اتنی ہی نذر روانہ کی۔

اس کے بعد شہزادہ خرم نے دکن کے انتظامات کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ برار خاندیش اور احمد نگر کی صوبیداری سپہ سالار خان خاناں کے سپرد کی گئی۔ بالا گھاٹ اور نظام الملکی علاقے کا انتظام خان خاناں کے بیٹے شہنواز خاں کے حوالے کیا گیا اور ہر جگہ اور ہر مقام پر شاہی عمال مقرر کئے گئے اور ایک بہت بڑا لشکر ان تمام علاقوں کا امن بحال رکھنے کے لئے متعین کر دیا گیا۔

شہزادہ خرم کا شاہجہاں کا خطاب

شہزادہ خرم نے پہلے تو مہارانا اودے پور کو زیر کیا تھا۔ اس کے بعد دکن کے ان فرمانرواؤں کو مطیع کیا جو کسی طرح بھی قابو میں نہیں آتے تھے۔ جب وہ اس اہم کارنامے کو انجام دینے کے بعد 1026ھ (1617ء) میں جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے گلے سے لگایا۔ شہزادہ نے ہزار اشرفی اور ہزار روپیہ بطور نذرانہ اور ہزار روپیہ خیرات کے لئے پیش کیا۔ تمام پیشکش جو وہ دکن سے لے کر آیا تھا اس وقت حاضر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے صرف جواہرات کے ایک صندوقچے کو پیش کرنے پر اکتفا کیا۔ بادشاہ نے اس صندوقچے میں سے چند جواہرات لے لئے اور بقیہ جواہرات واپس کر دیئے۔ شہزادے کے بعد تمام فوجی افسروں نے بادشاہ کی خدمت میں لاکھوں روپیہ کی نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد دکنی امرا جو شہزادہ خرم کے ساتھ آئے تھے انہوں نے بادشاہ کو نذریں دیں۔

بادشاہ نے شہزادہ خرم کو منصب سی ہزاری عطا کیا اور ''شاہجہاں'' کا خطاب دیا اور حکم ہوا کہ تخت شاہی کے برابر ایک صندلی بچھائی جائے جس پر شہزادہ اجلاس کیا کرے۔ خاندان تیموریہ اور مسلمان بادشاہوں میں پہلی مثال تھی کہ بادشاہ نے اپنے تخت کے برابر ایک دوسرے تخت کی اجازت دی تھی۔ اس کے علاوہ شہزادے کو پچاس ہزار کا خلعت عطا ہوا۔ ملکہ نور جہاں نے بھی شاہجہاں کی فتح کا جشن منایا۔ جس پر تین لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ شاہجہاں نے دو لاکھ روپیہ بطور نذر نور جہاں کو دیا۔ ساٹھ ہزار روپیہ دوسری ماؤں کی خدمت میں پیش کیا۔

ہیروں کی کانوں پر قبضہ

صوبہ بہار و پٹنہ میں ایک مقام کھوکھرہ تھا۔ جہاں بہترین ہیرے نکلتے تھے۔ اس علاقے پر ''درجن سول'' نامی ایک شخص قابض تھا۔ جس نے مغل افسروں کو رشوتیں دے کر اس علاقے پر ناجائز طور پر قبضہ جما رکھا تھا۔ ''درجن سول'' کی مالی حیثیت کسی راجہ سے کم نہ تھی۔ اس نے باقاعدہ فوج رکھ چھوڑی تھی۔ جب جہانگیر کو ہیرے کی اس کان کا علم ہوا تو ابراہیم خاں نے اس کان پر 1024ھ (1615ء) میں حملہ کر کے فوراً قبضہ جما لیا۔ اس کان سے بڑے بڑے قیمتی ہیرے نکلتے تھے۔

ہیرے کی دوسری کان جو گونڈ وانہ میں تھی اس پر خاندیش کا بلوچی نامی زمیندار قابض تھا۔ خان خاناں نے لشکر کشی کر کے اس کان پر بھی شاہی تسلط قائم کر لیا۔ اس کان سے جو ہیرے نکلتے تھے وہ دنیا کے بہترین ہیرے شمار ہوتے تھے۔ ہیرے کی ان دو کانوں کے علاوہ کرناٹک میں بھی ہیرے کی چار کانیں تھیں جن پر زمینداروں کا قبضہ تھا۔ ان کانوں کا ہیرہ بھی نہایت عمدہ اور پختہ ہوتا تھا۔

جہانگیر کی سلطنت کے مختلف حصوں میں سیاحت

جہانگیر کو جب اودے پور اور دکن کی طرف سے بے فکری ہو گئی تو اس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں سیر و سیاحت شروع کی۔ 1026ھ (1617ء) میں جب وہ اجمیر شریف گیا تو وہاں جہانگیر کا ایسا دل لگا کہ تین سال تک بیشتر وقت اجمیر ہی میں گزارا۔ اجمیر سے بادشاہ مالوہ پہنچا اور مالوہ کے تقریباً ہر شہر میں گیا۔ اس سیاحت میں نور جہاں اس کے ساتھ تھی۔ بادشاہ جہاں جاتا تھا شکار کھیلتا تھا اور سیر و تفریح میں وقت گزارتا تھا۔ مالوہ کی سیر و سیاحت کے فارغ ہونے کے بعد جہانگیر گجرات گیا۔ کھمبات میں کئی روز قیام کیا، سمندر کی سیر کی۔ امرائے گجرات کو شرف باریابی بخشا۔

1028ھ (1619ء) میں جہانگیر کشمیر گیا۔ وہاں ایک ہندو جوگی گسائیں جدروپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ کشمیر سے دہلی واپس آ گیا۔ 1029ھ (1620ء) میں وہ دوبارہ کشمیر گیا اور وہاں پہنچنے کے بعد کشمیر کے متصل علاقے کشتوارا کی فتح کا اہتمام کیا۔ راجہ کشتوارا نے اطاعت قبول کر لی۔ کشمیر میں بہت سی نادر عمارتیں تعمیر کرائیں، باغ لگوائے۔ 1031ھ (1622ء) میں جہانگیر ہردوار گیا پھر کانگڑہ گیا۔ غرض کہ بادشاہ کا بیشتر سیاحت میں گزرنے لگا۔ کشمیر سے اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ احمد آباد بھی گیا تھا مگر احمد آباد کو اس نے پسند نہیں کیا۔ سب سے زیادہ اسے کشمیر کی سرزمین محبوب تھی جب بھی اسے موقع ملتا تھا وہ کشمیر پہنچ جاتا تھا۔

شہزادہ خسرو اور اعتماد الدولہ کی موت

1030ھ (1621ء) میں جہانگیر کو پے در پے کئی صدمے اٹھانے پڑے۔ سب سے پہلے وہ خود ایسا بیمار ہوا کہ جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی لیکن خدا نے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دی۔

اسی سال اس کی ساس یعنی نور جہاں کی ماں نے رحلت کی۔ بادشاہ اس کو اپنی حقیقی ماں کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی موت سے جانگیر اور نور جہاں کو بہت صدمہ ہوا۔

چند ہی روز کے بعد بادشاہ کا خسر اور نور جہاں کا باپ مرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ جو

وزیراعظم کے عہدے پر مامور تھا، چل بسا۔ جہانگیر نے اس کی موت کو بے حد محسوس کیا۔ پھر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ اس کا بڑا بیٹا خسرو جو دکن میں تھا درد قولنج میں مبتلا ہونے کے بعد دنیا سے رحلت کر گیا ہے۔ بعض مورخین کی یہ رائے ہے کہ شاہجہاں نے اسے ختم کرادیا تھا۔ غرض کہ ان پے در پے اموات اور صدموں کا جہانگیر کے دل و دماغ پر بہت برا اثر پڑا۔ اس کی صحت دن بدن گرنے لگی اور ہر وقت افسردہ اور رنجیدہ رہنے لگا۔

شاہجہاں اور ملکہ نور جہاں میں کشیدگی

نور جہاں بظاہر تو شاہجہاں کے ساتھ شفقت کا اظہار کرتی تھی لیکن حقیقت میں وہ شاہجہاں کے عروج سے جلتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نور جہاں یہ چاہتی تھی کہ جہانگیر کے بعد شاہجہاں کو تخت نہ ملے بلکہ جہانگیر کا چھوٹا لڑکا شہریار جو نور جہاں کا داماد بھی تھا، تخت پر بیٹھے۔ نور جہاں کے ایک لڑکی شیر افگن سے تھی۔ جس کی شادی اس نے جہانگیر کے بیٹے شہریار کے ساتھ کر دی تھی۔ لہٰذا اس کی فطری خواہش تھی کہ اس کے داماد شہریار کو زیادہ سے زیادہ عروج حاصل ہو۔

نور جہاں کا باپ مرزا غیاث جب تک زندہ رہا اس نے تدبر اور ہوشمندی کے ساتھ بیٹی کو ہمیشہ غلط راہ روی سے روکا اور اپنی زندگی میں شاہجہاں اور شہریار کے فتنے کو کبھی نہ ابھرنے دیا۔ لیکن اعتمادالدولہ مرزا غیاث کے مرنے کے بعد جب حکومت کے سارے اختیارات نور جہاں کے قبضے میں آگئے تو اس نے شاہجہاں کو گرانا شروع کیا اور شہریار کو ابھارنے اور بادشاہ کا منظور نظر بنانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔

نور جہاں اور شاہجہاں کے جھگڑے کی ابتدا اس طرح شروع ہوئی کہ شاہجہاں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ دھول پور کا پرگنہ اسے عنایت کر دیا جائے۔ یہ پرگنہ نور جہاں کے داماد شہریار کی جاگیر میں تھا۔ شاہجہاں چونکہ باپ کا منظور نظر تھا اور حسن خدمات کی وجہ سے اس پر بادشاہ بے حد مہربان بھی تھا۔ اس لئے اس کو یقین تھا کہ دھول پور اسے ضرور عنایت کر دیا جائے گا اور اسی یقین کی بنا پر قبل اس کے کہ بادشاہ کی منظوری آئے شاہجہاں نے دھول پور کے انتظام کے لئے دریا خاں کو روانہ کر دیا۔ دریا خاں نے جوں ہی اس پرگنہ میں قدم رکھا تو شریف الملک نے جو شہریار کی طرف سے منتظم تھا مزاحمت کی اور معاملہ اتنا بڑھا کہ قتل و خون کی نوبت آگئی۔ شریف الملک زخمی ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعے کی بنا پر نور جہاں اور شاہجہاں میں رنجش اور کشیدگی بہت زیادہ بڑھ گئی۔

شاہجہاں اس زمانے میں دکن کے فتنہ پردازوں کے کچلنے میں مصروف تھا۔ جہانگیر نے اسے کشمیر سے لکھا کہ "ایرانیوں نے قندھار پر یورش کر دی ہے۔ تم کو چاہیے کہ دکن کی مہم آزمودہ کار

افسروں کے سپرد کر کے قندھار کے لئے روانہ ہو جاؤ"۔لیکن نور جہاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ شاہجہاں کو قندھار بھیجا جا رہا ہے تو اس نے شدید مخالفت کی اور بادشاہ سے کہا کہ "یہ ضروری نہیں کہ ہر اہم مہم کے لئے شاہجہاں ہی کو بھیجا جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ قندھار کی مہم شہریار کی سرکردگی میں شروع کی جائے اور مرزا رستم صفوی کو جو مدتوں قندھار کا حاکم رہا ہے، شہزادہ شہریار کے ساتھ روانہ کیا جائے"۔اس کے علاوہ نور جہاں نے بادشاہ پر زور دے کر شاہجہاں کی پنجاب کی جاگیر بھی شہریار کی جانب منتقل کرا دی۔غرض کہ نور جہاں نے کھلم کھلا شاہجہاں کی مخالفت شروع کر دی۔

نور جہاں کے کہنے کے مطابق جہانگیر نے شاہجہاں کو حکم بھیج دیا کہ "اب تم کو قندھار کی مہم کے لئے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ مہم شہریار کے سپرد کر دی گئی تم فوراً دکن واپس چلے جاؤ اور میرے مزید احکامات کا انتظار کرو"۔شاہجہاں نے سمجھ لیا کہ بادشاہ پر نور جہاں کا جادو چل گیا۔ لیکن پھر بھی اس نے بادشاہ کی خدمت میں کئی عرضداشتیں بھیجیں اور اس بات کی خواہش بار بار کی کہ اسے بادشاہ اپنی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت دے دے لیکن نور جہاں کی مخالفت کی وجہ سے اسے باریابی کی اجازت نہ مل سکی۔

شاہجہاں سے مقابلے کی تیاریاں

نور جہاں نے بادشاہ کو صرف شاہجہاں سے متنفر کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بادشاہ کو یہ بھی یقین دلا دیا کہ شاہجہاں بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔شاہجہاں نے اپنی آخری عرضداشت میں بادشاہ کو لکھا کہ "جب تک حضور مجھ کو حاضری کی اجازت نہیں دیں گے میں ہرگز دکن واپس نہیں جاؤں گا"۔نور جہاں نے بادشاہ کو شاہجہاں کی اس تحریر کے خلاف بھڑکاتے ہوئے بتایا کہ "یہ کھلا ہوا اعلان جنگ ہے کہ شہزادہ دھمکی دے رہا ہے کہ یا تو حاضری کی اجازت دو، ورنہ میں مع لشکر کے مقابلے پر ڈٹا رہوں گا"۔غرض کہ نور جہاں کے ورغلانے سے جہانگیر کو بھی شاہجہاں کی بغاوت کا پورا یقین ہو گیا۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شاہجہاں نہ بغاوت کرنا چاہتا تھا اور نہ کسی قسم کے فتنہ وفساد کے درپے تھا بس وہ اتنا چاہتا تھا کہ باپ کا دل اس کی طرف سے صاف ہو جائے۔لیکن نور جہاں جس کا فائدہ ہی باپ بیٹے کو آپس میں لڑانے میں تھا۔اس نے جہانگیر کو شاہجہاں کے خلاف فوج کشی کے لئے آمادہ اور تیار کر لیا۔

داماد کو تخت دلانے کی کوشش میں نور جہاں اپنے حقیقی بھائی آصف خاں کی بھی دشمن بن گئی۔ وہ آصف خاں کو اپنی راہ میں اس لئے خطرہ خیال کرتی تھی کیونکہ آصف خاں شاہجہاں کا خسر تھا۔ چنانچہ اس نے آصف خاں کو بھی ملازمت شاہی سے علیحدہ کرانے کے بعد آگرہ بھجوا دیا تھا اور

مہابت خاں کو شاہجہاں کے مقابلے کے لئے کابل سے بلوا کر سپہ سالاری کا عہدہ دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان پرویز کو بھی شاہجہاں کے مقابلے کے لئے طلب کرلیا گیا تھا۔غرض کہ شاہجہاں کے مقابلے کے لئے نور جہاں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں۔

شاہجہاں کی عالم مجبوری میں بغاوت

شاہجہاں نے جب دیکھا کہ نہ تو اس کو باریابی کی اجازت دی جاتی ہے اور نہ اس کی معروضات سنی جاتی ہیں بلکہ اس کے برخلاف اس کے مقابلے کے لئے ایک بڑا لشکر روانہ ہو چکا ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنی مدافعت کرتا۔ چنانچہ ابتدائی کئی معرکوں میں یا تو شاہی لشکر کے سامنے سے وہ اپنی فوج کو ہٹا کر لے گیا یا معمولی مداخلت کے بعد کسی دوسری طرف نکل گیا لیکن وہ جہاں بھی گیا مہابت خاں اور شہزادہ پرویز نے اس کا تعاقب کیا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہجہاں بھی کھلم کھلا 1032ھ (1633ء) میں جنگ کے لئے میدان میں آ گیا۔ سب سے پہلے اس نے آگرہ کی طرف رخ کیا۔ آگرہ سے فتح پور گیا اس کے بعد مانڈو پہنچا وہاں سے برہان پور گیا اور قلعہ آسیر کو فتح کر لیا۔ اس نے خان خاناں اور اس کے لڑکوں کو اس لئے قید کر دیا کیونکہ ان کی مہابت خاں سے خط و کتابت تھی۔ لیکن خان خاناں بڑی عیاری کے ساتھ نکل کر مہابت خاں سے مع اپنے لڑکوں کے جا ملا۔ مہابت خاں اور شاہجہاں کی برہان پور کے قریب جنگ ہوئی جس میں شاہجہاں کو شکست ہوئی۔ شاہجہاں گولکنڈہ اور اڑیسہ کے راستے سے ہوتا ہوا بنگال میں داخل ہو گیا۔ بنگال میں پہنچنے کے بعد شاہجہاں نے بنگال و بہار کے اکثر علاقوں پر قبضہ جما لیا لیکن مہابت خاں نے بنگال اور بہار سے بھی شاہجہاں کو نکال دیا۔ اب شاہجہاں پریشان ہو کر پھر دکن کی طرف گیا اور اس نے بالا گھاٹ سے ایک بار پھر باپ کی خدمت میں معافی کی عرضداشت روانہ کی۔

جہانگیر نے اس عرضداشت کے جواب میں بیٹے کو لکھا کہ "اگر داراشکوہ اور اورنگزیب کو ہماری ملازمت میں بھیج دو گے اور رہتاس و آسیر کے قلعوں کو ہمارے تصرف میں دے دو گے تو تمہاری تقصیرات معاف کر دی جائیں گی اور بالا گھاٹ تم کو عنایت کر دیا جائے گا"۔ اس فرمان کے ملتے ہی شاہجہاں نے اپنے دونوں بیٹوں کو دس لاکھ روپیہ کی نذر کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی قلعہ رہتاس اور آسیر کے منتظموں کو حکم دے دیا کہ یہ دونوں قلعے ملازمین شاہی کے حوالے کر کے میرے پاس چلے آؤ۔ غرض کہ شاہجہاں کی بغاوت کا یہ قضیہ 1035ھ (1625ء) میں ختم ہو گیا۔

مہابت خاں کی بغاوت

شاہجہاں کا فتنہ فرو ہونے کے بعد 1035ھ (1625ء) میں جہانگیر کو اطلاع دی گئی کہ مہابت خاں جس کے سپرد بنگال کا انتظام کیا گیا تھا وہ شہزادہ پرویز سے علیحدہ ہونے کے بعد بنگال پر قابض ہو گیا ہے۔ اس نے امرائے بنگال کو بری طرح لوٹا ہے۔ باشندوں پر انتہائی مظالم کئے ہیں۔ شاہی محصولات وصول کر لئے ہیں اور شاہی ملازمین کو نکال باہر کیا ہے اور معاملات یہاں تک بگڑ چکے ہیں کہ جاگیردار اور امرا بادشاہ سے فریاد کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

آصف خان مہابت خاں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے اس واقعے کو غنیمت سمجھتے ہوئے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ مہابت خاں کو فوراً طلب کرنے کے بعد اس کے معاملات کی پوری طرح چھان بین کی جائے۔ چنانچہ مہابت خاں کی طلبی ہوئی۔ مہابت خاں نے شاہی ہاتھی جو اس کے قبضے میں تھے وہ تو قاصد کے ساتھ روانہ کر دیئے اور خود حاضری کے لئے چند روز کی مہلت مانگ لی۔

مہابت خاں نے قاصد کے جاتے ہی مقررہ لشکر کے علاوہ پانچ ہزار راجپوتوں کی ایک مزید فوج تیار کر لی تا کہ اگر وقت پڑے تو ان کو بادشاہ کے مقابلے پر کام میں لایا جا سکے۔ اس انتظام کے بعد مہابت خاں ایک بڑے لشکر کے ہمراہ پنجاب پہنچا جہاں بادشاہ کابل جاتے ہوئے دریائے بہت کے کنارے خیمہ زن تھا۔

مہابت خاں کے آنے سے قبل ہی آصف خاں نے بے شمار ان مصیبت کے ماروں کو جمع کر لیا تھا جنہوں نے مہابت خاں کے ہاتھوں تکالیف برداشت کی تھیں۔ یہ مصیبت کے مارے برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر کئے جا رہے تھے اور بادشاہ ان کی مصائب کی داستان سن سن کر مہابت خاں سے برہم ہوتا چلا جا رہا تھا۔

جب مہابت خاں آیا تو بادشاہ نے اس سے کہلوا دیا کہ جب تک تمہارے جرائم کی تفتیش مکمل نہ ہو جائے تم کو حاضری کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ نور جہاں نے مہابت خاں کو کابل سے بلایا تھا اور اسی کے اشارے پر مہابت خاں نے شاہجہاں کے خلاف نمایاں خدمات انجام دی تھیں اس لئے اس نے بے حد کوشش کی کہ مہابت خاں کا معاملہ رفع دفع ہو جائے مگر جہانگیر کو ایسی ضد ہوئی کہ وہ کسی طرح بھی نہ مانا۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے مہابت خاں کے داماد کو بھی بڑی ذلت کے ساتھ قید کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مہابت خاں نے شاہی اجازت حاصل کئے بغیر اپنی لڑکی کی شادی شاہی ضابطے کے خلاف کی تھی۔ غرض کہ بادشاہ مہابت خاں سے بے حد ناراض تھا۔

جہانگیر مہابت خاں کی قید میں

بادشاہ چونکہ کابل کی سیاحت کے لئے جا رہا تھا اور اس سفر کے درمیان میں دریائے بہت کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس لئے اگلی منزل کے لئے کوچ کا سامان کیا گیا۔ شاہی لشکر کے لئے دریائے بہت پر پل بنایا گیا۔ بادشاہ کے کوچ سے ایک دن پہلے حسب دستور امرا اور لشکر نے پل کو عبور کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کل ارکان دولت امرائے سلطنت یہاں تک کہ آصف خاں بھی دریا سے پار چلے گئے۔ بادشاہ کے پاس نور جہاں، پہرے دار اور چند ملازمین رہ گئے۔ غرض کہ ان سب کی عقلوں پر پردے پڑ گئے اور یہ سب کے سب مہابت خاں جیسے خطرناک دشمن کے قبضے میں بادشاہ کو چھوڑ کر آگے چل دیئے۔

مہابت خاں جس کے پاس پورا لشکر تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چاروں طرف سے بادشاہ کی ناکہ بندی کر دی اور حکم دے دیا کہ کسی کو شاہی خیموں کی طرف نہ آنے دیا جائے البتہ اگر کوئی شاہی خیمے سے جانا چاہے تو اسے نہ روکا جائے۔ اس انتظام کے بعد وہ اپنے سواروں کو لئے ہوئے شاہی خیمے کی جانب بڑھا۔ جب پہرے داروں نے مزاحمت کی تو ان کو قتل کر دیا۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے تلوار سنبھالی۔ اتنی دیر میں مہابت خاں بادشاہ کے سامنے موجود تھا۔ بادشاہ نے چلا کر کہا ''اے مہابت نمک حرام یہ آنا کس طرح کا ہے۔''

مہابت خاں پہلے آداب شاہی بجا لایا۔ اس کے بعد کہا کہ ''میں سمجھتا تھا کہ آصف خاں کی دشمنی کے سبب سے نہ مجھ کو باریابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ میری جان ہی بچ سکتی ہے۔ اس لئے جرأت کر کے میں حاضر خدمت ہو گیا ہوں۔ چاہے مجھ کو قتل کر دیجئے چاہے معافی عنایت فرما دیجئے مہابت خاں برابر اسی طرح کی خوشامدانہ باتیں کرتا رہا اور بادشاہ بھی اسے تسلی دیتا رہا۔ اسی دوران میں ہزاروں راجپوت شاہی خیمے کے اندر باہر جمع ہو گئے۔

بادشاہ نے لباس بدلنے کے لئے نور جہاں کے خیمے میں اندر جانا چاہا تو مہابت خاں نے کہا ''حضور اندر نہیں جا سکتے۔ آپ کو اسی جگہ لباس تبدیل کرنا ہوگا'' بادشاہ نے مجبوراً باہر کے خیمے میں لباس منگا کر تبدیل کیا۔ نور جہاں پریشان تھی کہ کیا کرے۔ آخر وہ خیمے کی پشت پر پہنچی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی لشکر کی جانب دوڑی اور شاہی لشکر میں پہنچنے کے بعد اپنے بھائی آصف خاں اور امرائے سلطنت پر لعنت ملامت کرتے ہوئے بتایا کہ تمہاری بے عقلی سے بادشاہ کی جان خطرے میں پڑ گئی ہے۔ ادھر مہابت خاں بادشاہ کو سوار کرا کے اپنے خیمے میں لے گیا۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ نور جہاں فرار ہو گئی ہے تو بے حد افسوس ہوا۔

جہانگیر کی رہائی کے لئے کوشش

مہابت خاں نے جہانگیر کو نظر بند کرنے کے بعد امرائے سلطنت کو بری طرح چکر میں ڈال دیا۔ امرائے سلطنت اگر مہابت خاں پر حملہ کرتے تھے تو بادشاہ کی جان خطرے میں تھی اور اگر حملہ نہیں کرتے تھے تو نمک حرامی کا الزام عائد ہوتا تھا۔ غرض کہ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ نور جہاں بضد تھی کہ فوراً حملہ کر کے بادشاہ کو رہائی دلائی جائے۔ لیکن امرائے سلطنت کو بادشاہ کی جان کے خوف سے تامل تھا۔ آخر یہ طے ہوا کہ خواہ کچھ بھی ہو مہابت خاں پر حملہ کر دیا جائے اور بادشاہ کو مہابت خاں کی قید سے رہائی دلائی جائے۔

کسی نہ کسی طرح جہانگیر کو بھی اس بات کا علم ہو گیا کہ شاہی لشکر بادشاہ کی رہائی کے لئے مہابت خاں پر حملہ کرنے والا ہے۔ بادشاہ نے فوراً شاہی لشکر کو پیغام بھجوایا کہ میں مہابت خاں کے پاس ہر طرح آرام سے ہوں۔ اس لئے حملہ کر کے خواہ مخواہ خون خرابہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بادشاہ نے اس پیغام کے ساتھ اپنی مہر بھی بھیج دی تھی تا کہ لشکر والوں کو اس پیغام کا یقین آ جائے۔ لیکن نور جہاں اور امرائے سلطنت کو اس پیغام پر طرح طرح کے شبہات تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ بادشاہ کو مجبور کر کے اس قسم کا پیغام بھجوایا گیا ہے۔

امرائے سلطنت اور نور جہاں کو چونکہ بادشاہ کے پیغام کا یقین نہیں آیا تھا اس لئے دوسرے دن آصف خاں نے سب امیروں کو ساتھ لیا۔ نور جہاں کو ہاتھی پر سوار کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ ایک پایاب مقام سے لشکر شاہی دریا کو پار کر کے بادشاہ کے پاس پہنچ جائے اور بادشاہ کو چھڑا لائے۔ چنانچہ دریا کو پار کرنے اور بادشاہ تک پہنچنے کی کوشش میں بے اندازہ آدمی مارے گئے۔ لیکن نور جہاں سخت ترین خطرات کا مقابلہ کر کے کسی نہ کسی طرح بادشاہ تک جا پہنچی۔ آصف خاں کو مہابت خاں نے گرفتار کر لیا۔ دوسرے امرائے سلطنت منتشر ہو گئے اور جہانگیر بدستور مہابت خاں کی قید میں رہا۔

مہابت خاں کوچ پر کوچ کرتا ہوا اپنی نگرانی میں جہانگیر کو کابل لے گیا۔ ہر وقت سائے کی طرح بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا لیکن احترام شاہی میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیتا تھا۔ مہابت خاں جو احکامات چاہتا تھا، بادشاہ سے جاری کراتا رہتا تھا۔ گویا جہانگیر کے بجائے مہابت خاں ہی حکومت کر رہا تھا۔ بادشاہ اور نور جہاں دونوں کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیتے تھے جو مہابت خاں کی مرضی کے خلاف ہوتی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مہابت خاں کی ناراضگی سے کیسے خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

نور جہاں کی دانشمندی سے بادشاہ کی رہائی

جب جہانگیر کابل پہنچ گیا تو نور جہاں نے اپنے خاص آدمیوں کو بھیج کر سادہ کپڑوں والی فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ یہ سادہ کپڑوں کی فوج کابل کے چاروں طرف تاجروں، فقیروں اور شہریوں کا بھیس بدل کر پھیل جائے۔ چنانچہ اس طرح اس نے اپنے چاروں طرف سادہ کپڑوں کی ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی۔

اس کے علاوہ نور جہاں نے کابل میں احدیوں کا ایک رسالہ شکار گاہ کی حفاظت کے لئے بھرتی کیا۔ اس رسالہ میں منتخب نوجوان رکھے گئے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ چند روز کے اندر اندر احدیوں اور راجپوتوں میں شدید جنگ چھڑ گئی۔ جس میں کہ راجپوتوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور اس طرح مہابت خاں کی طاقت کمزور پڑ گئی۔

امرائے کابل کے متعلق یہ شہرت دی گئی کہ وہ جاگیروں کے مطابق فوج نہیں رکھتے۔ مہابت خاں سے کہا گیا کہ وہ امرا کی فوج کا جائزہ لے جن امرا نے سپاہ میں کمی کر دی ہے ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ مہابت خاں اس کے لئے تیار ہو گیا لیکن نور جہاں نے در پردہ امرائے کابل سے یہ ساز باز کر لی تھی کہ جب یہ فوجیں بادشاہ کے سامنے سے گزاری جائیں تو وہ بادشاہ کو محاصرے میں کر لیں اور راجپوتوں کے پہرے سے بادشاہ کو نجات دلا دیں۔

نور جہاں کی مندرجہ بالا تجویز کے مطابق جب امرائے کابل کی فوجیں بادشاہ کے سامنے سے گزریں تو انہوں نے بادشاہ کو بڑی چابکدستی کے ساتھ محاصرے میں لے لیا اور دوسری فوجیں راجپوتوں کے لشکر کے درمیان میں حائل ہو گئیں۔ اسی دوران میں وہ احدی رسالہ بھی آ گیا جو شکار گاہ کی حفاظت کے نام سے رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سادہ کپڑوں والی فوج نے بھی سارے کابل کو گھیر لیا۔ مہابت خاں نے یہ رنگ دیکھا تو جان بچا کر کابل سے بھاگا، راجپوت بھی فرار ہو گئے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کا تعاقب کرنا چاہا لیکن نور جہاں نے روک دیا اور اس طرح بادشاہ کو نور جہاں کی عقلمندی سے تقریباً ایک سال کے بعد 1036ھ (1626ء) میں مہابت خاں کی قید سے نجات ملی۔

رہائی کے بعد بادشاہ نے مہابت خاں کو ایک پیغام بھجوایا کہ ''آصف خاں اور اس کے بیٹوں کو نیز ابو طالب اور دانیال کے بیٹوں کو جو تمہاری قید میں ہیں فوراً رہا کر دو۔ ہم تمہارا قصور معاف کر دیں گے۔'' اس کے ساتھ ہی مہابت خاں کو یہ بھی یقین دلا دیا کہ جہاں تک بادشاہ کا تعلق ہے وہ مہابت خاں سے خوش ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا، نور جہاں کی شرارت سے ہوا۔ مہابت خاں کو اس بات کا یقین آ گیا اور اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نہ صرف ان سب لوگوں کو رہا

کر دیا جو اس کی قید میں تھے بلکہ آصف خاں کو اسپ، خلعت اور ہاتھی عطا کئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

دکن اور شاہجہاں سے متعلق اہم واقعات

شاہجہاں کی بغاوت اور جہانگیر کی گرفتاری یہ دونوں واقعات عہد جہانگیری میں ایسے پیش آئے کہ ان کی وجہ سے مغلیہ حکومت کی وہ ساری سرگرمیاں ختم ہو گئیں جو شورشوں کو دبانے اور نظام حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے جاری تھیں۔

شاہجہاں جسے 1029ھ (1620ء) میں دکن کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ اپنی مہم کو پایہ تکمیل کو پہنچانے بھی نہ پایا تھا کہ نور جہاں کے اشارے پر اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور اسے بغاوت اور نافرمانی کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ ملک عنبر جیسے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ خود مغلوں کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے تو اس نے جری ہو کر دکن میں اور بھی دست درازیاں شروع کر دیں۔

احمد نگر کا سپہ سالار ملک عنبر اور عادل خاں والئی بیجاپور دونوں اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مہابت خاں کو ہموار کرنے کے بعد کسی طرح دکن میں ان کا اقتدار قائم ہو جائے۔ ملک عنبر کو تو کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن عادل خاں کامیاب ہو گیا اور اسے دکن کے لئے کامل اختیارات مل گئے۔ جس سے ملک عنبر کو سخت ناگواری ہوئی اور اس نے عادل خاں کے خلاف شورش برپا کر دی۔ 1033ھ (1624ء) میں قطب الملک سے اس نے دو سال کی وہ رقم وصول کی جو وہ فوج کے لئے دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد بیدر میں آیا۔ عادل خاں کے عمال کو قتل کیا اور بیدر کو لوٹا۔ پھر عادل خاں پر چڑھائی کر دی۔ عادل خاں مقابلے کی تاب نہ لا کر بیجاپور کے قلعے میں محصور ہو گیا۔

عادل خاں نے مہابت خاں کو امداد کے لئے پیغام بھیجا۔ مہابت خاں نے برہان پور کا لشکر عادل خاں کی امداد کے لئے بھیج دیا۔ ملک عنبر نے مہابت خاں کو لکھا کہ جس طرح عادل خاں آپ کا نیاز مند ہے اسی طرح میں بھی نیاز مند ہوں۔ یہ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے اس میں حکومت مغلیہ کو مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن مہابت خاں نے اس کی گزارشات پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ آخر عنبر کو بیجاپور کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ملک عنبر جدھر بھی جاتا مغلیہ فوج اور عادل خاں کا لشکر اس کا تعاقب کرتا تھا۔ آخر مجبوراً ملک عنبر کو احمد نگر میں مغل اور عادل شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مغلوں اور عادل شاہیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ان کے تمام بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے۔ ملک عنبر نے بیجاپور کے بیشتر علاقے کو تاراج کر ڈالا۔ اس کے بعد شاہی علاقوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ملکہ پور اور برہان پور تک سارا علاقہ لوٹ مار کرنے کے بعد برباد کر دیا۔ یہ خبر جہانگیر کو پہنچی تو اسے بڑی

تشویش ہوئی۔

1034ھ(1625ء) میں جبکہ شاہجہاں نے بغاوت برپا کر رکھی تھی اور وہ برار کی سرحد پر آیا تو ملک عنبر نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا چنانچہ یاقوت غلام کی سرکردگی میں برہان پور کے فتح کرنے کے لئے جب اس نے ایک فوج بھیجی تو برہان پور کی اس مہم میں شاہجہاں بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس نے ملک عنبر کے ساتھ مل کر دکن میں اکثر مقامات فتح کر لئے۔ لیکن ان ہی دنوں میں جب شاہجہاں کی معافی کی عرضداشت منظور ہو گئی تو اس کی مخالفانہ سرگرمیاں موقوف ہو گئیں۔ مگر ملک عنبر اور ملک یاقوت مغلیہ حکومت کے خلاف بدستور دکن میں ہنگامے برپا کرتے رہے۔

دکن میں حکومت مغلیہ کے لئے تازہ مصیبت یہ پیدا ہوگئی کہ نظام الملک کے حبشی غلام حمید کی ایک خوبصورت محبوبہ نے خان جہاں لودھی پر کچھ ایسا جادو کیا کہ اس نے مغلوں کا مفتوحہ علاقہ بالا گھاٹ پانچ لاکھ روپیہ نقد اور دو تین لاکھ روپیہ کے جواہرات لے کر نظام الملک کے سپرد کر دیا۔ گویا جو علاقہ کہ مغلوں نے کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اور ہزاروں انسانوں کا خون بہا کر حاصل کیا تھا وہ نظام الملک کو کوڑیوں میں مل گیا۔ اس علاقے کے لینے کے بعد حمید خاں کی محبوبہ اتنی جری ہوگئی کہ جب عادل خاں نے حملہ کیا تو اس نے سپہ سالاری کے فرائض خود انجام دیئے اور عادل خاں کو اس عورت کے مقابلے میں شکست ہوگئی۔

شہزادہ پرویز کی موت اور مہابت خاں کی سرگردانی

جس زمانے میں کہ جہانگیر مہابت خاں کی قید میں تھا۔ شہزادہ پرویز کی بیماری کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شہزادہ پرویز بے حد شراب پیتا تھا۔ کثرت شراب نوشی نے اس کی صحت کو برباد کر دیا۔ چنانچہ 6 صفر 1035ھ(1625ء) کو درد قولنج میں مبتلا ہونے کے بعد وہ مر گیا اور آگرہ میں اپنے باغ میں دفن ہوا۔ کابل سے ہندوستان آتے ہوئے جب جہانگیر کو اس سانحے کی خبر دی گئی تو اسے بے حد رنج ہوا۔

اسی زمانے میں جبکہ شاہجہاں ٹھٹھہ میں تھا تو مہابت خاں جو ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا اس سے آن کر ملا اور اسے ہندوستان کے تخت پر قبضہ جمانے کی ترغیب دی۔ لیکن شاہجہاں آمادہ نہ ہوا۔ اس کے بعد مہابت خاں دہلی آیا اور شاہی خزانے کو جو بنگال سے آیا تھا لوٹنے کی کوشش کی اور فرار ہو گیا۔ شاہی لشکر نے اس کا تعاقب کیا۔ مہابت خاں اس کے بعد شاہجہاں کے پاس دکن چلا گیا اور شاہجہاں کے معتمدوں میں شامل ہو گیا۔

جہانگیر کی بیماری اور موت

جہانگیر کی صحت جو پے در پے صدموں کی وجہ سے پہلے ہی گر چکی تھی۔ مہابت خاں کی قید میں جانے کے بعد اور بھی خراب ہوگئی۔ چنانچہ مہابت خاں کے پنجے سے نکل کر جب وہ کابل سے واپس آیا تو اس کی صحت بالکل گر چکی تھی۔ صحت کی درستی کے لئے 1036ھ (1626ء) میں وہ کشمیر چلا گیا۔ کشمیر اسے بے حد پسند تھا۔ وہ ہر سال موسم بہار میں کشمیر پہنچ جاتا تھا لیکن اس سال کشمیر پہنچنے کے بعد اس کی صحت پر اچھا اثر نہیں پڑا بلکہ کشمیر جانے کے بعد اس کی صحت اور بھی گر گئی۔ دمہ کے پرانے عارضے نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ غرض کہ جہانگیر اس حد تک کمزور ہو گیا کہ گھوڑے اور ہاتھی پر سوار ہونا تو درکنار پالکی میں بھی اس سے نہ بیٹھا جاتا تھا۔ افیون اس نے قطعی چھوڑ دی تھی۔ شراب بھی تقریباً موقوف کر دی تھی۔ بہت جی چاہتا تو ہلکی سی شراب کے ایک دو جام پی لیتا تھا۔

جب بادشاہ کی کمزوری میں کسی قدر کمی ہوئی تو اس نے سوچا کہ کشمیر کی سردی کی وجہ سے چونکہ دمہ کے مرض میں زیادتی ہوتی جا رہی ہے اس لئے میدانی علاقے میں چل کر رہا جائے۔ چنانچہ کشمیر سے وہ لاہور کی جانب روانہ ہو گیا لیکن راستے ہی میں اس کی حالت بگڑ گئی اور 28 صفر 1037ھ مطابق 28 اکتوبر 1627ء کو منزل جنگر تھی میں اس کا ساٹھ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اس نے 22 برس سلطنت کی۔ انتقال کے بعد جہانگیر کی لاش کو ہاتھی پر ڈال کر لاہور لایا گیا اور وہ نور جہاں کے باغ میں دفن ہوا۔

نور جہاں اور اس کے بھائی میں تخت کے لئے جھگڑا

جہانگیر کو ابھی دفن بھی نہیں کیا گیا تھا کہ نور جہاں اور اس کے بھائی آصف خاں میں تخت و تاج کے لئے جھگڑا شروع ہو گیا۔ نور جہاں چاہتی تھی کہ اس کا داماد شہریار تخت پر بیٹھے اور آصف خاں اپنے داماد شاہجہاں کو تخت کا مستحق خیال کرتا تھا۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے دامادوں کے لئے تخت حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

آصف خاں کے لئے اس وقت سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ شاہجہاں تین ہفتے کی مسافت پر دکن میں نظام الملک کی حکومت کی سرحد پر تھا۔ اس نے فوراً بنارسی داس کو شاہجہاں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ شاہجہاں کو جہانگیر کے مرنے کی اطلاع دینے کے بعد فوراً اپنے ساتھ لے آئے۔ آصف خاں نے محض خانہ پری کے لئے امرائے سلطنت کے مشورے سے شہزادہ خسرو کے بیٹے داور بخش کو قید خانے سے نکال کر عارضی طور پر بادشاہ بنا دیا۔

نور جہاں نے بھی اپنے داماد شہر یار کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ شہر یار نے لاہور میں تخت نشین ہونے کے بعد فوج اور عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لاہور کے خزانے کو لٹانا شروع کر دیا۔ ایک ہفتے کے اندر 70 لاکھ روپیہ خرچ کر ڈالا۔ شہزادہ دانیال کے بیٹے بایسنغر خاں کو سپہ سالاری کا عہدہ دیا گیا اور آصف خاں پر چڑھائی کر دی گئی۔ آصف خاں بھی نمائشی بادشاہ داور بخش کو شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ ہاتھی پر سوار کر کے شہر یار کے مقابلے پر میدان میں آ گیا اور لاہور سے تین کوس کے فاصلے پر دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ آصف خاں کے پہلے ہی حملے میں شہر یار کو شکست ہو گئی اور شہر یار کی بہت سی فوج ٹوٹ کر آصف خاں کی فوج سے آن ملی۔

دوسرے دن آصف خاں نے قلعہ لاہور پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ آصف خاں اس فتح کے بعد مع امرائے سلطنت اور نمائشی بادشاہ داور بخش کے قلعہ میں داخل ہوا۔ داور بخش کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ باقاعدہ نذریں پیش ہوئیں۔ اللہ وردی خاں نے شہزادہ شہر یار کو گرفتار کر کے نمائشی بادشاہ داور بخش کے روبرو پیش کیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ نمائشی جہاں پناہ کے سامنے مراسم کورنش بجا لائے۔ اس کے بعد شہر یار قید کر دیا گیا اور دو تین دن کے بعد اسے قید خانہ ہی میں اندھا کر دیا گیا۔

شاہجہاں کی دارالسلطنت میں واپسی

بنارسی داس بیس دن میں شاہجہاں کے پاس پہنچا تھا۔ باپ کی موت کا حال سن کر شاہجہاں کو بے حد رنج ہوا۔ وہ فوراً مہابت خاں کو ساتھ لے کر جو آج کل شاہجہاں کے پاس آیا ہوا تھا آگرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ شاہجہاں نے خان جہاں لودی کو برہانپور پیغام بھیجا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلے لیکن خان جہاں خود مختاری کے خواب دیکھ رہا تھا اس لئے جواب ہی نہ دیا اور اس نے جہانگیر کے مرنے کی اطلاع پاتے ہی مالوہ میں لوٹ مار شروع کر دی تھی۔

شاہجہاں احمد آباد پہنچا۔ احمد آباد کے گورنر سیف خاں کو معزول کر کے شیر خاں کو وہاں کی حکومت سپرد کی۔ سیف خاں نے شاہجہاں کی پریشانی کے زمانے میں شاہجہاں کو بہت ستایا تھا۔ سیف خاں چونکہ شاہجہاں کا ہم زلف تھا اس لئے ممتاز محل کی سفارش پر اس کی جان نہیں لی گئی۔ احمد آباد سے شاہجہاں محمود آباد آیا۔ امرا کو عہدے دیئے۔ عیسٰی خاں کو ٹھٹھہ کی حکومت عطا ہوئی۔ اس کے بعد مالوہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

شاہجہاں نے ٹھٹھہ سے آصف خاں کو ہدایت روانہ کر دی تھی کہ داور بخش شہزادہ شہر یار اور شہزادہ دانیال کے بیٹوں کو فوراً ختم کر دیا جائے کیونکہ ان کی ذات سے فساد کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس کی ہدایت کے مطابق شہزادہ شہر یار، داور بخش اور اس کا بھائی گشتاسپ اور دانیال کے بیٹے

طہورث و ہوشنگ قتل کر دیئے گئے۔ صرف دانیال کا بیٹا بایستغر خاں بچ کر نکل گیا۔ جب شاہجہاں رانا اودے پور کی سرحد میں آیا تو رانا کرن نے حاضر ہو کر مبارکباد دی۔

مالوہ سے شاہجہاں اجمیر شریف آیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر حاضری دی، بے اندازہ روپیہ خیرات کیا اور حکم دیا کہ ایک سنگین مسجد یہاں جلد سے جلد بنائی جائے۔ یہ پہلی عمارت تھی جس کے بنانے کا شاہجہاں نے حکم دیا تھا۔ اس موقع پر مہابت خاں نے اجمیر کی صوبیداری کی خواہش کی تو شاہجہاں نے اجمیر کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد شاہجہاں دارالسلطنت آگرہ میں داخل ہوا تو اس کے خیر مقدم کے لئے چاروں طرف سے خلقت امنڈ پڑی۔ غرض کہ شاہجہاں 27 جمادی الاول 1037ھ کو قلعہ آگرہ میں داخل ہوا اور 8 جمادی الثانی 1037ھ (1628ء) کو اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔

جہانگیر کے دورِ حکومت پر ایک نظر

اکبر چونکہ اپنے پیچھے ایک بہت بڑی سلطنت چھوڑ گیا تھا اس لئے جہانگیر کو اپنے دورحکومت میں فاتحانہ سرگرمیوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ جہانگیر میں اپنے باپ دادا کے مقابلے میں سپاہیانہ جوہر بھی بہت کم تھے۔ جہانگیر بادشاہ ضرور تھا لیکن وہ لائق سپہ سالار نہ تھا چنانچہ اس کے دورحکومت میں مغلیہ حکومت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کے بجائے اور بھی کمی ہوگئی تھی کیونکہ دکن کے بیشتر علاقے حکومت مغلیہ کے قبضے سے نکل گئے تھے۔

جہانگیر کی حکومت میں بجز شاہجہاں کی بغاوت کے جھگڑے کے اور کوئی خاص ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ رعایا بڑے سکون واطمینان کے ساتھ زندگی گزارتی رہی۔ یہ گھریلو جھگڑا بھی محض نور جہاں کی وجہ سے بڑھا۔ جس نے کہ اپنے داماد شہریار کو تخت دلانے کی کوشش میں حکومت مغلیہ میں دو پارٹیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نور جہاں ایک عقلمند عورت تھی۔ جہانگیر سے اسے محبت بھی تھی لیکن اس کی ذاتی اغراض کی بنا پر حکومت مغلیہ کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

جہانگیر نے اگرچہ جدید فتوحات کے سلسلے میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا لیکن ملک کے اندرونی نظام کو مضبوط بنانے میں اس نے بڑی توجہ سے کام لیا۔ چنانچہ جہانگیر نے اپنے دور حکومت میں بہت سے ایسے مفید قوانین رائج کئے جن سے کہ خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچا۔ جہانگیر مجرموں کو بڑی سخت اور دل ہلا دینے والی سزائیں دیتا تھا۔ زندہ کھال اتروا دینا، ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوانا اور نصف جسم زمین میں گڑوا کر دھوپ میں کھڑا کر کے مجرموں کو سزا دینا اس کے لئے معمولی بات تھی۔ اس نے اپنے زمانے میں ہندوستان میں بہت سے نئے سکے بھی رائج کئے تھے۔

جہانگیر کی ملکی پالیسی

جہانگیر کی ملکی پالیسی وہی تھی جو اکبر کی تھی۔ جہانگیر بھی اکبر کی طرح ہندوؤں اور غیر مسلموں کی دلداری کرنا ملکی مفاد کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ جب تک جہانگیر زندہ رہا اس نے راجپوتوں کے ساتھ اپنے تعلقات نہایت خوشگوار رکھے۔ راجپوتوں کے معاملے میں وہ اس قدر فراخ حوصلہ تھا کہ اس نے ولی عہدی کے زمانے کے اپنے سب سے بڑے مخالف راجہ مان سنگھ اور دوسرے راجپوتوں سے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ان کی حتی المقدور عزت افزائی کی۔

قربانی گاؤ اور دوسرے جانوروں کو ذبح کرنے کے معاملے میں اکبر نے جو پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ ان سب کو اس نے ہندو رعایا کی خوشنودی کے لئے بدستور قائم رکھا۔ جہانگیر پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے سکھوں کے پانچویں گرو ''ارجن'' کو قتل کرا دیا تھا۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جہانگیر نے تو گرو ارجن کو لاہور کے کوتوال کے حوالے کر دیا تھا جس سے گرو ارجن کے پرانے دشمن چندو لال نے اسے اپنے قبضے میں لے کر قتل کر ڈالا۔ اول تو جہانگیر نے گرو ارجن کو قتل ہی نہیں کرایا۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ گرو ارجن کو جہانگیر نے قتل کرایا تھا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جہانگیر نے یہ قتل کسی مسلم یا سکھ سوال کی بنا پر نہیں کرایا تھا بلکہ یہ اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کا معاملہ تھا۔ اگر گرو ارجن کی بجائے کسی ملا یا مولوی نے خسرو کی بغاوت میں معاونت کی ہوتی تو اسے بھی بالکل گرو ارجن کی طرح جہانگیر سزا دیتا۔ چنانچہ خسرو کی بغاوت کے معاون مسلمانوں کو جہانگیر نے گرو ارجن کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت سزائیں دی تھیں۔

جہانگیر کا دور حکومت ہمیشہ فرقہ پرستی سے بلند رہا ہے۔ اس کے زمانے میں دل کھول کر غیر مسلموں کو نوازا گیا ہے۔ چنانچہ بیشتر بڑے بڑے عہدوں پر جہانگیر کے زمانے میں ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ فوجی عہدوں پر یا تو مسلمان تھے یا راجپوت۔ اس نے تمام ممالک محروسہ میں حکم جاری کر دیا تھا کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کو بالجبر مسلمان نہ کرے۔ اس کے زمانے میں بڑے بڑے مندر تعمیر ہوئے۔ بندرابن میں گوبند دیوی کا مندر جہانگیر ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ مسلم تہواروں کی طرح جہانگیر تمام ہندو تہوار بھی مناتا تھا۔ دیوالی کی پوجا کا باقاعدہ دربار ہوتا تھا۔ شیوراتری کے موقع پر اپنے باپ کی طرح بڑے بڑے جوگیوں کو محل میں بلاتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا تھا۔ دسہرہ کا جشن بھی اس کے ہاں نہایت شاندار طریقے پر منایا جاتا تھا۔

جہانگیر کا ذاتی کیریکٹر

جہانگیر کے ذاتی کیریکٹر کی بلندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اخلاقی جرأت

سے کام لیتے ہوئے اپنی ساری اچھی بری باتیں تزک جہانگیری میں لکھ دی ہیں۔ وہ کوئی بہادر اور جانباز سپاہی تو نہ تھا لیکن ایک نہایت ہی منصف مزاج حکمراں ضرور تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی حکومت میں کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہونے پائے۔ انصاف کے معاملے میں وہ دنیا میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ نور جہاں اگرچہ اس پر چھائی ہوئی تھی لیکن انصاف کے معاملے میں جانگیر اس کو بھی جھڑک دیتا تھا۔ جہانگیر نے انصاف کا جو بلند معیار قائم کیا تھا اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مفقود ہے۔ وہ فیاضی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

مذہبی معاملے میں وہ ایک وسیع نظر سنی عقیدے کا مسلمان تھا۔ اس نے باپ کی طرح کبھی الحاد اور بے دینی کو پسند نہیں کیا۔ وہ ارکان اسلام پر اگرچہ پوری طرح پابند نہ تھا لیکن ان کو درست خیال کرتا تھا اور جو لوگ ارکان اسلام پر عمل کرتے تھے انہیں دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ وہ مرتے دم تک شراب پیتا رہا۔ گو اس نے ہمیشہ شراب نوشی کو ایک عیب سمجھا اور ایسے قانون بنائے جن کے ذریعے رعایا شرب نوشی کی لعنت سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نور جہاں کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے شیعہ ہو گیا تھا لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ وہ پکا سنی تھا لیکن ہندوستان کے کروڑوں سنی المذہب مسلمانوں کی طرح اہلبیت کا ضرور عاشق تھا۔

اس کو علمی مشاغل سے اگرچہ کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ شعر و شاعری کا بے حد دلدادہ تھا۔ مصوری سے بھی اسے فطری لگاؤ تھا۔

جہانگیر کے عہد میں ہندوستان میں انگریزوں کا پہلا قدم

انگریز جنہوں نے حکومت مغلیہ کے زوال کے بعد مغلیہ حکومت کے کھنڈروں پر ہندوستان میں برطانوی حکومت کی عمارت تعمیر کی، سب سے پہلے جہانگیر کے عہد حکومت ہی میں انہوں نے ہندوستان میں اپنی سیاسی سرگرمیاں شروع کی تھیں۔

انگریزوں نے پرتگیزوں کی طرح غیر آئینی طریقے پر تو پہلے ہی ہندوستان کے ساحلی مقامات پر آباد ہونا شروع کر دیا تھا لیکن آئینی طور پر سفیر انگلستان سر تھامس رو نے جہانگیر کے دربار میں آنے کے بعد انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دیئے۔

سر تھامس رو اپنے زمانے میں انگلستان کا سب سے بڑا مدبر تھا۔ پارلیمنٹ کے ممبروں میں اسے لائق ترین سیاست دان شمار کیا جاتا تھا۔ شاہ انگلستان جیمز اول نے اسے خاص طور پر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے یا بالفاظ دیگر برطانوی حکومت کے لئے میدان تیار کرنے کے لئے ہندوستان کا سفیر مقرر کر کے 1024ھ (1615ء) میں جہانگیر کے دربار میں بھیجا تھا۔ وہ تین سال تک یعنی 1027ھ (1618ء) تک ہندوستان میں انگریزوں کے سفیر کی

حیثیت سے رہا۔

امرائے سلطنت کی شدید مخالفت اور پرتگیزوں کی رکاوٹوں کے باوجود تھامس رو نے ہندوستان میں برطانیہ کی تجارت کے لئے اور برطانوی باشندوں کے قیام کے لئے خاص حقوق حاصل کر لئے تھے۔ چنانچہ جہانگیر نے سورت میں انگریزوں کو تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اگر غور کیا جائے تو تھامس رو ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا معمار اول تھا۔ جس نے ہندوستان میں تجارت کے نام سے انگریزوں کے ایسے قدم جمائے کہ مغلیہ حکومت کے خاتمے کے بعد انگریز ہی مغلوں کے جانشین بن گئے۔

جہانگیر اور اس کے جانشینوں کا یہ بہت بڑا قومی گناہ ہے کہ انہوں نے انگلستان کے غیر ملکیوں کو ہندوستان میں من مانی کارروائیاں کرنے دیں اور ان کی طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے۔ اگر انہوں نے شروع ہی میں پرتگیزوں اور انگریزوں کی بیخ کنی کر دی ہوتی تو شاید ہندوستان کی تاریخ موجودہ تاریخ سے بالکل مختلف نظر آتی۔

جہانگیر کے عہد حکومت کے چند دلچسپ واقعات

ذیل میں ہم جہانگیر اور اسکے عہد حکومت سے متعلق چند دلچسپ واقعات درج کرتے ہیں:

ایک غریب بڑھیا جو کئی وقت کی بھوکی تھی۔ شاہی کنیز کے کہنے پر ملکہ نور جہاں کے پاس امداد طلب کرنے آئی ملکہ اگرچہ بڑی فیاض دل تھی۔ لیکن اس وقت کسی وجہ سے اس کا مزاج برہم ہو رہا تھا۔ ادھر بڑھیا جو بھوک کی وجہ سے دیوانی ہو رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ ملکہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تو اس کے منہ سے یہ نکل گیا کہ "جو غریبوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں فرماتا" بڑھیا کا یہ کہنا تھا کہ ملکہ اور بھی برہم ہو گئی اور بڑھیا کو مارنے کا حکم دے دیا۔ بڑھیا پر جب بری طرح مار پڑی تو وہ اتنی چلائی کہ اس کی آواز جہانگیر تک پہنچ گئی۔ جہانگیر فوراً محل کے اندر آیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کی محبوب ملکہ نے بلاوجہ ایک غریب عورت کو پٹوایا ہے تو اس نے نور جہاں سے کہا "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم مجھ کو جان و دل سے زیادہ عزیز ہو لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ تمہاری خاطر میں رعایا پر ظلم برداشت کرلوں۔ تم فوراً اس عورت سے معافی مانگو ورنہ تم کو عام مجرموں کی طرح سزا دی جائے گی۔"

نور جہاں نے ایک ادنیٰ عورت سے معافی مانگنا اپنی توہین سمجھی۔ اس پر جہانگیر نے اسے چھ مہینے قید کی سزا کا حکم سنایا اور ملکہ قید میں بھیج دی گئی۔ چھ گھنٹے قید میں رہنے کے بعد اراکین سلطنت کے کہنے پر ملکہ نے بڑھیا سے معافی مانگ لی اور دو سو روپے اسے بطور امداد دیئے تب کہیں اس قید سے رہائی ملی۔

جہانگیر کو اس کے خفیہ نویس نے اطلاع دی کہ ایک امیر رعایا کی ایک غریب عورت کی آبرو لینے پر تلا ہوا ہے۔عورت نے اس کو بادشاہ کے سر کی قسم دلائی اور طرح طرح کی خوشامدیں کیں مگر وہ نہ مانا اور اس کی عزت لینے پر بضد ہے۔ جہانگیر یہ سنتے ہی خفیہ نویس کے ساتھ چل دیا۔بادشاہ جب پہنچا تو امیر اس سے کہہ رہا تھا کہ ''اگر تو رضامند نہ ہوگی تو تیرا شوہر اور تو دونوں مارے جائیں گے''۔عورت نے جواب دیا کہ ''میرا خدا اور بادشاہ تجھ سے انتقام لے گا''۔جہانگیر یہ سنتے ہی آگے بڑھا اور میان سے تلوار نکال لی۔امیر بھی بادشاہ کو نہ پہچانتے ہوئے تلوار نکال کر مقابلے پر آ گیا۔لیکن جب خفیہ نویس نے چلا کر کہا ''ادب ادب حضور جہاں پناہ برآمد ہیں'' تو یہ سن کر امیر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔بادشاہ نے کہا ''میں ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتا جو میری رعایا کی بہو بیٹیوں کی آبرو کو خراب کرتے ہیں'' اور یہ کہتے ہوئے امیر کا سر تن سے جدا کر دیا۔عورت کو سو اشرفیاں بطور انعام دیں اور حکم دیا کہ اس بدکار امیر کی جاگیر اس غریب پارسا عورت کے نام منتقل کر کے اسے امیر کبیر بنا دیا جائے۔

جہانگیر کو بھیس بدل کر رعایا کی اندرونی حالت کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔چنانچہ ایک دن وہ اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کر ایک نان بائی کی دکان پر آیا۔نان بائی کی دکان بے حد گندی تھی۔ اسے سو اشرفیاں دیں اور کہا کہ اپنی دکان صاف رکھا کرو۔اس کے بعد ایک طوائف کے ہاں گیا اور دستک دی تو معلوم ہوا کہ مہابت خاں اندر گانا سن رہا ہے۔بادشاہ نے کہا کہ ہم مسافر ہیں ہم کو بھی گانا سننے کا شوق ہے۔ہم امیروں کے لطف میں مداخلت نہیں کریں گے۔الگ بیٹھ کر گانا سن لیں گے۔بادشاہ کو گانا سننے کی اجازت مل گئی مگر مجلس سے الگ بٹھا دیا گیا۔طوائف ایک پہاڑی عوت تھی۔وہ گا رہی تھی، مہابت خاں اور دوسرے شاہی ملازم شراب کے نشے میں بے ہودہ حرکتیں کر رہے تھے۔بادشاہ کے ایک ساتھی نے طوائف کے غلام کو بلا کر سو اشرفیاں دیں کہ یہ طوائف کو دے دو۔طوائف اشرفیاں لینے کے بعد سلام کو آئی اس نے بادشاہ کو پہچان لیا اور ادب سے جھک کر کہا ''عیب پوش بادشاہ کے زیر سایہ سب دل شاد رہیں۔میں آپ کے انعام سے نہال ہوگئی'' بادشاہ نے کہا ''طوائف کا مکان بھی عجیب جگہ ہے جہاں بڑے بڑے پارسا عریاں نظر آتے ہیں''

جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ ''میرے بیٹے خسرو کی ماں جو ایک راجپوت عورت تھی۔بڑی غیور اور میری اطاعت شعار تھی۔اس کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ اس کا بیٹا خسرو میرے خلاف باغیانہ خیالات رکھتا ہے اور اس کا بھائی راجہ مان سنگھ اس کے بیٹے کو باپ کے خلاف اکساتا رہتا ہے۔وہ اپنی سہیلیوں سے کہا کرتی تھی کہ خسرو میرے دودھ کو بدنام کرتا ہے۔ہم راجپوتوں میں اولاد کبھی باپ سے بغاوت نہیں کیا کرتی۔میرا بھائی بھی راجپوتی آن کو داغ لگا رہا ہے کہ بھانجے کو بغاوت کی تعلیم دیتا ہے۔رانی اس غم میں نیم دیوانی ہوگئی تھی۔جب وہ اس غم کو

برداشت نہ کر سکی تو اس نے افیون کھا کر راجپوتی آن پر جان دے دی۔ مجھ کو اس کی خودکشی کی اس وقت اطلاع ملی جب اس کا کام تمام ہو گیا۔ اس وفا شعار بیوی کے مرنے کا مجھ کو اتنا صدمہ ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

جہانگیر کو بازی گروں کے کھیل اور تماشے دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ چند بازی گروں کے کمالات پر روشنی ڈالتے ہوئے جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ "ایک مرتبہ میرے پاس سات بازی گر آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم ایسی بازی گری دکھاتے ہیں جس سے عقل حیران رہ جائے۔ جب انہوں نے بازی گری شروع کی تو واقعی ان کے کمالات حیران کن تھے۔ انہوں نے کہا کہ جس درخت کا آپ نام لیں اس کے بیج ہمارے پاس ہیں۔ ہم ابھی ان کو بونے کے بعد درخت پیدا کر دیں گے اور یہ کہہ کر انہوں نے زمین میں دس جگہ بیج بو دیئے۔ چند بار اُن کے گرد پھرے اور منتر پڑھے اور دس جگہ سے دس درخت اگنے شروع ہو گئے۔ ان میں سے ایک درخت شہتوت کا تھا جس کی فرمائش خاں جہاں نے کی تھی۔ دوسرا درخت آم کا تھا۔ تیسرا درخت سیب کا تھا۔ چوتھا انار کا تھا۔ غرض کہ اسی طرح دس درخت پیدا ہو گئے۔ یہ درخت رفتہ رفتہ بڑھے۔ ان میں شاخیں پھوٹیں، پتیاں آئیں، پھول آیا اور سب میں پھول لگ گئے۔ ایک سیب توڑ کر میرے پاس لائے اس میں واقعی سیب کی خوشبو تھی۔ اب ان بازی گروں نے کہا کہ اگر حکم ہو تو ان درختوں کے پھل بھی حضور کو کھلائیں۔ چنانچہ ہر درخت کا پھل نہایت شیریں اور لذیذ تھا۔ اس کے بعد طرح طرح کے عجیب و غریب پرندان درختوں پر نمودار ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان سب درختوں پر خزاں آ گئی۔ پتے جھڑ گئے اور نظر سے غائب ہو گئے۔ اگر یہ شعبدے میری آنکھ کے سامنے نہ ہوئے ہوتے اور کوئی مجھ سے اس کا ذکر کرتا تو مجھے کبھی یقین نہ آتا۔"

جہانگیر تزک جہانگیری میں ان بازی گروں کے ایک دوسرے شعبدے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "آدھی رات کو جب ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی تو ایک بازی گر ننگا ہو گیا۔ صرف لنگوٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے زمین پر چند چکر لگائے اور پھر ایک چادر اوڑھی اور اس چادر میں سے ایک حلبی آئینہ نکالا۔ جس کی روشنی سے اندھیری رات دن بن گئی اور اس کی روشنی ایسی پھیلی کہ دور دراز کے مسافروں نے بھی آ کر یہ شہادت دی کہ فلاں رات کو ایک ایسا نور پھیلا تھا کہ جس کی روشنی دن کو مات کرتی تھی۔"

جہانگیر کے عہد حکومت میں ایک کوتوال نے سرائے کے بھٹیارے اور بھٹیاری سے مل کر مسافروں کے مال پر غاصبانہ قبضہ جمانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جب جہانگیر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی ایک کنیز خاص اور مصاحب کو حکم دیا کہ وہ سرائے میں مسافر بن کر قیام کریں۔ اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کریں اور بھٹیارے کو فروخت کے لئے ایک انگوٹھی دیں۔ چنانچہ جب

مصاحب نے بھٹیارے کو یہ انگوٹھی دی تو اس نے کوتوال کو اطلاع دی۔کوتوال دوڑا ہوا آیا اور مصاحب کو مسافر سمجھتے ہوئے الزام لگایا کہ یہ انگوٹھی چوری کی ہے۔جب مصاحب نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اس سے کہا کہ ہمارے پاس اپنا اور بھی زیور ہے تو کوتوال نے سارے زیور پر قبضہ جمالیا۔چنانچہ اس واقعے کے بعد جہانگیر نے کوتوال کو طلب کیا اور اسے ملازمت سے برطرف کردیا۔

انارکلی اور جہانگیر کے عشق کی داستان ہندوستان کے ادیبوں کی خیال آفرینی اور فسانہ نگاری کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔کہا جاتا ہے کہ انارکلی ایک درباری رقاصہ تھی جس پر جہانگیر بری طرح فریفتہ ہو گیا تھا۔جب اکبر کو جہانگیر کے اس عشق کا پتہ چلا تو اس نے انارکلی کو دیوار میں چنوا کر مروادیا تھا۔لیکن تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل بے بنیاد ہے۔اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو جہانگیر خود اپنے روزنامچہ میں اس کا ضرور ذکر کرتا۔کیونکہ جہانگیر اپنی بری بھلی ساری باتیں یہاں تک کہ شراب نوشی اور قتل وخون کے واقعات تک کو بھی بے دھڑک لکھ دیتا ہے اور اگر جہانگیر نے کسی وجہ سے اس واقعے کو نہیں لکھا تھا تو جہانگیر کے زمانے کے وہ مورخ جنھوں نے کہ نور جہاں اور جہانگیر کی محبت کے واقعے کو صاف صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ضرور اس واقعے کو بھی سپرد قلم کرتے لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل جھوٹا اور من گھڑت ہے۔ممکن ہے کہ انارکلی کوئی عورت ہوئی ہو، اور اس کے ساتھ کسی مغل سردار کو عشق بھی ہو گیا ہو اور فسانہ نگاروں نے اس واقعے کو تاریخی اہمیت دینے کے لئے جہانگیر سے وابستہ کردیا ہو۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہانگیر نے کبھی کسی انارکلی نامی رقاصہ سے محبت نہیں کی۔انارکلی تو کیا اس کو کبھی بھی کسی ناچنے والی سے رغبت نہیں ہوئی۔یہ واقعہ سرتاپا فرضی اور خیالی ہے۔

ابوالمظفر محمد شہاب الدین شاہجہاں

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر جب کشمیر سے لاہور آتے ہوئے فوت ہوا تو شاہجہاں دکن میں تھا۔ اسے فوراً ایک تیز رو قاصد کے ذریعے اطلاع دی گئی لیکن دکن سے آگرہ آتے آتے شاہجہاں کو تقریباً تین مہینے لگ گئے۔

باپ کے مرنے کے تین مہینے بعد شاہجہاں 27 جمادی الآخر 1037ھ (1627ء) کو جب آگرہ پہنچا تو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ سب سے آگے شاہجہاں کا ہاتھی تھا۔ شاہجہاں دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹا رہا تھا۔ شاہجہاں کے پیچھے امرائے سلطنت کے ہاتھی اور ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ خلق خدا اپنے نئے بادشاہ کو دیکھنے کے لئے امڈ پڑی تھی۔ آگرہ کی سڑکیں اور چھتیں انسانوں سے پٹی ہوئی تھیں۔ تخت نشینی کی تاریخ چونکہ دس دن بعد کی تھی اس لئے شاہجہاں باپ کے شاہی محل میں جانے کے بجائے اپنے اسی پرانے محل میں چلا گیا جس میں کہ وہ شہزادگی کے زمانے میں رہتا تھا اور دس دن تک وہیں رہا۔

دس دن کے بعد 8 جمادی الثانی 1037ھ مطابق 6 فروری 1627ء کو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی قلعے میں آیا اور تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ انعام و اکرام تقسیم کیا گیا اور کئی روز تک جشن جاری رہا۔ تخت نشین ہونے کے بعد بادشاہ نے ''ابوالمظفر محمد شہاب الدین شاہجہاں غازی صاحبقران ثانی'' کا لقب اختیار کیا۔

شاہجہاں کی تخت نشینی سے پہلے کی زندگی

شاہجہاں مارواڑ کے راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جگت گسائی کے بطن سے 1000ھ (1591ء) میں پیدا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد اس کا نام خرم رکھا گیا۔ چھٹی کی رسم کے موقع پر شہنشاہ اکبر اپنے اس پوتے کو دیکھنے کے لئے جہانگیر کے ہاں آیا اور پوتے کو بطور بیٹے کی پرورش کرنے کے لئے لے گیا اور اپنی سب سے پہلی بیوی خدیجہ زمانی سلطان بیگم بنت مرزا ہندال کو یہ کہتے ہوئے سپرد کر دیا کہ ''تمہارے بطن سے میرے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ آج سے اس لخت جگر کو اپنا اور میرا فرزند

خیال کرنا اور اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کرتا۔"

شاہجہاں نے دادا اور دادی ہی کی زیر نگرانی پرورش پائی تھی۔ جب تک دادا زندہ رہا۔ اس نے دادا کے قدموں کو نہ چھوڑا۔ اکبر کے آخری وقت میں جب خسرو کی تخت نشینی کا فتنہ راجہ مان سنگھ اور خان اعظم نے کھڑا کر دیا تھا تو اس بات کا بڑا خطرہ تھا کہ کہیں مخالفین شاہجہاں کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ شاہجہاں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ جان بچانے کی خاطر دادا کے پاس سے چلا جائے۔ لیکن شاہجہاں جسے دادا سے عشق تھا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "دادا کے جیتے جی میں ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

شاہجہاں نے جہانگیر کے ایام شہزادگی میں جہانگیر کی بڑی خدمت انجام دی تھی۔ شاہجہاں کا کام یہ تھا کہ خسرو کے حامی اور جہانگیر کے مخالف جب بھی اکبر کے دل میں جہانگیر کی طرف سے نفرت پیدا کر دیتے تو یہ اکبر کے پاس رہنے کی وجہ سے فوراً ہی اس نفرت کے اثر کو دور کر دیتا اور اکبر و جہانگیر کے بگڑے ہوئے معاملات کو حسن وخوبی کے ساتھ سلجھا دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ جہانگیر کو سب بیٹوں سے زیادہ شاہجہاں پیارا تھا۔

شاہجہاں جہانگیر کا ہونہار فرزند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لائق سپہ سالار بھی تھا۔ چنانچہ جہانگیر کو اپنے عہد حکومت میں اودے پور اور دکن کی جو دو بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔ وہ شاہجہاں کی شمشیر زنی ہی کا نتیجہ تھیں۔ دکن میں شاہجہاں کی فتوحات کے بعد یہ توقع کی جا رہی تھی کہ اب ہندوستان کے وہ تمام علاقے حکومت مغلیہ میں شامل ہو جائیں گے جو اکبر کی موت کی وجہ سے غیر مفتوحہ رہ گئے تھے لیکن نور جہاں کی خودغرضی کی بنا پر جہانگیر اور شاہجہاں میں جو شکر رنجی پیدا ہوئی اس نے نہ صرف مغلوں کی فتوحات کو پس پشت ڈال دیا بلکہ دکن کے بعض مفتوحہ علاقے بھی ہاتھ سے نکل گئے۔

شاہجہاں کی باپ کے خلاف بغاوت بلاشبہ اس کی شہزادگی کے زمانے کا ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ شاہجہاں کے باپ دادا کی حکومت ایک عورت کی وجہ سے ایسے نااہلوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہی تھی جو اس سلطنت کو کسی طرح بھی قائم نہیں رکھ سکتے تھے تو شاہجہاں جو اس حکومت کا جائز حقدار تھا۔ اس کے لئے اس کے سوا اور چارہ کار ہی کیا تھا۔ اس کے علاوہ جبکہ شاہجہاں نے بغاوت سے قبل باپ کی خدمت میں حاضری کی بار بار التجائیں کی ہوں اور ان التجاؤں کو محض ایک خودغرض عورت کی وجہ سے ٹھکرا دیا گیا ہو تو شاہجہاں کا جرم بہت ہلکا پڑ جاتا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جب بلاوجہ شاہجہاں کے خلاف فوج کشی کر دی جائے اور شاہجہاں فوجی تصادم سے بچتا پھرے لیکن پھر بھی اس پر حملہ کر دیا جائے تو شاہجہاں کے لئے بجز مدافعت کے اور کون سی صورت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ باپ بیٹوں کی اس

خانہ جنگی کی ذمہ دار نور جہاں تھی اور صرف نور جہاں۔

جہانگیر کے مرتے ہی اس کے کفن دفن سے قبل ہی نور جہاں کا اپنے داماد شہریار کے حق میں اور شاہجہاں کی مخالفت میں جوڑ توڑ اس چیز کا کھلا ثبوت ہے کہ نور جہاں کے گزشتہ افعال کس حد تک نیک نیتی پر مبنی تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ شاہجہاں کا خسر اور نور جہاں کا حقیقی بھائی آصف خاں اگر اس نازک موقع پر شاہجہاں کی پشت پناہی نہ کرتا تو نور جہاں اپنے داماد شہریار کو جو ایک خواص کے بطن سے تھا، تخت دلانے میں تقریباً کامیاب ہوگئی تھی۔ آصف خاں نے داور بخش کو عارضی طور پر بادشاہ بنا کر اور نور جہاں کو نظر بند کر کے اس فتنے کو بڑی دشواری سے دبایا۔ ورنہ ایسی حالت میں جبکہ نور جہاں جیسی مضبوط ہستی شاہجہاں کی مخالف ہو، اور شاہجہاں دور دراز مقام پر الجھا ہوا ہو تو اس کے لئے تخت حاصل کرنا کس طرح ممکن تھا۔

شاہجہاں کو چونکہ اپنے دور حکومت میں عجوبہ روزگار عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے ایک غیر فانی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ایام شہزادگی میں اس کو عمارتوں کی تعمیر سے جو شغف رہا ہے۔ اگر اس پر روشنی ڈالی جائے گی تو شاہجہاں کی ابتدائی زندگی کے حالات تشنہ رہ جائیں گے۔ اس لئے اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ کشمیر میں جہانگیر کے نام سے جو تاریخی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں ان عمارتوں کا بھی اصلی معمار شاہجہاں ہی تھا۔

جہانگیر 1028ھ (1619ء) میں جب کشمیر کی سیر کے لئے گیا تو شاہجہاں بھی اس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ جہانگیر نے کشمیر کے باغات اور عمارتوں کی تعمیر کا کام شاہجہاں ہی کے سپرد کر دیا تھا۔ شاہجہاں کو چونکہ عمارتوں کی تعمیر سے فطری لگاؤ تھا اس لئے اس نے کشمیر میں نئی قسم کے باغات لگوائے اور عمارتیں بنوانے کا کام اس قدر سلیقے سے کیا کہ جہانگیر بے حد محظوظ ہوا۔ شاہجہاں کی ابتدائی زندگی پر ہلکا سا تبصرہ کرنے کے بعد اب ہم ان واقعات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو اس کی تخت نشینی کے بعد رونما ہوئے۔

انعامات اور عہدوں کی تقسیم

شاہجہاں نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے خاندان شاہی کو انعامات دیئے اور وظائف مقرر کئے۔ ملکہ ممتاز محل کو ذاتی خرچ کے لئے دو لاکھ اشرفی اور چھ لاکھ روپیہ نقد دیئے اور دس لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ اپنی پیاری بیٹی جہاں آرا بیگم کو ایک لاکھ اشرفی اور چار لاکھ روپے دیئے اور چھ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ ملکہ ممتاز محل کو داراشکوہ، شاہ شجاع، اورنگ زیب، مراد بخش، لطف اللہ، روشن آرا بیگم اور ثریا بانو بیگم کے لئے ساڑھے چار لاکھ روپیہ دیا۔ اس کے علاوہ بیٹوں کا جیب خرچ یہ مقرر ہوا۔ داراشکوہ کو ہزار روپے روزانہ، شاہ شجاع کو ساڑھے سات سو روپیہ روزانہ،

اورنگ زیب کو پانچ سو روپیہ روزانہ، مراد کو ڈھائی سو روپیہ روزانہ۔

شاہی خاندان کو انعامات دینے اور وظائف مقرر کرنے کے بعد شاہجہاں نے امرائے سلطنت کو منصب اور خطابات سے نوازا۔ بڑے سے بڑا منصب اور یمین الدولہ کا خطاب اپنے خسر آصف خاں کو عطا کیا۔ اس کے بعد مہابت خاں، خان خاناں، وزیر خاں، سید مظفر خاں، بہادر خاں روہیلہ، سردار خاں، راجہ بتھل داس، مرزا مظفر کرمانی، راجہ من سروپ اور دیگر صدہا امرائے سلطنت کو بڑے بڑے منصب اور خطابات عطا کئے۔

جہانگیر کے زمانے کے تمام امرائے سلطنت کو نہ صرف ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا بلکہ بعض کے منصبوں اور درجوں میں اضافہ بھی کر دیا اور ان سب لوگوں کو نئے نئے منصب عطا ہوئے جو ایام شہزادگی میں شاہجہاں کے معاون اور مددگار رہے تھے۔

آصف خاں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر لاہور ہی میں مقیم تھا۔ جب 1037ھ (1627ء) میں داراشکوہ، شاہ شجاع، اورنگ زیب، مراد اور شاہجہاں کے دوسرے بچوں کو لے کر وہ آگرہ آیا تو اس موقع پر شاہجہاں نے اسے وکالت یعنی وزارت عظمیٰ کا عہدہ تفویض کیا۔ یمین الدولہ کا خطاب اس سے قبل آصف خاں کو دیا جا چکا تھا۔

صوبوں کے بعض گورنروں اور عمالوں میں ضروری ردوبدل کیا گیا۔ ظفر خاں کو کابل کی صوبیداری سپرد کی گئی۔ ابوالفضل کے قاتل نرسنگھ دیو بندیلہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ججھار سنگھ نے بغاوت کر دی تھی۔ اس لئے اس کی جاگیر کا ایک حصہ نرسنگھ دیو کے بھائی کو دے دیا گیا اور ججھار سنگھ کو معافی دے دی گئی تھی۔ خانجہاں لودھی جس نے کہ بغاوت برپا کر دی تھی۔ اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور اس کے تعاقب میں لشکر روانہ کیا گیا۔ غرض کہ شاہجہاں نے تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں حکام اور عمال کے عہدوں میں حسب ضرورت ردوبدل کر دیا۔

کابل کے باغیوں کی سرکوبی اور احمد نگر کا فتنہ

شاہجہاں کو تخت نشینی کے جھگڑوں اور منصبوں کی تقسیم نیز ملک کے اندرونی انتظامات سے جوں ہی فرصت ملی۔ اس نے ان بغاوتوں کی جانب توجہ کی جو کہیں کہیں رونما ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ شاہجہاں نے حکومت مغلیہ کے ان علاقوں کی واپسی کے لئے بھی جدوجہد شروع کر دی جو غیروں کے قبضے میں چلے گئے تھے۔

نذر محمد والئی بلخ و بدخشاں نے جب دیکھا کہ جہانگیر مر گیا ہے۔ شاہجہاں دکن میں ہے اور ہندوستان کے تخت کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے تو اس نے اس موقعے کو غنیمت سمجھتے ہوئے کابل پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن شاہجہاں نے اس بغاوت کی اطلاع پاتے ہی اپنی

تخت نشینی سے قبل ہی فوراً کابل کے لئے ایک فوج روانہ کر دی تھی۔ دوسری فوج شاہجہاں نے مہابت خاں کی سرکردگی میں تخت نشین ہونے کے بعد روانہ کی۔ ان فوجوں نے کابل پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ نذر محمد خاں محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔

[illegible] مطمئن ہونے کے بعد شاہجہاں نے نظام الملک والئی احمد نگر کو پیغام بھیجا کہ "خان جہاں لودھی نے ناجائز طور پر بالا گھاٹ پر تمہارا قبضہ کرا دیا ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بالا گھاٹ حکومت مغلیہ کا ایک جزو ہے جس پر تم ناجائز طور پر متصرف اور قابض ہو۔ لہٰذا تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم فوراً بالا گھاٹ کا علاقہ ملازمین شاہی کے حوالے کر دو۔"

نظام الملک نے اس پیغام کے ملنے کے بعد بظاہر تو بالا گھاٹ کی واپسی کا حکم دے دیا۔ لیکن در پردہ قلعدار کو ہدایت کر دی کہ وہ قلعہ مغلوں کے حوالے نہ کرے۔ چنانچہ قلعدار نے قلعہ واپس نہیں کیا۔ جس پر خان زماں نے برہان پور سے اس پر فوج کشی شروع کر دی۔

نظام الملک اب دوسری چال چلا اس نے اپنے پروردہ مرہٹہ سردار ساہو جی بھونسلا کو ایک ہزار سوار دے کر خاندیش پر حملہ کرا دیا تا کہ مغل لشکر خاندیش میں الجھ کر رہ جائے اور قلعہ بیر کی فتح التوا میں پڑ جائے۔ غرض کہ نظام الملک نے بری طرح سے مغلوں کو الجھن میں ڈال دیا۔ نظام الملک والئی احمد نگر ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے کہ مرہٹوں کی پیٹ ٹھونکی اور مرہٹوں کو مغلوں کے خلاف ابھارا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹے رفتہ رفتہ اس قدر طاقت پکڑ گئے کہ "آگے چل کر حکومت مغلیہ کے لئے اچھی خاصی پریشانی کا باعث بن گئے۔

دکن کی فتح کے لئے شاہجہاں کی روانگی

شاہجہاں کو نظام الملک والئی احمد نگر کی ان شاطرانہ چالوں کا پتہ چلا تو اس نے سمجھ لیا کہ دکن کا مورچہ خود اس کے جائے بغیر سر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس نے دکن جانے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔

مغلیہ حکومت کا باغی خان جہاں لودھی بھی نظام الملک سے جا ملا تھا۔ یہ وہی خان جہاں لودھی ہے جس نے کہ جہانگیر کے مرتے ہی مالوہ میں لوٹ مار شروع کر دی تھی لیکن پھر معافی مانگنے کے بعد شاہجہاں کے پاس چلا آیا تھا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد بغاوت کی غرض سے فرار ہو گیا اور نظام الملک سے جا ملا۔ اس کے نظام الملک سے مل جانے کے بعد نظام الملک کی فتنہ پردازیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس تازہ فتنے کی وجہ سے شاہجہاں کے لئے دکن جانا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔

شاہجہاں نے نظام الملک اور خان جہاں لودھی کے استیصال کے لئے ایک فوج تو ارادت

خاں ناظم دکن کی سرکردگی میں روانہ کی۔ دوسری فوج راجہ گج سنگھ کے ساتھ روانہ کی۔ تیسری فوج یمین الدولہ آصف خاں کے فرزند شائستہ خاں کے ہمراہ روانہ کی اور اس کے بعد خود مع ملکہ ممتاز محل اور بچوں کے 6 رجب 1039ھ (1629ء) کو برہانپور جا پہنچا اور وہیں مقیم ہو گیا تا کہ برہانپور رہ کر دکن کی فتوحات کا پوری طرح انتظام کر سکے۔ بادشاہ کے برہانپور پہنچنے کے بعد ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے بھی امرائے سلطنت اس مہم میں حصہ لینے کے لئے دکن آ گئے۔

شاہی فوج کے نظام الملک کی فوج سے کئی معرکے ہوئے لیکن شاہی فوج کو اس لئے کوئی خاص کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ امرائے سلطنت میں اتحاد و اتفاق نہیں تھا۔ جب شاہجہاں نے یہ حالت دیکھی تو یمین الدولہ آصف خاں کو بلا کر سب فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا تا کہ تمام فوجیں ایک باا ثر سردار کے ماتحت متحد ہو کر کارروائی کر سکیں۔ اس جدید انتظام کے بعد شاہی فوجوں نے دکن کے مختلف علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ ان حملوں میں سب سے پہلے قلعہ منصور گڑھ فتح ہوا۔ اس کے بعد قلعہ دہارور فتح ہوا۔ جب دکنیوں نے دیکھا کہ شاہی لشکر کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے تو عادل خاں والئی بیجاپور نے حسب عادت پھر صلح کی بات چیت شروع کر دی تا کہ اس بات چیت کے دوران میں شاہی لشکر کی قوت عمل سست پڑ جائے اور دکنی پوری طرح مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ عادل خاں کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی چنانچہ صلح کی بات چیت کے ٹوٹ جانے کے بعد جب دکھنیوں اور شاہی لشکر میں مقابلہ ہوا تو شاہی لشکر کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور بہت سے مفتوحہ علاقے بھی شاہی لشکر کے ہاتھ سے نکل گئے۔

برہانپور میں ملکہ ممتاز محل کی موت

شاہجہاں جس زمانے میں کہ برہانپور میں تھا اسی زمانے میں 17 ذیقعدہ 1040ھ (1631ء) کو بچی کی پیدائش کے موقع پر اچانک 38 سال کی عمر میں ملکہ ممتاز محل کا انتقال ہو گیا۔ ملکہ ممتاز محل کی موت شاہجہاں کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا کیونکہ شاہجہاں کو اس بیگم سے محبت ہی نہیں تھی بلکہ عشق تھا۔

ممتاز محل یمین الدولہ آصف خاں کی بیٹی تھی۔ جس سے کہ شاہجہاں کی شادی 1017ھ (1608ء) میں ہوئی تھی۔ شادی کے وقت شاہجہاں کی عمر 21 سال اور ممتاز محل کی عمر 19 سال تھی۔

ممتاز محل نے اپنے مرنے کے بعد جو اولاد چھوڑی وہ یہ تھی (1) شہزادی جہاں آرا بیگم۔ یہ عمر میں سب سے بڑی تھی (2) شہزادہ داراشکوہ (3) شہزادہ شاہ شجاع (4) شہزادی روشن آرا بیگم (5) شہزادہ اورنگزیب (6) شہزادہ مراد بخش (7) شہزدی گوہر آرا بیگم، جس کی ولادت سے ممتاز محل

کی موت واقع ہوئی۔

ممتاز محل جس وقت مری ہے اس کے خزانے میں ایک کروڑ روپیہ تھا۔اس روپیہ میں سے نصف روپیہ تو شہزادی جہاں آرا بیگم کو دیا گیا اور نصف روپیہ بیگم کی بقیہ اولاد میں تقسیم ہو گیا۔ جہاں آرا بیگم کو ماں کا جانشین قرار دیا گیا اور جو مہمات اور خدمات ممتاز محل کے سپرد تھیں وہ جہاں آرا کو تفویض ہوئیں۔ جہاں آرا کی جاگیر اور وظیفہ میں بھی چار لاکھ روپیہ سالانہ کا اضافہ ہو گیا۔

ملکہ ممتاز محل کے علاوہ شاہجہاں کی اور بھی دو بیویاں تھیں۔ جن میں سے ایک مظفر حسین مرزا کی بیٹی تھی۔ممتاز محل سے شادی کے دو سال قبل ہی اس سے شاہجہاں کا نکاح ہو چکا تھا۔ دوسری بیوی شاہ نواز خاں بن عبدالرحیم خان خاناں کی بیٹی تھی جس سے شاہجہاں نے ممتاز محل سے شادی کرنے کے ساڑھے پانچ سال بعد نکاح کیا تھا لیکن جو محبت شاہجہاں کو ممتاز محل سے تھی وہ کسی بیوی سے نہ تھی۔ممتاز محل کی موت کا شاہجہاں کو اس قدر صدمہ ہوا تھا کہ اس نے حرم سرا میں گھسنا چھوڑ دیا تھا۔رات دن روتا رہتا تھا۔ایک سال کے اندر اندر تقریباً ساری داڑھی سفید ہو گئی تھی اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

زندگی بہر دیدن یار است
یار چوں نیست زندگی حار است

ممتاز محل کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو بطور امانت برہانپور کے ایک باغ میں سپرد زمین کر دیا گیا تا کہ بعد میں یہ لاش برہانپور سے نکال کر آگرہ لے جائی جا سکے۔میت کو زمین کے سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی میت کو عارضی طور پر کسی جگہ دفن کرنا ہوتا ہے تو اسے تابوت میں بند کر کے چھ ماہ، سال بھر یا دو سال کے لئے اس نیت سے زمین کی امانت میں دے دیتے ہیں کہ اسے مدت معینہ کے اندر نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ اس مدت معینہ کے اندر اگر میت کو نکال لیا جائے تو وہ بالکل درست حالت میں نکلتی ہے اور اسے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا جاتا ہے۔

برہان نظام الملک والئی احمد نگر کا قتل

برہان نظام الملک والئی احمد نگر جس کے باپ نے مغلوں کو بے حد پریشان کیا تھا اور اب وہ خود مغلوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔اسے ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں نے قید کرنے کے بعد بادشاہ کو اطلاع دی کہ ”اس اخلاص شعار نے آپ کے مخالف برہان نظام الملک کو مقید کر رکھا ہے۔مراحم شاہی کا امیدوار ہوں۔فرمان صادر کیجئے کہ کیا کیا جائے۔“اس اطلاع کے ملنے کے بعد شاہجہاں نے فتح خاں کو مطلع کر دیا کہ ”واقعی تو ہمارا وفا شعار بن گیا ہے۔تو برہان نظام الملک کا قصہ پاک کر دے۔“ شاہجہاں کا اشارہ پاتے ہی فتح خاں نے برہان نظام الملک کو گلا گھونٹ کر مار

دیا اور مشہور کر دیا کہ وہ اپنی قدرتی موت سے مر گیا ہے۔ برہان نظام الملک کے علاوہ اور بھی احمد نگر کے دس بارہ امیروں کو فتح خاں نے ختم کر دیا اور احمد نگر کے تخت پر برہان کے بیٹے حسین نظام الملک کو جس کی عمر صرف دس سال تھی بٹھا دیا۔ اس کے بعد شاہجہاں نے فتح خاں کو حکم بھیجا کہ وہ نئے بادشاہ کی جانب سے تحائف اور پیشکش بھیج کر اطاعت کا اظہار کرے۔

نظام الملک کا قصہ پاک ہونے کے بعد شاہجہاں نے عادل خاں کے مقابلے کے لئے یمین الدولہ آصف خاں کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ آصف خاں بیجاپور کے اس حکمران کو ان بدعہدیوں کا مزا چکھائے جو اس کی اور اس کے باپ کی جانب سے پے در پے ہوتی رہی ہیں۔

ممتاز محل کی میت برہانپور سے آگرہ میں

ملکہ ممتاز محل کی موت کے تقریباً چھ مہینے بعد ملکہ کی لاش جو کہ سپرد زمین کر دی گئی تھی۔ 17 جمادی الاول 1041ھ کو برہانپور کے باغ سے کھود کر نکالی گئی اور آگرہ کے لئے روانہ کی گئی۔ شاہ شجاع، وزیر خاں اور مرحومہ کی وکیل ستی النساء لاش کے ہمراہ تھے۔ تمام راستے بے اندازہ روپیہ خیرات کیا گیا۔ لاش کو آگرہ لانے کے بعد ایک نہایت ہی خوبصورت قطعہ میں جو کہ جنوب میں تھا 115 جمادی الثانی 1041ھ (1631ء) کو دفن کر دیا گیا۔

ملکہ ممتاز محل کو جس قطعہ زمین میں دفن کیا گیا تھا وہاں زمانہ قدیم سے راجہ مان سنگھ کی حویلی بنی ہوئی تھی جو اس کے پوتے راجہ جے سنگھ کی ملکیت تھی۔ بادشاہ نے راجہ جے سنگھ سے اسے خرید لیا اور حکم دے دیا کہ ملکہ کی قبر پر ایک ایسی نادر روزگار عمارت بنائی جائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ چنانچہ اس عمارت کی تیاری کے لئے ہندوستان کے علاوہ دور دراز سے بہترین صناع بلائے گئے جن میں مور قوم کے عرب صناع بھی شامل تھے۔ بیس سال اس عمارت کی تیاری پر صرف ہوئے اور پچاس لاکھ روپے کے قریب لاگت آئی۔ چنانچہ یہ مایہ ناز عمارت "تاج محل" کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہے اور اس کو دنیا کا ایک عجوبہ شمار کیا جاتا ہے۔

دکن کی مہم کے بعد شاہجہاں کی آگرہ واپسی

برہان نظام الملک کے قتل اور حسین نظام الملک کی تخت نشینی کے بعد شاہجہاں نے ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس کی خدمت میں پیشکش بھیج کر نئے نظام الملک کی جانب سے اطاعت کا اظہار کرے۔ چنانچہ بادشاہ کے اس مطالبے کے مطابق فتح خاں کا بڑا بیٹا عبدالرسول 1041ھ (1631ء) میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نئے نظام الملک کی جانب سے اظہار اطاعت کرتے ہوئے آٹھ لاکھ روپیہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ بادشاہ نے نظام

الملک کا وہ علاقہ واپس کر دیا جو حال ہی میں فتح ہوا تھا۔

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ شاہجہاں نے یمین الدولہ آصف خاں کو عادل خاں والئی بیجاپور کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ اگر یہ بدعہد حکمراں اطاعت قبول نہ کرے تو اسے اچھی طرح سے سابقہ بدعہدیوں کا مزا چکھایا جائے۔ یمین الدولہ نے سب سے پہلے قلعہ بھالکی فتح کیا۔ اس کے بعد سلطان پور جو گلبرگہ کے قریب تھا فتح کیا۔ پھر سلطنت بیجاپور کے اکثر علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ عادل خاں نے حسب عادت صلح کی درخواست کرنی شروع کر دی اور پیغام بھیجا کہ وہ چالیس لاکھ روپیہ بطور نذر پیش کرنے کے لئے تیار ہے اور اطاعت کے لئے بھی آمادہ ہے لیکن اس نے نہ تو روپیہ بھیجا اور نہ اطاعت ہی قبول کی۔ کیونکہ اس کا منشا تو یہ تھا کہ لشکر شاہی کو صلح کے چکر میں پھنسا کر وقت گزاری کرتا رہے۔ یہاں تک کہ غلہ کی کمی سے لشکر شاہی تنگ آجائے اور خود ہی واپس چلا جائے۔ چنانچہ عادل خاں نے تمام مزروعہ علاقوں کو پھونک دیا تھا تاکہ لشکر شاہی کو غلہ اور چارہ نہ مل سکے۔

یمین الدولہ آصف خاں جب عادل خاں کی چالبازیوں سے تنگ آگیا تو اس نے بیجاپور کے مزروعہ اور شاداب علاقوں پر حملہ کر دیا تاکہ ان علاقوں سے لشکر کے لئے غلہ اور چارہ بھی مل جائے اور حکومت بیجاپور بھی ان کی بربادی سے تباہ ہو جائے۔ چنانچہ یمین الدولہ نے بیجاپور کے اکثر علاقے کو بالکل ویران کر ڈالا۔

شاہجہاں نے جب دیکھا کہ احمد نگر مطیع ہو چکا ہے۔ بیجاپور کو تباہ اور برباد کر دیا گیا ہے اور اس کا منشا بڑی حد تک پورا ہو چکا ہے تو وہ دکن کا انتظام مہابت خاں کے سپرد کرنے کے بعد خود ذی الحجہ 1041ھ (1631ء) میں دارالسلطنت آگرہ میں واپس آگیا اور آگرہ آتے ہی ملکہ ممتاز محل کا عرس بڑے اہتمام کے ساتھ کیا۔ ایک لاکھ کے قریب روپیہ خیرات ہوا۔

پرتگیزوں اور انگریزوں کی سازشیں

پرتگیز شہنشاہ اکبر کے ابتدائی دور حکومت ہی میں ہندوستان میں آگئے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں یورپین حکومت کے قیام کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی تھی۔

راس امید کے نئے سمندری راستے کی دریافت کے بعد جس کو کہ ایک عرب ملاح کی مدد سے واسکوڈی گاما نامی ایک پرتگیز نے دریافت کیا تھا۔ یہ ہندوستان میں داخل ہو گئے تھے اور اندر ہی اندر ان کی سرگرمیاں برابر بڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے کالیکٹ اور کوچن میں اپنی تجارتی کوٹھیاں اور فیکٹریاں جو دراصل ان کے فوجی قلعے تھے تیار کر لیں۔ پرتگیزوں نے گوا پر پرتگیزی جھنڈا لہرانے کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ ہندوستان پر جلد سے جلد حملہ کر کے اسے پرتگیزی نوآبادی بنالیا جائے۔

پرتگیزوں کی بدقسمتی کہ چند ہی سال کے بعد ان کا انگریز رقیب بھی ہندوستان میں کود پڑا اور اس نے بھی ''تجارت'' کے پردے میں ہندوستان میں برطانوی حکومت کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ انگریزوں نے پرتگیزوں کو سورت سے مار بھگایا اور جہانگیر کے عہد حکومت میں سورت، احمد آباد اور کیمبے میں پرتگیزوں کی طرح اپنی تجارتی کوٹھیاں یا بالفاظ دیگر فوجی قلعے بنائے۔

ان قلعوں کے بنانے کے بعد پرتگیزوں اور انگریزوں میں ہندوستان کے ساحلی مقامات پر لڑائیاں ہونے لگیں جن میں پرتگیزوں کو شکستوں پر شکستیں اٹھانی پڑیں۔ اسی کے ساتھ انگریزوں نے یہ چال چلی کہ انہوں نے انگریز سفیر سر تھامس رو کے ذریعے ہندوستان میں برطانوی تجارت کے لئے جہانگیر سے خاص مراعات حاصل کر لیں۔ اس طرح انگریزوں نے پرتگیزی عیاروں کی نہ صرف تجارتی اجارہ داری کو ختم کر دیا بلکہ ہندوستان میں پرتگیزی حکومت کے قیام کے دیرینہ تصور کو بھی سخت صدمہ پہنچایا۔

ہندوستان میں پرتگیزوں اور انگریزوں کی تجارت کے نام پر ان سیاسی سرگرمیوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پرتگیز اور انگریز ہندوستان میں تجارت کے نام پر قلعے بناتے رہے اور ان قلعوں کو توپوں سے مسلح کرتے رہے اور محافظوں کے نام سے انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں مسلح فوج بھی ہندوستان میں رکھ لی اور وہ باقاعدہ ہندوستان کے ساحلی مقامات پر آپس میں جنگ بھی کرتے رہے جس سے کہ ہندوستانی بندرگاہوں اور ہندوستانی باشندوں کو شدید نقصانات پہنچے لیکن مغل حکمران ہندوستان میں اس غیر ملکی فوجی یورش کو ایک تماشا اور کھیل ہی سمجھتے رہے اور ان کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ جو یورپین اقوام تجارتی کوٹھیوں کے نام سے ہندوستان میں قلعے بنا رہی ہیں، محافظوں کے نام سے فوجی بھرتی میں مصروف ہیں، مغلوں کے مقابلے میں جدید ترین آلات حرب سے آراستہ ہیں اور جو ایک ایسے بحری بیڑے کی مالک ہیں جس کا مقابلہ مغل فرمانروا کسی طرح بھی نہیں کر سکتے وہ مغلوں کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر پرتگیزوں اور انگریزوں میں رقابت نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو پرتگیز گوا پر قبضہ جمانے کے بعد نہایت آسانی کے ساتھ ایک بڑا سمندری بیڑا لا کر سارے جنوبی ہند پر آسانی سے قابض ہو جاتے اور مغل جن کے پاس سرے ہی سے سمندری بیڑا نہ تھا ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے اور ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط سے بہت قبل پرتگیزی حکومت قائم ہو جاتی۔ یہ حقیقت ہے کہ مغلوں نے یورپین طاقتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بہت بڑی سیاسی غلطی کی تھی جس کا خمیازہ ان کو آگے چل کر اٹھانا پڑا اور اسی سیاسی غلطی کی بنا پر انگریزوں نے بڑی آسانی سے مغلوں سے ہندوستان کی حکومت چھین لی۔

پرتگیزوں کا ہندوستانیوں پر ظلم وستم

پرتگیزوں نے جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرح بنگال کے ساحل پر بھی ہگلی میں اپنے تجارتی قلعے تیار کر لئے تھے۔اس کے علاوہ چٹا گانگ کی بندرگاہ بھی پرتگیزوں کو مل گئی تھی۔ بنگال کے مغل گورنروں کی بے عقلی یا یوں کہیے کہ رشوت ستانی کی بدولت پرتگیوں نے ہگلی کے علاقے میں اچھی خاصی اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ان کے مکانات اور قلعے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔انہوں نے برائے نام رقم میں ہگلی کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔اس علاقے میں عظیم الشان قلعے تعمیر کر لئے تھے اور ان قلعوں پر توپیں چڑھادی گئی تھیں۔یعنی ہگلی اچھی خاصی پرتگیزوں کی ایک نوآبادی بن گئی تھی۔جس میں ہزاروں بنگالیوں کے علاوہ تقریباً پندرہ ہزار پرتگیزی آکر آباد ہو گئے تھے۔ پرتگیزوں کے جہاز آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ کروڑوں روپیہ کا مال تجارت لانے اور لے جانے کے علاوہ یہ جہاز بے اندازہ گولہ وبارود اپنے ان قلعوں میں جمع کر رہے تھے اور مغل حکام خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔

پرتگیز اپنے مقصد میں تقریباً کامیاب ہو چکے تھے لیکن اپنی طاقت کے زعم میں انہوں نے بنگالیوں پر طرح طرح کے مظالم کر کے شاہجہاں کو بیدار کر دیا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید شاہجہاں کی آنکھ اس وقت کھلتی جب پرتگیزی بنگال پر قبضہ جمانے کے بعد دارالسلطنت کی جانب بڑھنے لگتے۔ پرتگیزوں سے حماقت یہ ہوئی کہ انہوں نے ہندوستانیوں کو پکڑ پکڑ کر بردہ فروشی کرنی شروع کردی۔ہگلی کے باشندوں کو تو یہ کچھ نہ کہتے تھے لیکن ہگلی کے علاقے میں جو ہندوستانی بھی آجاتا تھا یہ اسے غلام بنالیتے تھے اور یورپ لے جا کر اس کے کوڑے کر لیتے تھے۔اس کے علاوہ خود ان کی ہگلی کی رعایا میں جب کوئی وارث خاندان مرجاتا تھا تو اس کے مال وجائیداد، بیوی بچوں کے مالک پرتگیزی قرار دے دیئے جاتے تھے۔مرنے والے کا مال واسباب ضبط ہو جاتا تھا اور اس کے بیوی بچے یورپ میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے جاتے تھے۔

پرتگیزوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بالجبر عیسائی بنانے کی بھی مہم شروع کر دی تھی۔ یہ ہندو مسلمانوں کو اِدھر اُدھر سے پکڑ کر ہگلی لے آتے تھے۔بالجبر ان کو عیسائی بنالیتے تھے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے خیالی مجسموں کے سامنے ان کو جھکاتے تھے۔سمندری ڈاکہ زنی جو ان کا پرانا پیشہ تھا اسے انہوں نے ہندوستان آنے کے بعد خوب ترقی دے دی تھی۔نہ تجارتی جہاز ان سے محفوظ تھے اور نہ حاجیوں کے جہاز۔غرض کہ انہوں نے اپنی مجرمانہ خصلتوں کی بنا پر اس قدر طوفان برپا کر دیا کہ مظلوموں کی آہ وبکا کی صدائیں شاہجہاں کے کانوں تک بھی پہنچنے لگیں اور شاہجہاں سے بار بار یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ ان یورپین لٹیرں اور بردہ فروشوں سے ہندوستان کو

پاک کرے جو اس ملک کے باشندوں کے لئے مستقل مصیبت بنے ہوئے ہیں۔

ظالم پرتگیزوں کا قتل عام

پرتگیزوں کا ایک غیر حکومت میں یہ ظلم وستم ایسا نہ تھا جسے نظرانداز کیا جا سکتا۔ چنانچہ شاہجہان کو ان کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھانا پڑا۔ پرتگیزوں کی اس لاقانونی کو ترقی دینے میں کیونکہ رشوت خور مغل حکام کا بھی ہاتھ تھا اس لئے شاہجہان نے اپنے معتمد خاص قاسم خاں کو بنگال کا گورنر بنا کر روانہ کیا اور اسے ہدایت کر دی کہ مغل حکام کو اس وقت تک پرتگیزوں کے خلاف مہم کی خبر نہ دی جائے جب تک کہ پرتگیزوں کو اچانک چاروں طرف سے گھیر نہ لیا جائے۔ شاہجہان جانتا تھا کہ اگر عام لڑائیوں کی طرح پرتگیزوں پر حملہ کرنے کا اہتمام کیا گیا تو رشوت خور مغل حکام پہلے سے پرتگیزوں کو خبردار کر دیں گے اور اس طرح پرتگیزوں کو ان کے مذموم افعال کی سزا نہیں مل سکے گی۔

قاسم خاں نے شاہجہان کی ہدایت کے مطابق یہ رازدارانہ مہم اپنے بیٹے عنایت اللہ کے سپرد کر دی جس نے بڑی قابلیت کے ساتھ ٹکڑیوں میں اپنی فوج کو اس طرح پرتگیزوں کے قلعوں کے چاروں طرف پھیلا دیا کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہوا۔ عنایت اللہ خود بڑی خاموشی کے ساتھ ہگلی کے دہانے پر فوج جمع کرتا رہا۔ پھر اچانک ایک بڑی فوج لے کر پرتگیزوں پر ٹوٹ پڑا۔ پرتگیز جو جنگی چالوں میں مغلوں سے کہیں زیادہ ہشیار تھے انہوں نے فوراً اپنے قلعوں کے دروازے بند کر لئے لیکن پھر بھی بے شمار پرتگیزی مارے گئے اور قید ہوئے۔

پرتگیزی قلعوں کے استحکام اور مضبوطی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مغلیہ حکومت کی پوری طاقت کے باوجود تین مہینے تک مغل ان کا ایک بھی قلعہ نہ لے سکے۔ یہ قلعہ میں محصور ہو کر مغلوں پر جی کھول کر بمباری بھی کرتے رہے اور برابر صلح کے پیغامات بھی بھیجتے رہے۔ انہوں نے مغل سردار کو ہموار کرنے کے لئے رشوت کا ایک لاکھ روپیہ بھی بھیج دیا لیکن مغل سردار بدستور ان کی بیخ کنی کے لئے جما رہا آخر اس نے ان کے قلعوں کے نیچے خندقیں کھدوائیں اور بارود بھر کر ان کے قلعے کی دیوارں کو اڑوا دیا۔ تب کہیں مغل فوجیں ان کے سنگین قلعوں میں داخل ہو سکیں۔ پرتگیزوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر پرتگیزوں کو شکست ہوئی۔ ہزاروں مارے گئے۔ دس ہزار عورت و مرد گرفتار ہوئے کچھ سمندر کے راستے جہازوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔

پرتگیزوں نے چونکہ بالجبر ہندو اور مسلمانوں کو عیسائی بنایا تھا اس لئے حکم دیا گیا کہ ان کو بھی بالجبر مسلمان بنایا جائے اور جو مسلمان نہ بنے اس کو غلام بنا لیا جائے۔ ان کا گرجا جو سازشوں کا اڈا تھا وہاں مسجد تعمیر کرا دی گئی۔ غرض کہ اس فتنے کو جو برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا بڑی حد تک دبا دیا گیا۔ شاہجہان نے پرتگیزوں پر یہ ایک ایسی کاری ضرب لگائی تھی جس کے بعد ہندوستان میں ان کا

شیرازہ بالکل بکھر گیا۔لیکن انگریزوں کی طرف اب بھی مغلوں نے توجہ نہیں دی اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر شغال سے نجات مل بھی گئی تو اس کا دوسرا بھائی سگِ زرد تو اب بھی ہندوستان میں زندہ و سلامت موجود ہے۔

شاہجہاں کا غیر اسلامی مراسم میں حصہ لینے سے انکار

اسی سال شاہجہاں سے آگرہ میں ہندو معززین کے ایک وفد نے ملاقات کی اور اس بات کی خواہش کی کہ اکبر اور جہانگیر کی طرح وہ بھی ہندو تہواروں اور ہندو مراسم میں حصہ لے۔شاہجہاں نے ان کو جواب دیا کہ ''جہاں تک عقائد کا تعلق ہے۔یہ ضروری نہیں کہ میں باپ دادا کی تقلید کروں۔کیونکہ ہمارے ہاں باپ دادا کے عقائد پر نہیں چلا جاتا بلکہ اسلام کے عقائد پر چلا جاتا ہے۔لیکن بادشاہ ہونے کے اعتبار سے خواہ میں کسی عقیدے کا کیوں رہوں۔میری رعایا کو اپنے مذہبی مراسم کی ادائیگی میں وہی آزادی حاصل ہوگی جو میرے باپ دادا کے دور حکومت میں تھی۔''
اس پر شاہجہاں سے شکایت کی گئی کہ بنارس میں مزید مندروں کی تعمیر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔شاہجہاں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''بنارس میں اتنے مندر بن چکے ہیں کہ ان کو پوجا پاٹ کرنے والے بھی میسر نہیں۔ایسی حالت میں وہاں مزید مندروں کا تعمیر کرنا مندروں کی بے حرمتی کے ہم معنی ہے۔'' اس کے بعد شاہجہاں نے خاطر و مدارات کے بعد ہندو معززین کے اس وفد کو انعام واکرام دے کر رخصت کر دیا۔

شہزادہ اورنگزیب کا مست ہاتھی سے مقابلہ

شاہجہاں ہر سال ہاتھیوں کے لڑنے کا تماشا بڑے شوق سے دیکھا کرتا تھا۔1042ھ (1632ء) میں جب ہاتھیوں کی لڑنت ہوئی تو بادشاہ نے شہزادوں کو حکم دیا کہ وہ جھروکہ میں بیٹھ کر یہ تماشا دیکھنے کے بجائے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس میدان میں جائیں جہاں ہاتھی لڑ رہے ہیں۔ چنانچہ سب شہزادے گھوڑوں پر سوار ہو کر میدان میں چلے گئے۔شہزادہ اورنگزیب جو دوسرے شہزادوں کے مقابلے میں کم عمر ہونے کے باوجود بہت زیادہ جری تھا۔وہ لڑنے والے ہاتھیوں کے بالکل قریب اپنے گھوڑے کو لے کر پہنچ گیا۔اسی دوران لڑنے والے ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی مست ہونے کے بعد اورنگزیب کی طرف لپکا۔اورنگزیب نے پوری طاقت کے ساتھ اس کی پیشانی پر بھالا مارا تو اور بھی زیادہ غصے میں بھر گیا اور شہزادے کو مع گھوڑے کے پکڑ کر سونڈ پر اٹھا لیا۔ شہزادہ کود کر پھر ہاتھی کے مقابلے پر آ گیا اور اس نے اپنی تلوار سے ہاتھی کو اس بری طرح زخمی کیا کہ وہ فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔شاہجہاں نے فوراً بیٹے کو بلایا، گلے لگایا اور اس کے برابر تین مرتبہ

اشرفیاں تلوا کر خیرات کیں۔

مرہٹہ سردار شاہ جی بھونسلہ کی دکن میں شورش

مرہٹہ سردار شاہ جی بھونسلہ جو سابق نظام الملک والئی احمد نگر کی فوج میں ایک سردار تھا۔ جسے بعد میں جاگیر عطا کرنے کے بعد امرائے سلطنت کے زمرہ میں نظام الملک نے اس لئے شامل کرلیا تھا کیونکہ وہ اسے مغلوں کے مقابلے پر استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن سابق نظام الملک کے مارے جانے اور حسین نظام الملک کے مغلوں کی اطاعت قبول کرنے کے بعد حکومت احمد نگر میں بھونسلہ کا اقتدار ختم ہوگیا تھا۔ حسین نظام الملک نے اس سے جاگیر چھین کر ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں کو دے دی تھی۔ جس سے شاہ جی بھونسلہ ناراض ہوکر عادل خاں کے پاس بیجاپور چلا گیا۔

شاہ جی بھونسلہ نے جب دیکھا کہ فتح خاں مغلوں کا مطیع بن چکا ہے اور اس نے مغل سپہ سالار مہابت خاں کو قلعہ دولت آباد کی پیشکش کی ہے تو اس نے عادل خاں والئی بیجاپور سے ملنے کے بعد یہ کوشش شروع کی کہ قلعہ دولت آباد کسی طرح بھی مغلوں کے قبضے میں نہ جانے پائے۔

قبل اس کے کہ مہابت خاں، فتح خاں کی پیشکش پر قلعہ دولت آباد پر آکر قبضہ جماتا۔ شاہ جی بھونسلہ بیجاپور سے ایک بڑا لشکر لے کر مغلوں کے مقابلے پر آگیا۔ ادھر عادل خاں نے فتح خاں کو یہ خوف دلا کر ہموار کرلیا کہ اگر دولت آباد کا قلعہ مغلوں کے قبضے میں چلا گیا تو پھر سارا دکن مغلوں کا غلام بن جائے گا۔ چنانچہ وہی فتح خاں جس نے کہ مہابت خاں کو دولت آباد کے قلعہ پر قبضہ جمانے کے لئے لکھا تھا۔ درپردہ مغلوں کے دشمنوں سے مل گیا۔ چنانچہ جب مغل فوجیں مہابت خاں کی سرکردگی میں شاہ جی بھونسلہ کو شکست دینے کے بعد قلعہ دولت آباد کے نیچے پہنچیں تو بجائے اس کے کہ یہ قلعہ مغلوں کے سپرد کیا جاتا۔ مغلوں پر قلعہ کے اندر سے گولہ باری شروع ہوگئی لیکن مہابت خاں نے اس کے باوجود بھی قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔

قلعہ دولت آباد کی فتح

ایک طرف تو مہابت خاں دولت آباد کے محاصرے میں مصروف تھا۔ دوسری جانب مغل فوج کے دستوں نے شاہ جی بھونسلہ اور عادل خاں والئی بیجاپور کی ان فوجوں کا مقابلہ کرنا شروع کردیا جو قلعہ دولت آباد کی فتح کے لئے بار بار حملے کے لئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ لیکن مغل فوج کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ پیدا ہوگئی کہ شاہ جی بھونسلہ اور عادل خاں نے رسد کے تمام راستے بند کردیئے لیکن پھر بھی تھوڑی بہت رسد مغل فوج کو پہنچتی ہی رہی۔

مخالف فوج کا ایک سردار مخلدار خاں جو فتح خاں کے مظالم سے تنگ آچکا تھا اس نے مہابت

خاں کو پیغام بھیجا کہ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ مہابت خاں نے شاہ جی بھونسلہ کی سرکوبی کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ محلدار خاں نے فوراً قریب کے پہاڑی علاقے میں جا کر شاہ جی بھونسلہ کے اہل وعیال کو گرفتار کر لیا اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ، چار سو گھوڑے اور چار سو ہاتھی اس کے ہاتھ لگے۔

فتح خاں کو جب پتہ چلا کہ محلدار خاں مغلوں سے مل گیا ہے اور اس نے شاہ جی بھونسلہ کا گھر بار لوٹ لیا ہے تو وہ گھبرایا اور اس نے بھی مغلوں سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی یہاں تک کہ قلعہ کی کنجیاں بھی سپرد کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مہابت خاں نے جب اس کی صلح کی پیشکش قبول کر لی۔ چنانچہ فتح خاں نے حسب وعدہ قلعہ مغلوں کو دے دیا۔ مغل فوج اس ناقابل تسخیر قلعہ میں 19 ذی الحجہ 1043ھ (1633ء) کو 58 دن کے محاصرے کے بعد داخل ہو گئی۔ احمد نگر کے صغیر سن بادشاہ حسین نظام الملک کو گرفتار کر کے آگرہ لایا گیا۔ جہاں سے اسے گوالیار بھیج کر قید میں ڈال دیا گیا اور اس طرح حکومت احمد نگر کے قلب یعنی دولت آباد پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس معرکے سے فرصت پانے کے بعد مہابت خاں نے ظفر نگر کی جانب فوجوں کا رخ کر دیا۔ قدم قدم پر بیجاپور کی فوجوں سے مغل فوج کا سخت مقابلہ ہوا۔ ہر مرتبہ بیجاپور کی فوج کو شکست ہوئی۔ مہابت خاں نے ظفر نگر پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بیجاپوری مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ اسی دوران میں راجہ بھارت نے جس کو تلنگاہ کی فتح کے لئے بھیجا گیا تھا، قلعہ ویکلور کی فتح کی خوشخبری بھیجی۔ غرض کہ ان معرکوں میں مغلوں کو بڑی کامیابی ہوئی۔

شاہجہاں کی کشمیر اور پنجاب کے لئے روانگی

باوجود یہ کہ شاہجہاں کی تخت نشینی کو چھ سال گزر چکے تھے لیکن شاہجہاں پنجاب نہ جاسکا تھا۔ حالانکہ پنجاب جیسے اہم صوبے میں شاہجہاں کا جانا ضروری تھا۔ 1043ھ (1633ء) میں وہ پہلی مرتبہ لاہور گیا۔ لاہور آنے کے بعد انتظامات کا جائزہ لیا۔ امرائے پنجاب کو خطابات اور انعامات سے نوازا۔

لاہور سے شاہجہاں انبالہ گیا۔ وہاں نئی عمارتوں کے بنانے کا حکم دیا۔ انبالہ سے دوبارہ لاہور گیا۔ جہانگیر کی بنائی ہوئی عمارتیں کیونکہ اسے پسند نہیں تھیں اس لئے ان کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا۔ شاہجہاں کو عمارتیں بنانے کا ابتدا ہی سے شوق تھا۔ وہ اپنی مملکت میں جہاں بھی جاتا تھا ایسی عمارتیں کھڑی کر دیتا تھا جو آج بھی سلطنت مغلیہ کی عظمت کی داستانیں سنا رہی ہیں۔

شاہجہاں لاہور سے کشمیر پہنچا۔ کشمیر کے ایک ایک چپے کی سیر کی۔ وہاں بھی نئی عمارتوں کی تعمیر کی داغ بیل ڈالی۔ کشمیر کے علماء، فضلا اور معززین کو خلعتیں دیں اور کشمیر میں تین مہینے رہنے کے

بعد واپس ہوا۔ وہاں سے انچہ میں آیا۔ انچہ کا نام بدل کر اسلام آباد رکھا اور حکم دیا کہ یہاں باغ اور خوشنما عمارتیں بنائی جائیں۔ اس کے بعد بادشاہ لاہور چلا گیا۔

کشمیر میں غیر اسلامی مراسم کا تدارک

کشمیر میں زمانہ دراز سے غیر اسلامی مراسم کا رواج تھا۔ بھمبر کے مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ بے تکلف ہندو عورتوں سے شادیاں کر لیتے تھے اور ہندوؤں کو اپنی بیٹیاں دے دیتے تھے۔ ہندو کی وہ بیٹی جو مسلمان کے گھر میں ہوتی تھی جب مر جاتی تھی تو اس کو دفن کرتے تھے اور مسلمان کی بیٹی جو ہندو کے گھر میں ہوتی تھی اسے مرنے پر جلایا جاتا تھا۔

شاہجہاں نے کشمیر میں یہ بے دینی دیکھی تو اس نے حکم دے دیا کہ کوئی مسلمان کسی ہندو عورت سے اس وقت تک شادی نہ کرے جب تک کہ وہ عورت بخوشی اسلام قبول نہ کر لے۔ ہندو عورتیں جو مسلمانوں کے گھروں میں تھی ان کو آزادی دی گئی کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا اپنے والدین کے پاس چلی جائیں۔ اکثر نے اسلام قبول کر لیا اور ان کا دوبارہ نکاح کیا گیا۔ جنہوں نے اسلام قبول کرنا پسند نہیں کیا وہ ان کے والدین کو واپس کر دی گئیں۔ اسی طرح ہندوؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ کسی مسلمان عورت کو جب تک کہ وہ مسلمان ہے اپنے گھر میں نہ رکھیں۔ اس کے علاوہ علماء مقرر کئے گئے تاکہ کشمیریوں کو ارکان اسلام سے واقف کریں۔ شاہجہاں نے اسی طرح گجرات اور پنجاب میں بھی مسلمان عورتوں کو ہندوؤں کے تصرف سے نکالا اور ہندو عورتوں کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال کر ان کے والدین کے حوالے کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ان مسجدوں کو واگزار کرایا جن کو ہندو عام عمارتوں کی طرح استعمال کر رہے تھے۔

شاہجہاں کو پنجاب میں اطلاع ملی کہ مہابت خاں جو مدت سے بھگندر کے مرض میں مبتلا تھا جاں بحق ہو گیا ہے۔ بادشاہ کو اس خبر سے بے حد افسوس ہوا۔ مہابت خاں نے گزشتہ چھ سات سال کے اندر شاہجہاں کی حکومت کے لئے اہم ترین خدمات انجام دی تھیں۔ شاہجہاں چند روز پنجاب میں رہنے کے بعد آگرہ واپس چلا گیا۔

ایک کروڑ کی لاگت سے تخت طاؤس کی تیاری

تخت طاؤس جس کی "تاج محل" کی طرح ساری دنیا میں شہرت ہوئی اسے شاہجہاں نے تیار کرایا تھا۔ شاہجہاں نے 1044ھ (1634ء) میں حکم دیا کہ جواہرات سے مرصع ایک ایسا تخت شاہی تیار کرایا جائے جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہ مل سکے۔ شاہجہاں نے 80 لاکھ کے جواہرات اس تخت شاہی کے لئے جواہر خانے سے نکلوائے۔ ایک لاکھ تولہ سونا اس تخت کے لئے دیا گیا اور تخت

طاؤس کی تیاری شروع ہوگئی۔ یہ سات سال میں بن کر تیار ہوا۔

تخت طاؤس دنیا کے نوادرات میں سے تھا۔ یہ تین گز لانبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا۔ اس کی اونچائی پانچ گزی کی تھی۔ اس کی چھت جواہرات سے مرصع تھی جو بارہ زمرد کے ستونوں پر قائم تھی جس پر دو مرصع طاؤس رقص کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ ان دونوں طاؤسوں کے درمیان جواہرات سے مرصع ایک درخت بنایا گیا تھا۔ غرض کہ یہ تخت ہندوستانیوں کی صناعی کا ایک عجوبۂ روزگار نمونہ تھا۔

شاہجہاں کے زمانے میں جبکہ سونا بارہ چودہ روپیہ تولہ تھا اور جواہرات بے حد ارزاں تھے۔ اس تخت پر ایک کروڑ روپیہ کی لاگت آئی تھی۔ یہ تخت طاؤس کئی پشتوں تک مغل بادشاہوں کے قبضے میں رہا۔ لیکن حکومت مغلیہ کے زوال کے بعد جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ ہندوستان سے جاتے ہوئے اس تخت طاؤس کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

قطب الملک والئ گولکنڈہ کی اطاعت

شاہجہاں نے 1045ھ (1635ء) میں قطب الملک والئ گولکنڈہ کو اطاعت کا پیغام بھجوانے کے بعد کہلوایا کہ "تم کو چاہیے کہ ہماری اطاعت قبول کرو۔ ہم کو حیرت ہے کہ تم اپنے آپ کو ظاہر تو یہ کرتے ہو کہ ہمارے مرید ہو لیکن اپنی حکومت میں شاہ ایران کا خطبہ پڑھواتے ہو۔ آئندہ سے شاہ ایران کے نام کے بجائے ہمارے نام کا خطبہ پڑھواؤ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمہاری مملکت میں تمہارے ایما سے صحابہ کرام پر تبرا بھیجا جاتا ہے۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ اپنے ملک سے اس فعل شنیع کو دور کرو اور پیشکش کا روپیہ فوراً ادا کردو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمہارے ملک کو فتح کرلیا جائے گا۔ لیکن اگر تم اقرار اطاعت کے بعد بادشاہی احکامات کی تعمیل کرو گے تو تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا جائے گا۔"

جب شاہی پیغام بر عبداللطیف شاہجہاں کا یہ پیغام لے کر قطب الملک کے پاس حیدرآباد پہنچا تو قطب الملک نے فرمان شاہی کا استقبال کیا اور انتہائی عقیدت کا اظہار کیا۔ پیغامبر کو اپنے ساتھ لایا۔ پیشکش مہیا کی اور جمعہ کو خود جامع مسجد میں گیا۔ خطبہ میں صحابہ کرام کے اسمائے مبارک داخل کیے۔ شاہجہاں کا نام شاہ ایران کے نام کی بجائے خطبہ میں پڑھوایا۔ اس کے بعد شاہجہاں کا سکہ اپنی مملکت میں جاری کیا اور شاہجہاں کے سکے کے روپے اور اشرفیاں بطور نمونہ پیغامبر کو دیئے تاکہ وہ انہیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کردے۔ اس کے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ بطور پیشکش بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور پیغامبر کے ذریعے بادشاہ کو یقین دلایا کہ اس کی مملکت بادشاہ کی مطیع اور فرمانبردار رہے گی غرض کہ قطب الملک نے بغیر کسی جنگ اور ہنگامہ کے شاہجہاں کی

اطاعت قبول کرلی۔

والئ بیجاپور سے اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ

عادل شاہ والئ بیجاپور جس کا باپ جہانگیر کے دورِ حکومت میں اطاعت قبول کر چکا تھا وہ پھر بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے مغلوں کو سالانہ پیشکش بھیجنی بند کر دی تھی اور شاہ جی بھونسلہ کو شہ دے کر احمد نگر کے بعض علاقوں پر اس کا قبضہ کرا دیا تھا۔ شاہجہاں نے والئ بیجاپور کو راہ راست پر لانے کے لئے مکرمت خاں دیوان بیوتات کے ذریعے 1045ھ (1635ء) میں مندرجہ ذیل پیغام بھیجا:۔

''تمہارا باپ مرتے دم تک ہمارا اطاعت شعار رہا۔ اس سے جو غلطیاں ہوئی تھیں اس کا اصلی محرک ملک عنبر تھا۔ عنبر کے مرنے کے بعد جو تمہاری عرائض ہمارے پاس آتی رہی ہیں ان میں تم نے بھی اخلاص مندی کا اظہار کیا ہے۔ تمہاری عرائض پر اعتبار کرتے ہوئے ہم نے بھی تمہارے باپ کا ملک از راہ عنایت تمہارے ہی قبضے اور تصرف میں رہنے دیا۔ تم کو چاہیے کہ ہمیشہ مطیع اور فرمانبردار رہو اور فرائض بندگی بجالاؤ۔ تم کو معلوم ہے کہ دولت آباد اور احمد نگر جو نظام الملک کے ملک تھے وہ ہمارے تصرف میں آ گئے ہیں اور قلعہ گوالیار میں دونوں نظام الملک مقید ہیں۔ نظام الملک کا تمام ملک اور سامان حرب ہمارے قبضہ قدرت میں ہے لیکن نظام الملک کی حکومت کے بعض علاقے شاہ جی بھونسلہ جیسے اوباشوں نے تمہاری مدد سے دبا لئے ہیں۔ اگر تم اپنی بہبود چاہتے ہو تو ان اوباشوں کی حمایت سے باز رہو اور مقررہ پیشکش بھیجتے رہو۔ ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں کہ قلعہ شولا پور جس کی آمدنی نو لاکھ ہے اور جس کو ہم نے تمہارے باپ سے لے کر ملک عنبر کو دے دیا تھا، ہم تم کو پھر عنایت کرتے ہیں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو بجز مرحمت کے تمہارے ساتھ اور کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا تو جو کچھ تمہارا اور تمہارے ملک کا حال ہوگا وہ تمہارے خراب اعمال کا نتیجہ ہوگا۔''

جب مکرمت خاں عادل شاہ کے پاس بادشاہ کا یہ فرمان لے کر آیا تو اس نے مجبوراً اس فرمان کا اس لئے استقبال اور احترام کیا کیونکہ مغل فوجیں دکن میں موجود تھیں لیکن اس کی حرکات اور سکنات سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ دشمنوں سے ملا ہوا ہے اور اطاعت کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ مکرمت خاں نے واپس آنے کے بعد بادشاہ کو عادل شاہ کی روش سے آگاہ کیا تو شاہجہاں نے حکم دیا کہ بیجاپور کے سارے علاقے کو تاراج کر دیا جائے۔

شاہ جی بھونسلہ کی ہنگامہ آرائی

باوجود یہ کہ قلعہ گوالیار میں ایک کی بجائے دو نظام الملک مقید تھے لیکن شاہ جی بھونسلہ نے نظام الملک کے خاندان کے ایک لڑکے کو نیا نظام الملک بنا دیا یعنی نظام شاہی حکومت جو ختم ہو چکی تھی اس کی بنیاد نئے سرے سے رکھ دی اور اس لڑکے کو کٹھ پتلی بنا کر اس نے نظام شاہی قلعوں اور علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔

شاہجہاں نے اس نئے فتنے کو دبانے کے لئے خان دوراں خاں، خان زماں خاں، شائستہ خاں، اللہ وردی خاں اور بہت سے دوسرے فوجی سرداروں کو اڑتالیس ہزار سوار دے کر روانہ کیا اور ہدایت کی کہ اگر عادل شاہ راہ راست پر آ جائے اور شاہی فوج کے ساتھ مل کر شاہ جی کی بیخ کنی کرے تو اسے معاف کر دیا جائے ورنہ اس کے ملک پر یورش کرے، تباہ و برباد کر دیا جائے۔

جب یہ فوجیں دکن میں داخل ہوئیں تو پتہ چلا کہ شاہ جی بھونسلہ عادل شاہ اور عادل شاہ کا سردار اندولہ خاں مغلوں کے لشکر کے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ بادشاہ کی ہدایت کے مطابق شاہ جی بھونسلہ پر حملے کے ساتھ عادل شاہ کے علاقے بیجاپور پر بھی پوری طاقت کے ساتھ یورش کر دی جائے۔

شاہ جی اور عادل شاہ کے خلاف حملہ

مغل فوجوں کو تین چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ وہ ایک ہی وقت میں دشمنوں کے مختلف علاقوں پر حملہ کر کے ان کو سراسیمہ کر دیں۔ اللہ وردی خاں کے لشکر نے حملہ کر کے قلعہ دھرپ فتح کر لیا، قلعہ انجرائی پر قبضہ جما لیا اور احمد نگر کا وہ علاقہ فتح کر لیا جس پر دشمنوں کا قبضہ تھا۔

شائستہ خاں کی فوج نے بھی شاہ جی بھونسلہ کے بیٹے کے قبضے سے بہت سے پرگنے نکال لئے اور جنیر کے سرکشوں کی تادیب کے بعد وہاں کا انتظام کیا اور شاہ جی کے بیٹے کو جنیر کے قریب گھیر لیا۔ شاہ جی کا بیٹا مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔

خان دوراں خاں بیجاپور کے علاقے کو تباہ کرنے کے لئے بڑھا۔ قصبہ کلیاں پر حملہ کر کے تباہ کر دیا۔ نہ مکان چھوڑے، نہ سامان چھوڑا، ہزاروں کو غلام بنا لیا۔ پچاس سے زیادہ قصبوں اور شہروں کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد خان دوراں خاں کا لشکر نواح بیجاپور میں آیا اور جدھر بھی گیا آبادی کو ویرانہ بناتا چلا گیا۔ گلبرگہ کے قریب قصبہ ہیراپور کو لوٹا۔ ہیراپور کے قریب مغلوں کا دکھنیوں کے لشکر سے سخت مقابلہ ہوا مگر دکھنی فوج فرار ہو گئی۔ خان دوراں خاں نے آگے بڑھ کر قلعہ سرادھوں پر جو بیجاپور کا دروازہ تھا حملہ کر کے فتح کر لیا۔ غرض کہ مغل فوج نے بیجاپور کے ایک

ایک گوشے کو ویران کر دیا۔

جب عادل شاہ نے دیکھا کہ مغلیہ فوج کا سیلاب کسی طرح رکتا ہی نہیں تو اس نے فوراً بادشاہ کے پاس اپنا پیغامبر بھیج کر بادشاہ کے وہ تمام مطالبات منظور کر لئے جو بادشاہ نے مکرمت خاں کے ذریعے عادل شاہ کے پاس بھیجے تھے۔ عادل شاہ نے اقرار کیا کہ وہ بیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج بھیجتا رہے گا۔ نیز وعدہ کیا کہ وہ شاہ جی بھونسلہ کو اس وقت تک ملازم نہیں رکھے گا جب تک کہ وہ نظام الملک کے تمام قلعوں کو شاہی عمال کے حوالے نہ کر دے گا اور اگر ان قلعوں کو فتح کرنے کی ضرورت پڑی تو وہ شاہ جی بھونسلہ کی سرکوبی میں شاہی فوجوں کا ساتھ دے گا۔ عادل شاہ کے اس اقرار اطاعت کے بعد بادشاہ کے حکم سے اس کے خلاف جنگ بندی کر دی گئی۔

عادل شاہ کے نام شاہجہاں کا فرمان

عادل شاہ نے کن شرائط پر حکومت مغلیہ کی اطاعت قبول کی تھی ان کی تفصیل شاہجہاں کے اس تاریخی فرمان میں موجود ہے جو شاہجہاں نے عادل شاہ کے اقرار اطاعت کے بعد اسے بھیجا تھا۔ شاہجہاں کے فرمان کی عبارت یہ ہے:۔

> ''یہ امر ہمارے لئے باعثِ اطمینان و موجب مسرت ہے کہ ہم نے تم کو جو حکم دیا تھا وہ تم نے قبول کر لیا۔ اور طریقِ اطاعت اختیار کیا۔ اس لئے ہم تمہاری تقصیرات کو معاف کر کے تم پر از سرنو عنایت و مرحمت کرتے ہیں ہم نہیں چاہتے تھے کہ تم پر بے عنایتی کریں اور تمہارے ملک میں خرابی پیدا کریں مگر تمہارے کوتاہ اندیش آدمیوں کی وجہ سے یہ دونوں باتیں لازم ہو گئیں۔ بہرحال چونکہ تم نے اس غلط راہ سے بازگشت اختیار کی اس لئے ہم نے بھی وہ سارا ملک جو عادل خاں مرحوم کے پاس تھا۔ تم کو مرحمت کیا اور اس پر مزید یہ کہ نظام الملک کے ملک میں سے محال ونکور اور قلعے۔ شولاپور۔ قلعہ پرندہ مع پرگنات۔ پرگنہ بھالکی۔ پرگنہ وجیت۔ نظام الملک کی ولایت کوکن اور قلعے۔ اور پرگنہ چاگنہ یہ سب مل کر پچاس پرگنوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور جس کا محصول بیس لاکھ روپیہ ہے۔ ہم تم کو عنایت کرتے ہیں۔ نظام الملک کا باقی تمام ملک ممالک محروسہ میں شامل کیا جاتا ہے تم کو اور تمہاری اولاد کو نسلاً بعد نسلاً۔ ان شرائط پر پابند رہنا ہوگا۔''
>
> ''شرط اوّل یہ ہے کہ تم مریدی و اخلاص کو نہ چھوڑو۔ فرمان کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرو۔ شرط دوم یہ ہے کہ نظام الملکی کوئی باقی نہ

رہے جو نظام الملکی باقی رہا ہو۔ وہ عادل خانی بن جائے۔ نیز جو پیش کش بیس لاکھ روپیہ کی منظور ہوئی ہے۔ وہ مکرمت خاں کے ہمراہ درگاہ والا میں بھیج دو۔ قطب الملک جو ہمارے عقیدتمندوں میں شامل ہو چکا ہے تم کو چاہئے کہ اسے کوئی ضرر نہ پہنچاؤ۔ شاہ جی اور ریحان شولا پوری کو اپنی درگاہ میں راہ نہ دو۔ شاہ جی کے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے۔ اس لئے ظن غالب ہے کہ وہ تمہاری نوکری کرے گا۔ اس صورت میں شاہ جی سے کہہ دو کہ وہ قلعہ جنیر۔ قلعہ تربتگ۔ قلعہ راج دیو بیر۔ قلعہ ترنکلواری اور قلعہ ہم گر کو جو اس کے تصرّف میں ہیں جلدی خالی کر کے ہمارے نوکروں کے حوالے کر دے۔ اور اگر بالفرض شاہ جی تمہاری نوکری نہ کرے تو اسے اپنے ملک میں نہ آنے دو۔ قلعہ اوسرا اور اودگیر کے قلعہ دار نظام الملکی ہیں ان کو تاکید کرو کہ وہ قلعہ کو مع توپوں کے بادشاہی عمال کے حوالہ کر دیں۔"

یہ ہے وہ مشہور تاریخی فرمان جو والیٔ بیجاپور کے قبول اطاعت کے سلسلہ میں شاہجہاں نے جاری کیا تھا اور جس کی رُو سے عادل شاہ کو نظامِ شاہی حکومت کا بھی ایک حصہ عطا کر دیا گیا تھا۔

شاہ جی بھونسلہ کا تعاقب

شاہ جی بھونسلہ کو جب معلوم ہوا کہ عادل شاہ کی نوکری کرنے کی صورت میں اسے وہ تمام نظام شاہی قلعے واپس کرنے پڑیں گے جن پر کہ وہ قابض ہے۔ تو اس نے عادل خاں کی نوکری نہیں کی۔ اور قلعوں کو بادشاہی عمال کو سپرد کرنے سے اِنکار کر دیا۔

شاہ جی کے اس انکار کے بعد اطاعت نامہ شرائط کے ماتحت عادل شاہ کے لئے یہ ضروری ہو جاتا تھا کہ وہ شاہ جی کی تادیب میں شاہی لشکر کا ساتھ دیتا چنانچہ عادل شاہ نے اپنے سردار رندولہ خاں کو بھیجا کہ وہ بادشاہی لشکر کے ساتھ مل کر شاہ جی کی بیخ کنی کرے۔ رندولہ خاں نے زماں کے ساتھ متحد ہو کر پہلے تو قلعہ جنیر کا محاصرہ کیا۔ اس کے بعد خود خان زماں شاہ جی کے تعاقب میں پونا گیا۔ شاہ جی کو جب خان زماں کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ گونڈوانہ فرار ہو گیا۔ مگر اس کے بعد جہاں بھی گیا۔ خان جہاں اس کا تعاقب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شاہ جی بھاگتا بھاگتا پریشان ہو گیا۔

خان زماں اور رندولہ خاں کی شاہ جی سے کئی جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن شاہ جی ہر مرتبہ بچ کر نکل گیا۔ خان زماں اور رندولہ خاں نے اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔

شاہ جی نے جب دیکھا کہ جان بچنی مشکل ہے تو اس نے خان زماں کو لکھا " کہ میں قلعہ اس

شرط پر حوالے کرتا ہوں کہ مجھ کو شاہی ملازموں میں رکھ لیا جائے۔'' خان زماں نے انکار کر دیا اور کہلوا دیا کہ۔'' اگر تم جان بچانا چاہتے ہو تو عادل شاہ کی جانب رجوع کرو۔'' جب شاہ جی تنگ آ گیا تو اس نے رندولہ خاں کو بلا کر کٹھ پتلی نظام الملک کو اس کے حوالے کیا۔ اور عادل شاہ کی نوکری قبول کر لی اور تمام قلعے لشکر شاہی کے حوالے کر دیئے۔

ان قلعوں میں بادشاہی عمال مقرر کر دیئے گئے۔ اور کٹھ پتلی نظام الملک کو اعظم خاں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد مغلیہ فوج نے ان دوسرے نظام شاہی قلعوں کی فتح کی جانب توجہ کی جن پر ابھی تک مغلوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ غرضیکہ اس طرح دکن کا یہ معرکہ سخت دشواری اور کوفت کے بعد کسی نہ کسی حد تک ختم ہو گیا۔

شہزادہ اورنگزیب دکن کا وائسرائے

شاہجہاں کو دکن کی فتوحات میں جو مشکلات پیش آئی تھیں ان کے پیش نظر اس نے یہ طے کیا کہ شاہی خاندان کا ایک فرد برابر دکن میں رہے تا کہ دکن کے اُمرائے سلطنت کو دکن میں نئی نئی سازشوں کا موقع ہی نہ مل سکے چنانچہ اس مقصد کے لئے شاہجہاں نے اورنگزیب کو منتخب کیا۔ اور اسے دکن کے وائسرائے کا عہدہ دیکر 1045ھ (1235ء) میں آگرہ سے روانہ کر دیا۔

دکن کا جو علاقہ شاہزادہ اورنگ زیب کے انتظام میں دیا گیا تھا۔ وہ ان چار صوبوں پر مشتمل تھا۔ (1) دولت آباد۔ احمد نگر اور اس کے تمام مفصلات۔ (2) تلنگانہ جو صوبہ بالا گھاٹ میں واقع تھا۔ (3) خاندیش جس میں قلعہ اسیر اور شہر بُرہان پور زیادہ مشہور تھے۔ (4) برار جس کا حاکم نشین شہر ایلچ پور تھا اور جس کا مشہور قلعہ گاویل تھا۔

ان چاروں صوبوں کی آمدنی پانچ کروڑ روپیہ سالانہ تھی۔ شہزادے کو ہدایت کی گئی کہ نظام الملک کے چالیس قلعوں میں سے جن قلعوں پر ابھی تک باغی قابض ہیں۔ ان کو فتح کرنے کا انتظام کیا جائے۔ خان جہاں کو حکم ہوا کہ جب تک خاں زماں جنیر کے قلعہ کی فتح سے فارغ ہو۔ وہ شہزادہ کے ہمراہ رہے۔ شاہجہاں شہزادہ اورنگزیب کے ساتھ خود بُرہان پور تک آیا۔

اورنگزیب نے دکن پہنچنے کے بعد باپ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے ان قلعوں کی تسخیر کی جانب توجہ کی جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ میں قلعہ اودگیر فتح ہو گیا۔ قلعہ اڈسہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ خان زماں کی کوشش سے قلعہ جنیر کی بھی تسخیر ہو گئی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔

ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد 1042ھ (1232ء) میں شہزادہ اورنگزیب دکن سے بادشاہ کے پاس آیا اور اپنے ساتھ اس نظام الملک کو مع اس کے دس رشتہ داروں کے لایا جس کو

شاہ جی نے احمد نگر کا کٹھ پتلی بادشاہ بنا رکھا تھا۔ اس نظام الملک کو بھی دونوں پُرانے نظام الملکوں کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں خان زماں کا دکن میں انتقال ہو گیا۔ جس سے شہزادہ اورنگ زیب اور بادشاہ دونوں کو بے حد رنج ہوا۔

اورنگ زیب کی شادی اور بگلانہ کی فتح

اسی سال جبکہ شہزادہ اورنگ زیب دکن سے دارالسلطنت میں آیا ہوا تھا تو بادشاہ نے اس کی شادی کی تجویز کی چنانچہ شاہ نواز خاں پسر رستم صفوی کی بیٹی سے شہزادہ اورنگزیب کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ کی گئی۔ اورنگ زیب جب آگرہ سے دکن واپس جانے لگا تو اس کی درخواست پر ریاست بگلانہ کا علاقہ اسے عطا ہوا۔ یہ علاقہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ شاہجہاں نے اورنگ زیب کو ہدایت کی کہ دولت آباد پہنچتے ہی لشکر بھیج کر بگلانہ فتح کر لیا جائے۔

اورنگ زیب نے دولت آباد پہنچ کر بگلانہ کی فتح کے لئے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کر دیا۔ بگلانہ کے راجہ بھرجی نے مغلوں کا بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جب مقابلہ کی تاب نہ رہی تو راجہ نے بگلانہ کے آٹھوں قلعوں کی کنجیاں شہزادہ کے پاس بھیج دیں اور گزارش کی کہ بگلانہ کے قریب میں سلطان پور ہے۔ اگر یہ مجھے عطا ہو جائے تو میں بقیہ زندگی سکون سے گزار سکوں گا۔ شہزادہ نے راجھبر جی کی یہ درخواست قبول کر لی راجہ نے قلعے خالی کر دیئے شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کے بعد اپنے متعلقین کو لے کر سلطان پور چلا گیا۔

بگلانہ جنوبی ہند میں ایک نہایت ہی خوبصورت مقام تھا۔ جہاں کی آب و ہوا معتدل تھی۔ اس ریاست میں 32 پر گنے تھے جو نہایت ہی شاداب تھے۔ ریاست ایک طرف خاندیش سے ملی ہوئی تھی اور دوسری جانب سورت اور گجرات سے ملحق تھی۔

تبت اور آسام کو فتح کرنے کی کوشش

شاہجہاں نے 1047ھ (1636ء) میں اپنے دادا اکبر کی تقلید کرتے ہوئے تبت کے سنگلاخ علاقہ کو فتح کرنے کی پھر ایک بار کوشش کی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک مہم تبت کے لئے روانہ کر دی گئی۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود پورا تبت فتح نہ ہو سکا۔ تبت کا صرف وہ علاقہ فتح ہو گیا جو تبت خورد کے نام سے مشہور تھا۔

اسی سال شاہجہاں کو بتایا گیا کہ بنگال کے مشرق میں ایک ملک آسام ہے جہاں ہاتھی بے حد ہوتے ہیں۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ اس جدید ملک کی فتح کی جانب متوجہ ہو۔ چنانچہ شاہجہاں نے آسام کی فتح کے لئے ایک لشکر روانہ کر دیا۔ اور بنگال کے حاکم کو ہدایت کر دی کہ وہ بھی اس مہم میں

شامل ہو جائے۔

شاہی لشکر نے آسام کا تھوڑا سا علاقہ فتح کیا تھا کہ بارشیں شروع ہو گئیں اس علاقہ میں سال میں چھ مہینے بارش ہوتی ہے اور یہاں کی بارشیں بہت ہی خوفناک خیال کی جاتی ہیں۔ اس لئے آسام کی یہ مہم بارش کی زیادتی کی وجہ سے نامکمل رہ گئی۔

شاہجہاں کی کابل کو روانگی

شاہجہاں تخت نشینی کے بعد سے برابر اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کابل جائے لیکن ہندوستان کے حالات نے اسے ہندوستان سے نکلنے ہی نہ دیا۔ 1048ھ (1638ء) میں جب اسے ہندوستان کے معاملات کی جانب سے ذرا اطمینان ہوا تو وہ کابل کے لئے روانہ ہو گیا۔ اپنا سفر شروع کرنے سے قبل اس نے شہزادہ دارا شکوہ کو پہلے ہی سے پچاس ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ اس لئے کابل کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کو اطلاع ملی تھی کہ شاہِ ایران قندھار فتح کرنے لئے آرہا ہے۔

شاہجہاں کا خیال تھا کہ اگر شاہِ ایران نے قندھار پر حملہ کیا تو وہ خود اس کا مقابلہ کریگا۔ شاہجہاں دارالسلطنت آگرہ سے لاہور آیا۔ اور لاہور سے نوشہرہ پہنچا۔ جہاں دارا شکوہ اپنے لشکر کے ساتھ بادشاہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اور وہاں سے کابل پہنچا۔ دارا شکوہ بھی بادشاہ کے کابل پہنچنے کے بعد اپنا لشکر لے کر کابل آ گیا۔

کابل آنے کے بعد شاہجہاں نے یہاں کے انتظامات کو درست کیا۔ بابر کے مزار پر حاضری دی۔ کابل کے اُمرائے سلطنت کو خلعتیں اور انعامات دیئے۔ اور اپنے آبائی وطن کو خوب سیر کی۔ کابل پہنچنے پر شاہجہاں کو معلوم ہوا کہ شاہِ ایران نے اگر چہ قندھار پر حملہ نہیں کیا تھا مگر شرارت کے لئے آمادہ ہے۔ شاہجہاں نے شاہِ ایران کے حملہ کے خطرہ کے پیشِ نظر لشکر کے کچھ حصہ کو کابل میں چھوڑ دیا۔ اور دارا شکوہ کو ساتھ لے کر کابل سے لاہور آ گیا۔ اور لاہور پہنچنے کے بعد مردان خاں کو جو ایک لائق سپہ سالار تھا۔ ہفت ہزاری کا منصب عطا کیا۔

شہزادہ مراد کی فوجی سرگرمیاں

شاہجہاں کے چار بیٹے تھے۔ ایک دارا شکوہ دوسرا شاہ شجاع۔ تیسرا اورنگزیب اور چوتھا مراد بخش۔ دارا شکوہ علم دوست اور صوفی منش تھا۔ لیکن شاہجہاں کبھی کبھی جنگی معرکوں کے لئے اسے بھیج دیا کرتا تھا۔ جیسے کہ وہ کابل لشکر لے کر گیا تھا۔ شاہ شجاع کو گوشہ نشینی پسند تھی۔ مگر وہ بھی بادشاہ کے کہنے پر لڑائیوں میں شریک ہو جاتا تھا۔ اورنگ زیب اور مراد پیدائشی سپاہی تھے۔ چنانچہ اورنگ

زیب نے دکن میں کئی معرکہ کی لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ مراد کو بھی فوجی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی تھی چنانچہ بادشاہ نے قندھار کی بدنظمی کے رفع کرنے کے لئے اسی کو لشکر دے کر بھیجا تھا۔

1050ھ میں مراد قندھار سے کابل آیا اور اس کے بعد باپ کی ہدایت کے مطابق کابل سے مٹوکوٹ پہنچا جہاں جگت سنگھ نے بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ یہاں آ کر اس نے قلعہ مَو کا محاصرہ کرلیا۔ اس جگہ بہت بڑی لڑائی ہوئی۔ شہزادہ مراد نے قلعہ فتح کرلیا اور قلعہ تارہ گڈھ کو بھی تسخیر کرلیا۔ غرضیکہ اس معرکہ میں شہزادہ مراد نے بے نظیر سپاہیانہ قابلیت کا ثبوت دیا۔ 1052ھ میں شاہجہاں نے شہزادہ مراد کو ملتان کی گورنری عطا کردی تھی۔ اسی سال داراشکوہ کو بلند اقبال کو خطاب عطا کیا گیا تھا۔

یمین الدولہ آصف خاں کی وفات

شاہجہاں لاہور کے مفصلات میں شکار کے لئے گیا ہوا تھا کہ اسے اطلاع دی گئی کہ یمین الدولہ آصف خاں کا لاہور میں انتقال ہوگیا ہے۔ آصف خاں شاہجہاں کی محبوب بیوی ممتاز محل کا باپ بھی تھا۔ اور وزیر اعظم بھی شاہجہاں کو اس کی موت سے بے حد صدمہ ہوا۔ حکم دیا کہ جہانگیر کے مقبرہ کے غربی جانب آصف خاں کو دفن کیا جائے۔

آصف الدولہ کو حکومت مغلیہ میں عروج حاصل ہوا۔ وہ کسی شاہی امیر کو کبھی بھی میسر نہ آسکا تھا۔ اس کو نہ صرف بلند ترین درجہ حاصل تھا بلکہ ساری حکومت اُسی کے ہاتھ میں تھی۔ آصف خاں نے مرتے وقت تین چار کروڑ کا اثاثہ چھوڑا تھا جس کیلئے وصیت کردی تھی کہ یہ سب حکومت کو دیدیا جائے۔ مگر شاہجہاں نے اس میں سے تیس لاکھ روپیہ اس کی اولاد میں تقسیم کردیا۔ آصف خاں کی حویلی جو بیس لاکھ روپیہ کی لاگت سے لاہور میں تیار ہوئی تھی۔ شاہجہاں نے یہ حویلی داراشکوہ کو عنایت کردی۔ آصف خاں کا بڑا بیٹا شائستہ خاں بہار کا گورنر تھا۔ بادشاہ نے باقی چار بیٹوں کے بھی وظائف مقرر کردیئے۔ آصف خاں کی وفات 17 شعبان 1051ھ (1641ء) کو ہوئی تھی۔

اجمیر۔ آگرہ اور لاہور میں عمارتوں کی تیاری

شاہجہاں کو زمانہ شہزادگی ہی سے عمارتوں کی تعمیر کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ شہنشاہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں اس نے کشمیر میں بہت سے خوشنما عمارتیں تیار کرائی تھیں۔

جہانگیر کے مرنے کے بعد جب وہ اجمیر شریف آیا تھا تو اس نے ایک شاندار مسجد بنانے کا حکم دیا۔ جو ایک سال کے اندر تیار ہوگئی۔ 1046ھ (1232ء) میں اس نے اجمیر شریف میں انا ساگر کے بند پر ایک نہایت ہی خوبصورت سنگِ مرمر کی عمارت تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ تالاب

ماری کے کنارے لال محل کے نام سے ایک خوشنما عمارت بنوائی ۔ آگرہ میں بھی کئی نئی اور خوبصورت عمارتیں بنوا کر اس شہر کو نہایت ہی خوشنما بنا دیا۔

آگرہ میں دولت خانہ خاص و عام کو اس نے بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا۔ دولت خانہ خاص سے متصل ایک نہایت ہی خوبصورت سنگِ مرمر کی عمارت بنوائی ۔ قلعہ کے دروازہ کے آگے مثمن بغداد کے طرز کا ایک نہایت ہی خوشنما چوک تعمیر کرایا۔ اور اس چوک سے ملی ہوئی ایک نہایت خوشنما مسجد بنوائی۔

شاہجہاں کے حکم سے لاہور میں شالامار باغ کی خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی۔ یہ عمارت ایک سال چار مہینے اور پانچ روز میں مکمل ہوئی تھی ۔ چھ لاکھ روپیہ اس پر صرف ہوا تھا ۔ 1052ھ (1642ء) میں شاہجہاں خود اسے دیکھنے گیا اور بے حد محظوظ ہوا۔ علی مردان کے مشورہ سے ایک نہر کاٹ کر اس باغ میں لائی گئی تھی ۔ جو باغ کو بھی سیراب کرتی تھی ۔ اور جس سے زراعت میں بھی مدد ملتی تھی ۔ یہ نہر علی مردان کی نہر کے نام سے مشہور ہوئی ۔ غرضیکہ شاہجہاں جہاں بھی گیا اور جس جگہ بھی گیا۔ اس نے وہاں کوئی نہ کوئی نہایت خوشنما عمارت بنا کر کھڑی کر دی۔

شاہجہاں لاہور سے جب دارالسلطنت آگرہ واپس آیا تو ممتاز محل کے مقبرہ کی اس عمارت کو دیکھنے گیا ۔ جو زیرِ تعمیر تھی ۔ اس مقبرہ کی تعمیر کا کام ملکہ ممتاز محل کی وفات کے ایک سال بعد 1041ھ (1631ء) ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ مقبرہ کی بُنیادیں اس قدر گہری کھودی گئی تھیں کہ پانی نکل آیا تھا۔ بُنیادوں میں ایک خاص مسالہ بھرا گیا اور اس پر سنگِ مرمر کی یہ خوبصورت عمارت تعمیر ہونی شروع ہوئی ۔ ہزاروں ماہرین تعمیر اس مقبرہ کی تعمیر میں روزانہ کام کرتے تھے۔

شہزادی جہاں آرا کے جلنے کا واقعہ

شہزادی جہاں آرا کے جلنے کا واقعہ ممتاز محل کی موت کے بعد شاہجہاں کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ ہے ۔ شاہجہاں کو اپنی اس بیٹی سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ 1053ھ (1643ء) میں جہاں آرا عین اپنی سالگرہ کے دن جب بادشاہ کو سلام کر کے واپس آ رہی تھی تو راستہ میں رکھی ہوئی ایک شمع سے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی ۔ جہاں آرا کا لباس چونکہ بے حد باریک تھا اور خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ اس لئے بارود کی طرح جل اُٹھا۔

آگ بجھانے کی کوشش میں دو کنیزیں جل کر مر گئیں اور کئی کنیزیں بری طرح جُھلس گئیں لیکن پھر بھی وہ شہزادی کو اس حادثہ سے نہ بچا سکیں ۔ یوں تو آگ نے اس کے پورے جسم پر اثر کیا تھا لیکن اس کی پشت، دونوں پسلیاں اور دونوں بانہیں بری طرح جھلس گئی تھیں۔

اس حادثہ سے سارے محل میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔ سالگرہ کی بزمِ نشاط یکا یک غمکدہ میں

بدل گئی۔ بادشاہ نے اس روز دربار میں نہیں گیا بلکہ اپنا سارا وقت خیرات کرنے، دُعائیں مانگنے اور قیدیوں کو رہا کرنے میں صرف کیا۔ دو لاکھ کے قریب روپیہ تین دن کے اندر غربا میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ روزانہ ایک ہزار روپیہ شہزادی کے تکیہ کے نیچے رکھا جاتا تھا۔ جو صبح کو غریبوں میں تقسیم کرادیا جاتا تھا۔ بڑی بہن کے جلنے کی اطلاع سن کر اورنگزیب برہان پور سے اور مراد بخش ملتان سے دوڑے ہوئے آئے۔ دارا شکوہ اور شاہ شجاع پہلے ہی سے آگرہ میں موجود تھے۔

علاج معالجہ تقریباً نو ماہ تک جاری رہا۔ اطباء نے جان توڑ کر کوشش کی مگر کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ لیکن فائدہ ہوا تو ایک عطائی کے مرہم سے یہ مرہم عارف نامی غلام نے تیار کیا تھا۔ جو نہایت ہی کارگر ثابت ہوا۔ خدا خدا کر کے جہاں آرا کو صحت ہوئی۔ جب تک جہاں آرا بیمار رہی شاہجہاں مغرب سے لے کر تہجد کے وقت تک برابر نماز پڑھتا رہتا تھا اور رو رو کر شہزادی کی صحت کے لئے دعائیں مانگتا تھا۔ آخر اس کی دعا قبول ہوئی اور شہزادی تندرست ہوگئی۔

شہزادی کے تندرست ہونے پر غسل صحت کا ایسا شاندار جشن منایا گیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں منایا گیا تھا۔ شہزادی کو سونے میں تلوایا گیا۔ اور یہ سونا غربا میں تقسیم کردیا گیا۔ بادشاہ نے شہزادی کو 150 موتی جواہرات کے زیورات اور سونے چاندی کے برتن عطا کئے۔ سورت کی بندرگاہ جس کی آمدنی پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ پاندان کے خرچ کے لئے جہاں آرا کو دی گئی۔

شہزادوں اور امرائے سلطنت کو خلعتیں عطا ہوئیں۔ اطباء کو سب سے زیادہ انعامات ملے۔ حکیم محمد داؤد کو منصب دو ہزاری، ایک ہاتھی، ایک گھوڑا، سونے کی پانچ تولہ وزنی مہر اور ہزارہا روپیہ ملا۔ حکیم سومنا شیرازی اور حکیم مسیح الزماں کو بھی خوب نوازا گیا۔ عارف غلام جس کی عطائی دوا زخموں کو مندمل کرنے میں تیر بہدف ثابت ہوئی تھی۔ اسے سونے میں تولا گیا۔ گھوڑے، ہاتھی اور ہزارہا روپیہ اسے دیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی لاکھ روپیہ مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔

جہاں آرا کا معالج ایک انگریز ڈاکٹر

شہزادی کے جلنے کے واقعہ کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ جب شہزادی کو دیسی اطبا کے علاج سے فائدہ نہ ہوا تو شاہجہاں نے بارٹن نامی ایک انگریز ڈاکٹر کو سورت سے بلوایا تھا جس کے علاج سے شہزادی کو بہت فائدہ پہنچا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہزادی کے صحت یاب ہونے کے بعد جب شاہجہاں نے بارٹن کو انعام و اکرام دینا چاہا تو اس نے ذاتی فائدہ کے لئے انعام لینے سے انکار کردیا اور بادشاہ سے التجا کی کہ اگر بادشاہ اس پر نوازش ہی کرنا چاہتا ہے تو یہ مہربانی کرے کہ اس کے ابنائے وطن کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا فرمان عطا کردیا جائے۔ بادشاہ نے یہ عرضداشت قبول کرلی اور اس طرح انگریزوں کو ہندوستان میں آزادی کے ساتھ تجارت

کرنے کا نہ صرف پروانہ مل گیا بلکہ ان کو خاص مراعات بھی عطا کر دی گئیں۔

جہاں تک فارسی زبان کی تاریخوں کا تعلق ہے۔ان میں سے ایک تاریخ میں بھی بارٹن کا ذکر نہیں مگر انگریزی زبان کی تاریخوں میں یہ واقعہ موجود ہے۔کوئی تعجب نہیں کہ شاہجہاں جو ہر قیمت پر بیٹی کی صحت کے لئے مضطرب تھا۔اس نے بارٹن کو بلوایا اور اس کے علاج سے تھوڑا بہت فائدہ بھی ہوا ہو لیکن فارسی مورخوں نے اس کے نام کو اس لئے نظر انداز کر دیا ہو کیونکہ اس زمانہ میں انگریزوں کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔تاریخ میں صرف دو تین اطباء کا نام آیا ہے۔حالانکہ ظاہر ہے کہ درجنوں اطباء شہزادی کے علاج کے لئے دوڑ پڑے ہوں گے اور ان سب کے نام کیونکر درج کئے جا سکتے تھے ممکن ہے کہ جن بہت سے اطباء کے نام درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔انہی میں بارٹن بھی ہو۔اگر بارٹن کا واقعہ درست ہے تو اس سے انگریز کی حب الوطنی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریز کس جرأت کے ساتھ قوم کے فائدہ کے لئے اپنے بڑے سے بڑے ذاتی فائدہ کو قربان کر دیتا ہے۔

اورنگزیب کی معزولی اور بحالی

وائسرائے دکن اورنگزیب کے طرز عمل سے شاہجہاں کو کچھ شبہات پیدا ہو گئے تھے۔اورنگ زیب کی بدلی ہوئی روش یہ بتا رہی تھی کہ شائد شہزادہ باپ کے خلاف بغاوت اختیار کرنے والا ہے۔ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ بادشاہ کی نظریں اس کی طرف سے پھر گئیں۔چنانچہ جس زمانہ میں کہ وہ اپنی بہن کی عیادت کے لئے آگرہ آیا ہوا تھا۔شاہجہاں نے اسے اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔اس کی جاگیر ضبط کر لی۔اور دکن کا سارا علاقہ خان دوراں خاں کے سپرد کر دیا گیا۔ اورنگزیب کی اس معزولی میں اورنگزیب کے پرانے مخالف اور بڑے بھائی داراشکوہ کا ہاتھ تھا۔

اورنگ زیب کو اپنے معزول کئے جانے کا بے حد افسوس ہوا۔اس نے کمر سے تلوار کھول کر رکھ دی اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔اور محل سے باہر نکلنا بالکل چھوڑ دیا۔شہزادی جہاں آرا نے بھائی کی یہ حالت دیکھی تو اسے بے حد رنج ہوا۔اس نے باپ سے بھائی کی سفارش کی جو فوراً منظور ہوگئی اور اورنگ زیب کی جاگیر پھر اسے واپس کر دی گئی۔اور دکن کی حکومت پر اسے 1054ھ(1644ء)میں دوبارہ بحال کر دیا گیا۔

کشمیر کا سفر اور سرینگر کو زیر کرنے کی کوشش

شاہجہاں کو اپنے باپ جہانگیر کی طرح کشمیر کی سیر سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔1043ھ (1633ء) میں جب وہ پہلی مرتبہ کشمیر گیا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سال میں کم از کم دو مہینے

ضرور کشمیر میں گزارا کرے گا۔ لیکن 1049ھ (1639ء) تک وہ کشمیر نہ جا سکا۔ 1049ھ (1639ء) میں جب وہ دوبارہ کشمیر آیا تو تقریباً چھ ماہ رہا۔ لیکن کشمیر کی واپسی کے بعد ایسے واقعات پے در پے پیش آتے رہے کہ وہ کشمیر کا تصور بھی نہ کر سکا۔

1053ھ (1643ء) میں اپنی پیاری بیٹی جہاں آرا کے علاج میں مصروف رہا۔ جب جہاں آرا تندرست ہو گئی تو وہ 1054ھ (1644ء) میں تیسری بار کشمیر گیا اور راجہ سری نگر کو مطیع کرنے کے انتظامات شروع کیے کیونکہ اس راجہ نے بار بار تنبیہہ کرنے کے باوجود شاہجہاں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ اور اس کے اطاعت قبول نہ کرنے کی وجہ سے کشمیر کا اہم ترین علاقہ ابھی تک مغلوں کے قبضہ میں نہیں آ سکا تھا۔ لیکن قندھار اور کابل کی پریشان کن اطلاعات نے اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ چنانچہ وہ بہت جلد لاہور واپس آ گیا۔ اور سری نگر کی مہم پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

ملکہ نور جہاں کا انتقال

ملکہ نور جہاں نے جہانگیر کے انتقال کے بعد سے لاہور ہی میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مختصر سی علالت کے بعد 29 شوال 1055ھ (1245ء) کو اس کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ نور جہاں نے اپنی زندگی ہی میں آصف خاں کے مقبرہ کی برابر اپنا مقبرہ تیار کرا لیا تھا جس میں کہ وہ دفن ہوئی۔

نور جہاں جہانگیر کی موت کے بعد انیس سال زندہ رہی لیکن یہ انیس سال اس نے شوہر کے ماتم ہی میں گذارے۔ شوہر کے مرنے کے بعد نہ تو اس نے کبھی کوئی رنگین کپڑا پہنا۔ اور نہ کسی مجلس طرب میں شامل ہوئی۔ شادی بیاہ کی محفلوں میں بھی وہ محض نام کے لئے اور ضرورت کے لئے شرکت کرتی تھی۔

جہانگیر کے مرتے ہی نور جہاں کے بھائی آصف خاں نے اس کے دروازہ پر چوکی پہرا بٹھا دیا تھا۔ یعنی اسے نظر بند کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ نظر بندی شاہجہاں کی تخت نشینی کے کئی سال بعد تک قائم رہی۔ سرکاری خزانہ سے دو لاکھ روپیہ سالانہ اسے وظیفہ ملتا تھا۔ اسی وظیفہ پر اس کا گزارہ تھا۔ اس کا بیشتر وقت عبادت میں گذرتا تھا۔ عشرہ محرم میں اس کے ہاں مجالس کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

بلخ۔ بدخشاں اور قندھار کی لڑائیاں

بلخ و بدخشاں کی جن لڑائیوں کا ہم ذکر کرنے والے ہیں اگر چہ یہ ہندوستان کے باہر کے معاملات ہیں لیکن یہ لڑائیاں کیونکہ ہندوستان کی جانب سے لڑی گئی تھیں اس لئے ان کا تذکرہ کر دینا بھی ضروری ہے۔

شاہجہاں کو بلخ بدخشاں کی فتح کی بڑی تمنا تھی۔ وہ ان ممالک پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا۔ اور یہ جبکہ علی مردان خاں جیسا امیر جوان علاقوں کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف تھا۔ شاہجہاں کے نیاز مندوں میں شامل ہو چکا تھا تو ان ممالک کی فتح میں اور بھی آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ شاہجہاں نے بلخ و بدخشاں کی فتح کے لئے علی مردان خاں کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ 1054ھ (1644ء) میں روانہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد دوسرا لشکر 1055ھ (1645ء) میں جگت سنگھ کی سرکردگی میں اسی مقصد کے لئے روانہ ہوا۔ پھر تیسرا لشکر شہزادہ مراد کی کمان میں بلخ و بدخشاں کی فتح کے لئے آگے بڑھا۔ اور اس پر مزید یہ کہ شاہجہاں بھی لاہور سے روانہ ہو کر کابل پہنچ گیا۔ بادشاہ کے پہنچنے کے ساتھ ہی بلخ و بدخشاں کی فتح بالکل نمایاں دکھائی دینے لگی۔ غرضیکہ شاہی لشکر کے بڑے اہتمام کے ساتھ بلخ و بدخشاں کی فتح کے لئے آگے بڑھا۔ اور اس نے حملے شروع کر دیے۔ قندوز فتح ہو گیا۔ کسی بڑے معرکہ کے بغیر بلخ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ مغل فوج سیلاب کی طرح برابر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جو بھی اس سیلاب کے راستہ میں آتا تھا فنا کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بدخشاں بھی فتح ہو گیا۔

اس بڑی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شاہجہاں لاہور آیا۔ شہزادہ مراد سے اس جنگ میں چونکہ بہت سی بنیادی غلطیاں ہوئی تھیں اس لئے اس کے سابقہ منصب میں کمی کر دی گئی۔ اور شہزادہ اورنگ زیب کو بلخ و بدخشاں کے انتظام کے لئے روانہ کیا گیا۔ بلخ و بدخشاں فتح تو ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کا قائم اور برقرار رکھنا اس لئے دشوار تھا۔ کیونکہ یہ علاقے ان جنگجو اقوام سے گھرے ہوئے تھے جو مغلوں سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو بلخ اور بدخشاں کا مستحق خیال کرتی تھیں۔ چنانچہ المانیوں نے چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ ان کی دستبرد سے نہ بلخ بچ سکا۔ اور نہ بدخشاں۔ پہلے تو یہ گوریلا لڑائی لڑتے رہے۔ اور بلخ و بدخشاں کی رعایا کو لوٹتے رہے۔ اور اس کے بعد کچھ تو مغل سرداروں کے اختلاف کی بنا پر اور کچھ دشمنوں کی نہ ختم ہونے والی سرگرمیوں کی وجہ سے شاہجہاں نے یہی مناسب سمجھا کہ بلخ کو وہیں کے ایک دعویدار کے حوالے کر کے مغل فوجوں کو واپس بلا لے۔ چنانچہ وقت روپیہ اور جانیں برباد کرنے کے بعد مغلیہ فوجیں 1252ھ (1242ء) میں ہندوستان واپس آگئیں۔

مغلوں کی فوجوں کی واپسی کا ایک ناگوار اثر یہ پڑا کہ شاہِ ایران نے 1057ھ (1247ء) میں قندھار پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا۔ شہزادہ اورنگزیب نے ہر چند کوشش کی کہ اس علاقہ کو ایرانیوں سے چھین لے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اس کے بعد شاہجہاں کا بڑا بیٹا دارا شکوہ قندھار کے واپس لینے کے لئے ایرانیوں کے مقابلہ پر آیا لیکن اسے بھی مایوسی ہوئی۔ چنانچہ قندھار پر پھر کبھی شاہانِ مغلیہ کا قبضہ نہ ہو سکا۔

شاہجہاں کے بیٹے مختلف صوبوں کے گورنر

شاہجہاں نے ملکی انتظام کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اور اہم صوبوں کا انتظام اپنے بیٹوں کے سپرد کردے۔ بڑا بیٹا داراشکوہ جو شاہجہاں کو تمام بیٹوں سے زیادہ محبوب اور عزیز تھا۔ اسے تو شاہجہاں نے مرکزی حکومت میں ہاتھ بٹانے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسرے بیٹے شاہ شجاع کو بنگال کے صوبہ کا انتظام سپرد کیا۔ تیسرے بیٹے اورنگ زیب کو جس کے قبضہ میں پہلے ہی سے دکن کا علاقہ تھا۔ اسے دکن کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور سب سے چھوٹے بیٹے مراد کو گجرات اور ملتان کا (غالباً جس میں پنجاب بھی شامل تھا) گورنر بنا دیا۔

شاہجہاں نے اس طرح وہ تینوں اہم علاقے اپنے بیٹوں کے حوالے کر دیئے جس پر کہ ہندوستان اور مرکزی حکومت کے تحفظ اور سلامتی کا دارومدار تھا۔ یہ تینوں بیٹے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر انتظامات میں مصروف ہو گئے۔

آگرہ کی بجائے دہلی دارالسلطنت

شاہجہاں پہلا مغل بادشاہ ہے جس نے کہ 1048ھ مطابق 1648ء میں آگرہ کی بجائے دہلی کو دارالسلطنت قرار دیا۔ شاہجہاں کو چند خاص وجوہ کی بنا پر ابتدا ہی سے دارالسلطنت کے لئے آگرہ پسند نہ تھا۔ وہ دارالسلطنت کے لئے دہلی کو آگرہ کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا تھا۔ لیکن دہلی میں کیونکہ نہ تو کوئی اچھا قلعہ تھا اور نہ شاہی ضرورتوں کے لئے عمارتیں تھیں اس لئے وہ اس خیال کو سالہا سال تک عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ لیکن 1048ھ (1638ء) میں شاہجہاں جب دہلی آیا ہوا تھا تو اس نے سلیم گڑھ سے متصل اور پرانی دہلی کی فصیل سے دور جمنا کے کنارے شاہجہاں آباد یعنی نئی دہلی کے بنانے کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین تجویز کیا اور یہ طے کیا کہ یہاں ایک نیا شہر آباد کیا جائے۔

ماہرین تعمیر اُستاد حامد اور اُستاد محمود کی خدمات اس نئے شہر کی تعمیر کے لئے حاصل کی گئیں۔ انھوں نے شاہجہاں آباد کا جو خوبصورت نقشہ پیش کیا تھا وہ بادشاہ کو بے حد پسند آیا۔ چنانچہ بتاریخ 9 محرم 1049ھ (1639ء) جمعہ کی رات کو بُنیاد کھودنے کا افتتاح ہوا۔ اور ہزاروں کاریگروں کے ذریعے اس شہر کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ کی ''نہر بہشت'' جو بند ہو گئی تھی۔ اسے کاٹ کر اس شہر میں لایا گیا۔ آٹھ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد 1058ھ (1648ء) میں قلعہ اور چند دوسری اہم عمارتیں تیار ہوئیں۔ ان کی تیاری پر تقریباً ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ مسجد بی بی فتح پوری محل رمضان 1060ھ (1650ء) میں مکمل ہوئی اس پر ڈیڑھ لاکھ

روپیہ لاگت آئی تھی۔

جب قلعہ اور ضروری شاہی عمارتیں تیار ہوگئیں تو شاہجہاں مع شاہی خاندان اور اُمرائے سلطنت کے آگرہ سے دہلی منتقل ہوگیا۔ 24 ربیع الاوّل 1058ھ (1648ء) کو دہلی کے لال قلعہ میں پہنچ کر بادشاہ نے جلوس کیا اور ایسا شاندار جشن منایا جس کی مثال مغلیہ تاریخ میں مفقود ہے۔ شاہجہاں کے قلعہ میں قدم رکھنے سے قبل اسے آراستہ کر کے دلہن بنادیا گیا تھا۔ اور اس کی آمد پر شہر میں کئی روز تک چراغاں ہوتا رہا۔

شاہجہاں کے دہلی آنے کے دوسال بعد 10 شوال 1060ھ (1650ء) کو سعد اللہ خاں دیوان اور فاضل خاں نے ایک پہاڑی پر دہلی کی اس تاریخی جامع مسجد کی بنیاد رکھی جو ساری دنیا میں اپنی نوعیت کی سب سے خوبصورت اور شاندار مسجد شمار کی جاتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں پانچ ہزار کاریگر روزانہ کام کرتے تھے اس کی تیاری میں چھ سال لگے اور دس لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ مسجد کی تیاری کے مہتمم سعد الہ خاں دیوان اور خلیل اللہ تھے۔

جامع مسجد کی تعمیر کے علاوہ شاہجہاں آباد میں چند دوسری عمارتوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کردیا گیا تھا۔ شاہجہاں آباد کے گرد ایک نہایت ہی مستحکم فصیل تیار کی گئی اور عیدگاہ بنائی گئی غرضیکہ ان عمارتوں کی وجہ سے نئی دہلی یعنی شاہجہاں آباد ایک ایسا خوبصورت شہر بن گیا جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی دنیا کا خوبصورت ترین شہر شمار ہونے لگا۔

میر جملہ کی وجہ سے شاہجہاں اور قطب الملک میں کشیدگی

میر جملہ سلطان عبداللہ قطب الملک کا وزیر اعظم تھا جس نے اپنی قابلیت اور تدبر سے گولکنڈہ کی حکومت کو خوب ترقی دی تھی لیکن عبداللہ قطب الملک میر جملہ کے مخالفین کے بہکانے کی وجہ سے اس سے ناراض ہوگیا۔ میر جملہ نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے شہزادہ اورنگ زیب کی معرفت ملازمین شاہی میں داخل ہونے کے لئے شاہجہاں سے درخواست کی شاہجہاں نے یہ درخواست منظور کرتے ہوئے میر جملہ اور اس کے بیٹے محمد امین کے منصب مقرر کردئے اور قطب الملک کے پاس فرمان بھیج دیا کہ میر جملہ اور اس کے متعلقین کو بحفاظت روانہ کردیا جائے۔ عبداللہ قطب الملک نے اس فرمان کی پروانہ کی اور میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو قلعہ گولکنڈہ میں قید کردیا اور اس کا مال واسباب ضبط کرلیا۔

شاہجہاں کو جب قطب الملک کی اس جسارت کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے قطب الملک کو متنبہ کیا کہ ''فوراً محمد امین کو رہا کردو۔ اور اس کا مال واسباب واپس کرو۔ ورنہ تمہارے خلاف فوجی کارروائی کی جائیگی۔'' جب اس تنبیہہ کے باوجود بھی محمد امین کو رہا نہیں کیا گیا تو شہزادہ اورنگ

زیب نے باپ کی ہدایت کے مطابق اپنے بیٹے سلطان محمد کی سرکردگی میں گولکنڈہ کی جانب فوج روانہ کر دی قطب الملک کو جب اطلاع ملی کہ مغل لشکر آرہا ہے تو اس نے محمد امین اور اس کی والدہ کو رہا کر کے روانہ کر دیا مگر مال و اسباب واپس نہ کیا۔ اور خود حیدر آباد سے فرار ہو کر گولکنڈہ کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ لیکن سلطان محمد نے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے بعد جب اسے فتح کرنے کی کوشش شروع کی تو عبداللہ قطب الملک نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اب بچنا مشکل ہے۔ اطاعت قبول کر لی۔ ایک کروڑ روپیہ تاوان کا دیا۔ اپنی بیٹی کی سلطان محمد کے ساتھ شادی کر دی اور محمد امین کا تمام مال و اسباب واپس کر دیا۔

قطب الملک کے پنجہ سے رہائی پانے کے بعد میر جملہ اور اس کا بیٹا محمد امین 1066ھ (1656ء) میں ملازمین شاہی میں داخل ہو گئے۔ میر جملہ کو معظم خاں کا خطاب قلمدانِ وزارت اور پانچ لاکھ روپیہ نقد عطا ہوا۔ اور شش ہزاری منصب مل گیا۔ محمد امین کو خانی کا خطاب اور دو ہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا۔ میر جملہ نے دو لاکھ روپیہ کی قیمت کا ایک ہیرہ اور سات ہاتھی بطور نذر بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے۔

سعداللہ خاں وزیر اعظم جو کئی ماہ سے بیمار تھا اس کی جگہ میر جملہ وزارت عظمیٰ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اسی سال انتقال کر گیا۔ یہ نہایت ہی لائق مدبّر تھا اس نے شاہجہاں آباد کی تعمیر میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس کی موت کو حکومت مغلیہ کا بہت بڑا نقصان تصور کیا گیا۔

بیجاپور کی سلطنت پر اورنگزیب کا حملہ

علی عادل شاہ والئی بیجاپور 1066ء (1656ء) میں مر گیا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ امرائے بیجاپور جو زیادہ تر شاہی غلام تھے۔ انہوں نے ایک مجہول النسب سکندر کو تخت پر بٹھا دیا۔ بیجاپور کے وہ اُمرا جو سکندر کو تخت نشین کرنے کے مخالف تھے۔ اُنہوں نے شاہجہاں سے مداخلت کی درخواست کی شاہجہاں نے اورنگزیب کو حکم بھیج دیا کہ فوج کے ذریعہ فوراً حکومت بیجاپور پر قبضہ جما لیا جائے۔ اس کے علاوہ معظم خاں میر جملہ کو بھی ایک بڑا لشکر دیکر اورنگ زیب کی امداد کے لئے روانہ کر دیا۔ خان جہاں۔ نجابت خاں۔ اور شاہنواز خاں کے نام ہدایتیں جاری ہوئیں کہ وہ بھی اس مہم میں شہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ شریک ہوں۔ خان جہاں کو حکم ہوا کہ وہ شہزادہ کی غیر موجودگی میں اورنگ آباد میں مقیم رہے۔

اورنگ زیب لشکر جرار لے کر چاندور پہنچ گیا۔ پھر آگے بڑھ کر قلعہ بیدر کا محاصرہ کر لیا۔ گلبرگہ پر قبضہ جما لیا۔ شاہ جی کا بیٹا سیواجی جس نے کہ احمد نگر میں طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اس کی سرکوبی کی اور اس کے بعد جب ایک ایک کر کے تقریباً تمام اہم قلعے فتح کر لئے تو سکندر عادل شاہ کے لئے

بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اسے حکم دیا گیا کہ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ بطور پیش کش کے بادشاہ کی خدمت میں فوراً روانہ کرے اور وہ تمام قلعے جن پر کہ اب تک عادل شاہی حکومت کا قبضہ ہے۔ ملازمین شاہی کے سپرد کر دئے جائیں۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اورنگ زیب اورنگ آباد واپس چلا آیا۔

شاہجہاں کی بیماری اور بیٹوں کی خانہ جنگی

شاہجہاں کو اسی زمانہ میں ایک نہایت ہی خطرناک بیماری ہوگئی تھی۔ 7 ذی الحجہ 1067ھ (1657ء) کو بادشاہ کا پیشاب بند ہوگیا۔ زیر ناف ورم بڑھنا شروع ہوا اور مرض نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی۔ کہ بادشاہ کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔

ولی عہد سلطنت داراشکوہ جو بادشاہ کا سب سے پیارا بیٹا تھا۔ اور ہر وقت بادشاہ کے پاس رہتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ بادشاہ چراغ سحری ہے۔ تو تمام شاہی اختیارات خود سنبھال لئے۔ شاہی محل کی ناکہ بندی کر دی۔ کسی کو بادشاہ کی مزاج پُرسی کی اجازت نہ تھی۔ بنگال۔ دکن اور گجرات جانے والے تمام راستے اس لئے بند کر دیئے گئے تاکہ شاہ شجاع اورنگزیب اور مراد کو باپ کی خطرناک بیماری کی اطلاع مسافروں کے ذریعہ بھی نہ مل سکے۔

محل کی ناکہ بندی بادشاہ کے پاس جانے کی ممانعت اور خبروں کو روکنے کی غیر دانشمندانہ کوشش کا نتیجہ نکلا کہ افواہیں دہلی میں پھیلنے لگیں اور عام شہرت ہوگئی کہ بادشاہ چل بسا ہے اور اس کی موت کو سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر چھپایا جا رہا ہے۔ بادشاہ کی موت کی افواہ جب بنگال میں پہنچی تو شاہ شجاع نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اسی طرح گجرات میں شہزادہ مراد نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھ لیا۔ لیکن اورنگ زیب جو سب بھائیوں سے زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے بظاہر تو خود مختاری کا اعلان نہیں کیا۔ لیکن در پردہ زبردست فوجی تیاری شروع کر دیں۔ تاکہ وقت آنے پر وہ داراشکوہ کا مضبوطی سے مقابلہ کر سکے۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک طرف تو بادشاہ کے بیٹے بادشاہ کو مردہ تصور کر کے اپنی فرمانروائی کے انتظامات میں مصروف تھے۔ دوسری جانب بادشاہ رفتہ رفتہ تندرست ہو رہا تھا۔ جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی موت کی خبر سارے ملک میں پھیل چکی ہے۔ شاہ شجاع فوج لے کر دہلی آ رہا ہے۔ مراد کا لشکر بھی گجرات سے حرکت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اورنگ زیب دکن میں فوجی تیاریوں میں مصروف ہے تو اس نے سب سے پہلے جھروکہ میں بیٹھ کر اپنے زندہ ہونے کا رعایا کو یقین دلایا۔ اور اس کے بعد تینوں بیٹوں کو ناصحانہ خطوط بھیج کر ہدایت کی کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور ایسی کوئی حرکت نہ کریں جس سے ملک میں خونریزی اور خانہ جنگی برپا ہو۔

شاہجہاں تو خانہ جنگی کو رفع کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن داراشکوہ بھائیوں سے لڑنے کے لئے تُلا ہوا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کو ابھی پوری طرح صحت بھی نہیں ہوئی تھی کہ داراشکوہ بادشاہ کو اس کی مرضی کے خلاف محض اس لئے دہلی سے آگرہ لے گیا کیونکہ نہ صرف سارے خزانہ وہاں موجود تھے۔ بلکہ اس کے علاوہ آگرہ ایک ایسا مرکزی مقام تھا۔ جہاں بیٹھ کر بنگال اور دکن کے خلاف بڑی خوبی کے ساتھ مہم جاری کی جاسکتی تھی۔ آگرہ آنے کے بعد داراشکوہ نے بھائیوں کے خلاف نہ صرف زبردست فوجی تیاریاں شروع کردیں بلکہ پوری طرح بھائیوں سے انتقام لینے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

داراشکوہ کی بھائیوں کے خلاف فوج کشی

بادشاہ کے ناصحانہ خطوط کا بہت ممکن تھا کہ کوئی اچھا نتیجہ نکل آتا۔ لیکن داراشکوہ جو حکومت اور طاقت کے زعم میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے جب سُنا کہ شاہ شجاع کی فوج دہلی کی طرف آرہی ہے تو اس نے بادشاہ کی مرضی کے بغیر اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کو ایک بڑی فوج دیکر روانہ کردیا۔ اور بیٹے کے ساتھ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو بھیج دیا۔ اور حکم دیدیا کہ شاہ شجاع اورنگ زیب یا مراد جو بھی مقابلہ کے لئے آئے۔ اس کا صفایا کردیا جائے۔ گویا شاہجہاں نے جس بغاوت اور فتنہ کو مصالحانہ خطوط اور تدبّر کے ذریعہ دبانا چاہا تھا۔ داراشکوہ نے فوجی مظاہرہ کر کے اسے اور بھی بھڑکا دیا۔ اور معاملہ اتنا بڑھا کہ قابو سے باہر ہوگیا۔

داراشکوہ نے اس کے علاوہ ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ باپ کی طرف سے اورنگزیب کو دکن میں حکم بھجوادیا کہ فوراً تمام اُمرائے سلطنت اور اس فوج کو جو دکن کی تسخیر کے لئے بھیجی گئی تھی واپس کردیا جائے۔ چونکہ داراشکوہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر اورنگزیب اس جرار لشکر کو لے کر دہلی پر آن چڑھا تو اس کے مقابلہ پر کوئی نہ ٹھہر سکے گا۔ اس بے موقع حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیجاپور کا معرکہ ادھورا رہ گیا۔ اور سوائے معظم خاں۔ شاہنواز خاں اور غالب خاں کے کوئی امیر اورنگزیب کے پاس نہیں رہا۔ سب کے سب دہلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ سچ تو یہ ہے کہ داراشکوہ کی اس غلطی نے اورنگ زیب کو اور بھی زیادہ چوکنا اور ہوشیار کردیا۔

مزید یہ کہ داراشکوہ کا وہ لشکر جو سلیمان شکوہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس نے بنارس کے قریب شاہ شجاع کے اس لشکر کو شکست دیدی تھی۔ جو دہلی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور شاہ شجاع شکست کھانے کے بعد بنگال فرار ہوگیا۔ شاہ شجاع کی اس شکست میں چونکہ اورنگزیب اور مراد دونوں کو اپنا مستقبل دکھائی دے رہا تھا۔ لہٰذا انھوں نے سمجھ لیا کہ اب جنگ کے بغیر داراشکوہ کے پنجہ سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے لڑائی ناگزیر ہوگئی۔

اورنگزیب اور مراد کی متحدہ یورش

اورنگزیب نے دکن سے روانہ ہونے سے قبل مراد کے ساتھ نامہ و پیام کر کے اسے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر مراد اور اس کی فوجوں کا الگ الگ داراشکوہ کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو کہیں دونوں بھائیوں کا وہی حشر نہ ہو جلد بازی میں شاہ شجاع کا ہوا ہے۔ چنانچہ آپس میں یہ طے پا گیا تھا کہ دونوں بھائیوں کی فوجیں مالوہ میں متحد ہو جائیں گی۔ اور پھر دونوں مل کر داراشکوہ کا مقابلہ کریں گے۔ غرضیکہ اورنگ زیب کے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق ایک طرف تو مراد کا لشکر مالوہ کی جانب بڑھا اور دوسری طرف اورنگ زیب دکن کا لشکر لئے ہوئے مالوہ کی طرف چل دیا۔

اورنگ زیب جب برہان پور سے مالوہ کے لئے روانہ ہوا تو اس نے یہ شہرت دی کہ وہ صرف باپ کی قدم بوسی کے لئے جا رہا ہے۔ لشکر محض اس لئے اس کے ساتھ ہے کیونکہ آج کل دارالسلطنت کی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ مالوہ پہنچنے کے بعد جب مراد کا لشکر بھی اس کے لشکر کے ساتھ آن ملا۔ اور یہ دونوں لشکر آگے بڑھ رہے تھے۔ تو اورنگ زیب نے جسونت سنگھ سے کہلوا بھیجا کہ۔ ”ہمارا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے بلکہ ہم اپنے باپ کی زیارت اور قدم بوسی کے لئے آ رہے ہیں۔ تم کو چاہئے کہ تم بھی ہمارے ہمرکاب ہو جاؤ۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو راستے سے ہٹ جاؤ۔ تاکہ خواہ مخواہ خونریزی نہ ہو۔“

جسونت سنگھ جس کو داراشکوہ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ وہ چھوٹے بھائیوں کو کچل ڈالے اور جس کے حوصلے شاہ شجاع کو شکست دینے کے بعد بے حد بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بھلا راستے سے کیونکہ ہٹ سکتا تھا۔ دونوں طرف کی فوجیں صف آرا ہو گئیں۔ اجین کے قریب 1068ھ (1658ء) میں دونوں لشکروں میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی۔ راجپوتوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اورنگ زیب کا مقابلہ کیا مگر انھیں شکست ہوئی۔ جسونت سنگھ فرار ہو گیا۔ اور اورنگ زیب کا ظفر مند لشکر گوالیار کے راستہ آگرہ کی جانب بڑھنے لگا۔

آگرہ کے قریب داراشکوہ سے فیصلہ کن جنگ

داراشکوہ کو جب آگرہ میں جسونت سنگھ کی شکست کی اطلاع ملی تو وہ بلبلا اُٹھا۔ اس کو اپنی بادشاہی خطرہ میں دکھائی دینے لگی۔ کیونکہ وہ تخت نشینی سے قبل ہی اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ اس نے باپ کے احکامات کی تعمیل قطعی چھوڑ دی تھی۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ باپ نے کئی مرتبہ بھائیوں میں مصالحت کرانے کی کوشش کی مگر اس نے ہر مرتبہ باپ کو روک دیا۔ کیونکہ اب وہ

بھائیوں سے صلح نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ ان کو سزا دینے پر تُلا ہوا تھا۔ باپ نے آخری مرتبہ پھر مصالحت کرانی چاہی مگر اس غریب نے جب یہ دیکھا کہ اس کا ولی عہد کسی طرح صلح کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا تو آگرہ کے قلعہ میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور ان خطرناک نتائج کا انتظار کرنے لگا جس کا کہ اسے اندیشہ تھا۔

داراشکوہ کے راجپوت لشکر کو اگر چہ بری طرح شکست ہو چکی تھی۔ لیکن اب بھی اسے اپنی ٹڈی دل فوج اور بے اندازہ سامانِ حرب پر ناز تھا۔ وہ اپنے عظیم الشان لشکر کو لے کر بھائیوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر بڑے بھائی کے لشکر کا چھوٹے بھائیوں کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ داراشکوہ کے پاس تقریباً ایک لاکھ سوار اور بے شمار ہاتھی تھے۔ اورنگزیب اور مراد کے لشکر میں مجموعی طور پر چالیس ہزار سے زیادہ سوار نہ تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ داراشکوہ میدانِ جنگ کا مرد نہ تھا۔ اس کے برخلاف اورنگ زیب اور مراد دونوں لائق ترین سپہ سالار تھے۔

دونوں لشکروں میں مقابلہ شروع ہوا۔ ایک طرف سپاہ کی کثرت اور بے ترتیبی تھی۔ دوسری جانب فوج تو کم تھی مگر اسے اورنگ زیب اور مراد جیسے دو بینظیر سپہ سالار حاصل تھے جو بڑے سلیقہ کے ساتھ اپنی فوج کو لڑا رہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ آج اور اسی میدان میں ان کی موت اور زندگی کا فیصلہ ہونے کو ہے۔ دونوں نے داراشکوہ کی فوج کے قلب میں گھس گھس کر اسے منتشر کر ڈالا۔ اور ان کی جرأت اور بہادری نے داراشکوہ کے اس لشکر کے چھکے چھڑا دیئے جو ان کی فوج کے مقابلہ میں تین گُنا تھا۔

داراشکوہ کے لئے ایک پریشانی کا باعث یہ بھی تھا کہ اس کی مسلم فوج بے دلی سے اس جنگ میں حصہ لے رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو داراشکوہ کے غیر اسلامی عقائد سے سخت نفرت تھی۔ صرف راجپوت فوج داراشکوہ کی طرف سے بے جگری سے لڑ رہی تھی۔ راجپوت فوج کا سردار راجہ رام سنگھ جب شہزادہ مراد کے تیر سے زخمی ہو کر گرا تو راجپوت فوج کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے۔ ادھر داراشکوہ کا ہاتھی پر سے کودنا تھا۔ کہ ساری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اورنگ زیب اور مراد کو فتح حاصل ہوگئی۔ داراشکوہ میدانِ جنگ سے فرار ہونے کے بعد آگرہ کے قلعہ میں آیا۔ شرم کی وجہ سے باپ کے سامنے بھی نہ گیا۔ اپنے بیوی بچوں کو لے کر اور زر و جواہر سمیٹ کر فوراً دہلی کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ کل دس بارہ سوار تھے۔

شاہجہاں آگرہ کے قلعہ میں نظر بند

اس فتح کے بعد اورنگ زیب اور شہزادہ مراد نے آگرہ کی شہر پناہ کے سامنے اپنے خیمے لگا دیئے۔ عُمالِ حکومت اور اُمرائے سلطنت نے مبارکباد اور نذریں پیش کرنی شروع کیں۔ خود

شاہجہاں نے اورنگ زیب کے لئے ایک مرصع تلوار بھیجی جس پر "عالمگیر" کا خطاب کندہ تھا۔

اس فتح اور کامرانی کے بعد اورنگزیب کے سامنے اہم ترین مسئلہ باپ کا تھا کہ وہ باپ کے معاملہ میں کونسا قدم اُٹھائے۔ شروع میں اس کی خواہش یہی تھی کہ تاج وہ تخت دوبارہ باپ کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر باپ کو دوبارہ تخت پر بٹھایا گیا تو حکومت پھر داراشکوہ کے ہاتھ میں چلی جائے گی کیونکہ شاہجہاں بالکل داراشکوہ کی مٹھی میں تھا۔ اور اسے داراشکوہ سے محبت ہی نہیں تھی بلکہ عشق تھا داراشکوہ کے ہاتھ میں حکومت جانے کے بعد اورنگ زیب کو یقین تھا کہ داراشکوہ اسے اس کی اولاد کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور اس کے محضر قتل پر دستخط ہونے لازمی ہیں۔

اس مسئلہ پر اچھی طرح غور وخوض کرنے کے بعد اورنگ زیب اس نتیجہ پر پہنچا کہ بادشاہ جو داراشکوہ کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا ہوا ہے۔ اسے دوبارہ اختیارات دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ نہ صرف حکومت دوبارہ داراشکوہ کے ہاتھ میں چلی جائیگی بلکہ نئے سرے سے بھائیوں میں ایک ایسی خانہ جنگی برپا ہو جائیگی جس کے بعد کوئی تعجب نہیں کہ حکومتِ مغلیہ کی بنیادیں ہل جائیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مزید خانہ جنگی اور تباہی سے ملک کو بچانے کے لئے بادشاہ کو تخت وتاج سے علیحدہ رکھا جائے اور اسے آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد اورنگ زیب نے باپ کو ایک معذرت کا خط لکھا۔ جس میں ان تمام مشکلات اور پریشانیوں کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا جو محض داراشکوہ کی محبت میں بادشاہ کے غلط طریقہ کار کی وجہ سے پیش آئی تھیں۔ نیز اپنے خط میں اس نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ آگرہ کے قلعہ میں شاہانہ زندگی کے گذارنے کے لئے جس اسباب وسامان کی ضرورت ہوگی وہ ہر وقت مہیا رہیں گے۔ چنانچہ اورنگزیب نے شاہجہاں کی خدمت اور آرام کے لئے افضل خاں کو مہتمم مقرر کر دیا اور بادشاہ کی صحت کا نگراں مقرر کر دیا اور بادشاہ کے آرام وآسائش کے لئے جملہ سامان فراہم کر دیا۔

اورنگ زیب کی بڑی بہن جہاں آراء بیگم جو بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی جب اورنگزیب سے ملنے کے لئے آئی تو اورنگ زیب نے اس کا بڑا احترام کیا۔ لیکن اس بہن نے جب دوسرے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی سفارش کی تو اورنگ زیب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اورنگ زیب نے بادشاہ کو جو معذرت نامہ لکھا تھا۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے اورنگ زیب کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اورنگ زیب بادشاہ کے پاس جانے کے لئے تیار بھی ہو گیا مگر اُمرائے سلطنت نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مخالفت کی۔ اس لئے اورنگ زیب کو اپنا ارادہ بدل دینا پڑا۔

اورنگ زیب اور مراد میں کشیدگی

آگرہ کی فتح کے بعد اورنگزیب کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ جلد سے جلد دہلی پہنچے تاکہ داراشکوہ کو دہلی میں فوج فراہم کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو ایک بڑا لشکر دیکر آگرہ میں متعین کیا اور خود دہلی جانے کی تیاری کرنے لگا۔

اورنگ زیب چاہتا تھا کہ مراد بھی اس کے ساتھ چلے۔ مراد نے پہلے تو اورنگزیب کے ساتھ چلنے میں لیت ولعل کیا لیکن جب اورنگ زیب نے زیادہ زور دیا تو وہ اس کے لشکر کے پیچھے پیچھے تقریباً ایک میل کے فاصلہ سے چلا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مراد کے حاشیہ نشینوں نے مراد اور اورنگ زیب کے دلوں میں فرق پیدا کر دیا تھا۔

اورنگ زیب نے مراد کی اس بدلی ہوئی روش کو بری طرح محسوس کیا۔ اور اس نے متھرا میں اس خیال سے پڑاؤ ڈال دیا۔ تاکہ چھوٹا بھائی بھی یہاں اس سے آن ملے۔ لیکن مراد کو جب معلوم ہوا کہ بھائی نے متھرا میں پڑاؤ ڈال دیا ہے تو وہ بھی رُک گیا اور اورنگ زیب سے دو تین میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہو گیا۔ اورنگ زیب نے اسے بار بار بلایا مگر وہ نہ آیا۔

مراد کے اس طرزِ عمل نے اورنگ زیب کو بڑی اُلجھن میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ ایک طرف تو داراشکوہ کا بہت بڑا معرکہ سر ہونا باقی تھا۔ دوسری جانب داراشکوہ کا سرپرست بادشاہ آگرہ کے قلعہ میں موجود تھا۔ اورنگ زیب فکر میں پڑ گیا کہ ان تمام اُلجھنوں کو وہ کیسے رفع کرے آخر اس نے بھائی کے پاس پھر پیغام بھیجا اور کہلوایا کہ "۔ داراشکوہ کے معاملہ میں تم سے مشورہ کئے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس اہم ترین معرکہ کا تمہارے بغیر سر ہونا ناممکن ہے اس لئے جب تک تم نہیں آؤ گے میں متھرا ہی میں قیام کروں گا۔ تمہاری فوج کے خرچ کے لئے بیس لاکھ روپیہ بھیجتا ہوں۔ اور یقین دلاتا ہوں کہ حسب وعدہ مالِ غنیمت اور خزانہ کا ایک تہائی حصہ، نیز پنجاب، کشمیر، کابل اور ملتان کامل فتح کے بعد تم کو یقینی طور پر مل جائیں گے۔ لیکن یہ مہم اگر نامکمل رہ گئی تو میرے اور تمہارے ہاتھ سے سب کچھ جاتا رہے گا اور ہماری زندگیاں تک خطرہ میں پڑ جائیں گی۔"

اب مراد کو بھی اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ ساری جدوجہد رائیگاں نہ جائے دوسرے اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ بھائیوں میں جو گفتگو ہو چکی ہے۔ اورنگزیب اس سے انحراف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ بیس لاکھ روپیہ نے بھی اسے موم کر دیا۔ چنانچہ وہ اورنگ زیب کے پاس متھرا چلا آیا۔ اورنگ زیب حسب معمول اس کیساتھ خندہ پیشانی سے ملا۔ بڑی دیر تک داراشکوہ کے خلاف فوج کو ترتیب دینے کے بارے میں دیگر اُمرا کی ہمراہی میں مشورے ہوتے رہے۔ اس کے بعد

دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔مراد چونکہ شراب کا بے حد عادی تھا۔اس لئے اس نے خوب شراب پی۔اور بدمست ہوکر کھانے کے بعد اپنے خیمہ میں سوگیا۔

شہزادہ مراد کی گرفتاری

شہزادہ مراد ذاتی مصلحتوں کے پیشِ نظر اگر چہ بھائی کے پاس چلا آیا تھا مگر اس کی روش اب بھی بدلی ہوئی تھی۔اس لئے اورنگزیب کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر مراد کی اس بدلی ہوئی روش سے آپس میں خانہ جنگی برپا ہوگئی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔اس لئے اورنگزیب نے یہ طے کیا کہ مراد کو نظر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جب مراد سو گیا تو اورنگ زیب نے اس کے ہتھیار خیمہ میں سے نکلوا لئے۔ جب آدمی اس کے خیمہ میں گھسے تو مراد کی آنکھ کھل گئی۔ہتھیاروں کو تلاش کیا تو وہ غائب تھے۔اب مراد سب کچھ سمجھ گیا اسے فوراً گرفتار کرلیا گیا۔اور اسے مطلع کر دیا گیا کہ چونکہ ”تمہاری جانب سے مشکوک حرکات پے در پے سرزد ہوچکی ہیں۔اس لئے حکومت اور ملک کا فائدہ اسی میں ہے کہ تم کو کسی کونے میں چین سے بٹھا دیا جائے۔“

اورنگ زیب نے چونکہ مراد کے آدمیوں کو پہلے ہی روپیہ اور عہدے دے کر ملا لیا تھا۔اس ئے کسی ہنگامہ کے بغیر یہ مرحلہ آسانی کے ساتھ طے ہوگیا۔اور مراد کو قید کر کے سلیم گڈھ کے قلعہ میں بھیج دیا گیا۔پھر اسے گوالیار میں منتقل کر دیا گیا جو اس زمانے کا شاہی قید خانہ تھا۔

اورنگ زیب شاہجہاں آباد میں

مراد کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد جب اورنگ زیب متھرا سے دلّی پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ داراشکوہ پنجاب کی طرف فرار ہوگیا ہے۔اورنگ زیب نے ایک منٹ ضائع کئے بغیر داراشکوہ کے خلاف مہم کی تیاریاں شروع کردیں۔

اورنگ زیب کے دہلی پہنچنے پر داراشکوہ کا سب سے بڑا معاون راجہ جے سنگھ بھی اورنگ زیب کے پاس آ گیا۔اپنی گذشتہ خطاؤں کی معافی چاہی۔اور اورنگزیب کے نیازمندوں میں شامل ہوگیا۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی کی تاریخ اگر چہ مقرر ہوچکی تھی۔لیکن اسے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ شاہجہاں آباد کے قلعہ میں بھی داخل ہوسکتا،لہٰذا1068ھ (1658ء) میں ”باغ اعزا آباد“ میں اس کی تخت نشینی محض رسمی طور پر انجام دی گئی۔اس کے بعد اورنگزیب فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوگیا۔یعنی اورنگزیب کو اتنا بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ تخت نشینی کی رسم کو بھی اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دے سکتا۔

شاہجہاں تخت سے معزول ہونے کے بعد

شاہجہاں تخت و تاج سے محروم ہونے کے بعد تقریباً سات سال آگرہ کے قلعہ میں نظر بند رہا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگزیب نے اس کے آرام اور راحت کا شاہانہ انتظام کر دیا تھا۔ اور اسے اس سات سال کے اندر ذرہ برابر بھی مادی یا جسمانی تکلیف نہیں پہنچی اور یہ بھی درست ہے کہ اورنگ زیب نے اس کے درجہ اور مرتبہ پورا خیال رکھا۔ لیکن جو روحانی تکلیف شاہجہاں کو پہنچی تھی۔ کیا اس کی تلافی شاہانہ سامان اور آرام و آسائش کے لوازمات سے ہو سکتی تھی۔

شاہجہاں کو تخت و تاج سے زیادہ اولاد کا غم تھا۔ خدا نے اسے چار بیٹے دئے تھے۔ لیکن آگرہ کے قلعہ میں نظر بند ہونے کے بعد مرتے دم تک ان چاروں بیٹوں میں سے وہ کسی ایک کی بھی شکل نہ دیکھ سکا۔ اورنگ زیب آگرہ سے صرف چند میل کے فاصلہ پر دہلی میں شاہجہاں کی زندگی میں سات سال تک فرمانروائی کرتا رہا۔ لیکن اس کو اس طویل مدت میں کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ وہ باپ کو اپنی صورت دکھاتا۔ اس کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم جو اورنگ زیب کی سب سے بڑی حامی تھی۔ وہ بھی باپ سے منحرف ہو گئی تھی۔

اس نظر بندی اور تنہائی کے عالم میں اگر کسی نے شاہجہاں کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تو وہ اس کی پیاری بیٹی جہاں آرا تھی۔ جہاں آرا اگر چاہتی تو وہ اورنگ زیب کا ساتھ دے کر بڑے سے بڑا اعزاز اور بڑے سے بڑا فائدہ اُٹھا سکتی تھی۔ لیکن اس نے باپ کی خاطر آرام، عیش اور حکومت تک کو ٹھکرا دیا۔ شاہجہاں کے ساتھ اس بیٹی کو اس قدر محبت تھی کہ وہ باپ کے ساتھ خود بھی آگرہ کے قلعہ میں قید ہو گئی۔ اور اپنی زندگی کو باپ کی اطاعت اور خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس فریضہ کی انجام دہی کی دُھن میں شادی تک نہ کی بلکہ ایک ایسی درویشانہ زندگی گذاری جس کی مثال بادشاہوں کی تاریخ میں تو شائد مشکل ہی ملے گی۔

جہاں آرا کا کام یہ تھا کہ وہ ہر وقت خوب خوش رہتی اور باپ کو بھی اپنے ساتھ بشاش رکھنے کی کوشش کرتی یہ حقیقت ہے کہ اگر خدا نے شاہجہاں کو اس مصیبت کے وقت کے لئے جہاں آرا جیسی اطاعت گذار اور وفا شعار بیٹی نہ دی ہوتی تو اس کا چند روز بھی اس غم اور الم میں زندہ رہنا ناممکن تھا۔

اس سات سال میں شاہجہاں کا مشغلہ یہ تھا کہ وہ اپنا بیشتر وقت عبادت وہ ریاضت میں گذارتا تھا۔

قرآنِ پاک کی تلاوت میں مصروف رہتا تھا۔ فقہ اور احادیث کی کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔

بزرگانِ دین کے حالات وواقعات پڑھ کراپنے جی کو بہلاتا تھایا اپنی پیاری بیٹی کے پاس بیٹھ کر دنیا کی بے ثباتی پر تبصرہ کیا کرتا تھا۔غرضیکہ اس بادشاہ کی زندگی کے آخری ایام نہایت ہی دردناک اور عبرت انگیز تھے۔

بادشاہ 11رجب 1076ھ (1666ء) کو پھر پیشاب بند ہونے کے مرض میں مبتلا ہوا۔اس مرتبہ اسے پیچش کی بھی شکایت ہوگئی۔وہ اس بیماری میں تقریباً دو ہفتے بتلا رہا۔دو ہفتہ کے بعد جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور بادشاہ کواپنی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تواپنے سامنے اپنی تجہیز وتکفین کاانتظام کیا۔اور وصیّت کی کہ مجھ کو میری پیاری بیگم ممتاز محل کے برابر دفن کیا جائے۔غرضیکہ 26رجب 1701ھ (1660ء) کوشاہجہاں کاانتقال ہوگیا۔بادشاہ کووصیت کے مطابق ملکہ ممتاز محل کے مقبرہ میں سپردخاک کردیا گیا۔

شاہجہاں کے دورِحکومت پرایک نظر

شاہجہاں کادورِحکومت بڑا ہی عجیب دورِحکومت ہے جوسوتیلی ماں نورجہاں کی شورش کے درمیان شروع ہوتا ہے۔اور بیٹوں کی شورش کے طوفان میں ختم ہوجاتا ہے۔اس بادشاہ کا دورِ حکومت جدید فتوحات سے تقریباً خالی نظر آتا ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو قندھار کاملک بھی شاہجہاں کے دور میں ہاتھ سے جاتا رہا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہجہاں نے قندھار۔بلخ اور بدخشاں کوفتح کرنے کی ہرامکانی کوشش کی۔کروڑوں روپیہ ان مہمات پر صرف ہوا۔لیکن نتیجہ تقریباً صفر ہے۔
شاہجہاں کودکن میں ضرور کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔چنانچہ احمدنگر کی نظام شاہی حکومت پر شاہجہاں کاپورا تسلّط ہوگیا تھا۔گولکنڈہ نے بھی اطاعت قبول کرلی تھی۔اور بیجاپور بھی تقریباً فتح ہوگیا تھا کہ اچانک شاہجہاں کی بیماری کی وجہ سے اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔اور اس طرح دکن کی یہ مہم بھی ادھوری رہ گئی۔شاہجہاں نے اپنے دورِحکومت میں راجہ سرینگر کو زیر کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی۔مگر کامیابی نہ ہوئی۔البتہ تبت خورد کاایک چھوٹا سا علاقہ شاہجہاں کے ہاتھ ضرور آگیا تھا۔شاہجہاں آسام کوبھی فتح کرنا چاہتا تھا لیکن اس مقصد میں بھی اسے کامیابی نہ ہوسکی۔

شاہجہاں کوچونکہ فطری طور پر یورپین اقوام سے نفرت تھی۔اس لئے اس نے پرتگیزوں کواس بری طرح سے کچلا کہ وہ زمانۂ دراز تک نہ اُبھر سکے لیکن انگریز جنہوں نے جہانگیر کے عہدِحکومت میں چند خاص تجارتی مراعات حاصل کرلی تھیں۔اس بادشاہ کے دورِحکومت میں اندر ہی اندر اپنے پاؤں پھیلاتے رہے مگر شاہجہاں نے ان کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔دکن کے مسلمان بادشاہوں کی

عنایت سے مرہٹوں کا فتنہ بھی شاہجہاں ہی کے دورِ حکومت میں کھڑا ہوا۔ جو برابر بڑھتا ہی چلا گیا اور بعد کو حکومت مغلیہ کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔

شاہجہاں کے دورِ حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں ملک کے باشندوں نے بڑے امن اور خوشحالی کی زندگی گزاری۔ حکومت کی آمدنی بھی شاہجہاں کے دورِ حکومت میں بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور یہ اس کے حُسنِ انتظام اور چُست نظام کا نتیجہ تھا۔ شاہجہاں کا دورِ حکومت اس اعتبار سے تمام مغل بادشاہوں سے ممتاز ہے کہ اس کے زمانہ میں "تاج محل۔ موتی مسجد آگرہ۔ لال قلعہ دہلی۔ جامع مسجد دہلی۔ شالا مار باغ لاہور"۔ اور بے شمار وہ تاریخی عمارتیں تعمیر ہوئیں جو آج بھی عجوبہ روزگار ہیں۔ اور مغلیہ حکومت کی عظمت کا پتہ دے رہی ہیں۔ تختِ طاؤس بھی شاہجہاں کا دورِ حکومت کا ایک اہم کارنامہ تھا۔

شاہجہاں کا دورِ حکومت جو بیٹوں کی شورش کے طوفان میں ختم ہو گیا۔ شائد اس طرح نہ ختم ہوتا۔ اگر شاہجہاں نے داراشکوہ پر غیر معمولی نوازشات کر کے اسے بھائیوں سے خانہ جنگی پیدا کرنے کا موقعہ نہ فراہم کر دیا ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سارے فتنہ کا بانی مبانی داراشکوہ تھا۔ جس نے تمام نظامِ حکومت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

شاہجہاں کا دورِ حکومت بحیثیت مجموعی مغلیہ حکومت کی خوشحالی اور فارغ البالی کی معراج تھا۔ اس کے زمانہ میں خزانہ اس قدر پُر تھا کہ کروڑوں روپیہ خرچ کر دینا معمولی سی بات تھی۔ شاہی خزانہ کے علاوہ رعایا میں بھی خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی۔

مغل بادشاہوں کی سابقہ روایات کے مطابق شاہجہاں نے بھی اپنے دورِ حکومت کو فرقہ پرستی اور مذہبی تعصب سے پاک رکھنے میں ہمیشہ پوری توجہ سے کام لیا ہے۔ اس کے ہاں منصبوں، سرکاری عہدوں اور ملازمتوں میں ہندو اور مسلم کا کوئی سوال نہ تھا۔ اسی طرح رعایا کے ساتھ بلا امتیاز مذہب و ملّت یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی طرح ہندوؤں کی جانب جھکا ہوا نہیں تھا مگر اس کی نظر میں ہندوستان کی جملہ اقوام یکساں حیثیت رکھتی تھیں۔

شاہجہاں کا ذاتی کردار

شاہجہاں اپنے دور کا ایک خداترس نیک دل اور فیاض طبع بادشاہ ہوا ہے۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جہاں اپنے پُرانے ساتھیوں کو نوازا وہاں باپ کے زمانہ کے اُمرا اور عہدہ داروں پر بھی کھلے دل کے ساتھ نوازشیں کیں۔ یہاں تک کہ شاہجہاں نے خان جہاں لودھی جیسے اپنے مخالفوں اور باغیوں پر بھی نوازشات کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

وہ سیر چشم اور فیاض دل بادشاہ تھا۔ اس کا دستِ فیض ہمیشہ دولت لٹاتا رہا اور لاکھوں روپیہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ایک ادنیٰ غلام کو بیٹی کے لئے مرہم تیار کرنے کے بدلے سونے میں تلوا دیا۔ عید اور بقر عید کے دن اس کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی تھی کہ غریبوں میں زیادہ سے زیادہ دولت لٹائی جائے جتنی خیرات اس بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی اتنی کبھی نہیں ہوئی۔

عیاشی اور بدکاری سے اسے نفرت تھی۔ شراب نوشی سے بھی وہ نفرت کرتا تھا۔ 36 سال کی عمر میں جہانگیر نے اسے مجبور کر کے اس کو پہلی مرتبہ شراب پلائی تھی۔ اس کے بعد اس نے کبھی کبھی بے دلی کے ساتھ شراب ضرور پی ہے۔ لیکن تیس سال کی عمر میں جبکہ وہ دکن کی مہم میں مصروف تھا۔ اس نے شراب سے قطعی توبہ کر لی تھی۔ شراب اور اس کے پیالوں کو دریا میں غرق کر دیا تھا۔

شاہجہاں پر مذہب کا اثر بہت غالب تھا۔ مذہبی کاموں میں حصہ لینے سے اسے ہمیشہ رُوحانی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اس کے مذہبی شغف کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں تقریباً ہر جگہ ایسی شاندار مسجدیں تعمیر کرائی ہیں۔ جو آج بھی فنِ تعمیر کا نایاب شاہکار شمار کی جاتی ہیں۔

غیر اسلامی رسوم کو مٹانے میں بھی اس نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ آخر عمر میں تو وہ ایک سچا عابد اور زاہد بن گیا تھا۔ اس کی زندگی اوّل سے لے کر آخر تک نہایت پاک وصاف ہے۔

عہدِ شاہجہاں کے چند دلچسپ واقعات

ذیل میں شاہجہاں اور اس کے عہدِ حکومت کے چند دلچسپ واقعات ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔

نرسنگھ دیو بندیلہ۔ ایک ڈاکو تھا جس کو کہ ابوالفضل کے قتل کرنے کے انعام میں جہانگیر نے بہت بڑی جاگیر عطا کر دی تھی۔ نرسنگھ دیو کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا ججھار سنگھ بندیلہ باپ کا جانشین ہوا۔ تو اس نے اس زعم میں مغل حکومت اس کی پشت پر ہے۔ خلقِ خدا کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب شاہجہاں کو اس کا علم ہوا تو شاہجہاں نے فوراً اس کی جاگیر کی ضبطی اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ججھار سنگھ نے ہر چند چاہا کہ اسے معافی مل جائے۔ مگر شاہجہاں نے اس سے کہلوا دیا کہ ہماری حکومت میں قاتلوں اور خونیوں کے لئے کوئی معافی نہیں۔ چنانچہ ججھار سنگھ گرفتار ہونے کے بعد قتل ہوا۔ اس کی جاگیر اور خزانے ضبط کئے گئے۔

شاہجہاں نے تخت نشین ہونے کے بعد جب بادشاہ کو سجدہ کرنے کی رسم منسوخ کی تو خوشامدی علما نے بادشاہ سے عرض کی کہ بادشاہ ظلِ سبحانی ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اگر سجدہ کیا جائے تو حقیقت میں یہ سجدہ خدا ہی کیلئے شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان علمانے سجدہ کو ''زمین بوسی'' کا

نام رکھ کر جاری رکھنے کا فتویٰ بھی دیدیا تھا۔لیکن شاہجہاں نے اس ''زمین بوسی'' ۔کو بھی منسوخ کر دیا اور کہدیا کہ میں اسے شرک اور بدعت سمجھتا ہوں۔

شاہجہاں کو بزرگانِ دین اور علمائے طریقت سے بڑی عقیدت تھی ۔ شاہجہاں کے دورِ حکومت میں لاہور میں ملاّ خواجہ بہاری کا بڑا شہرہ تھا۔خواجہ بہاری حضرت میاں میر لاہوری کے مریدوں میں سے تھے ۔ بادشاہ جب لاہور آیا تو خود خواجہ بہاری کے مکان پر جو ایک شکستہ جھونپڑا تھا ملنے کے لئے گیا۔مگر خواجہ بہاری بادشاہ کے آنے سے قبل ہی غائب ہو گئے۔

بادشاہ کو بڑی مایوسی ہوئی ۔وہ واپس چلا گیا۔لیکن اپنے چند آدمیوں کو چھوڑ گیا۔تا کہ جب خواجہ بہاری آئیں تو وہ ان کو بتادیں کہ بادشاہ ان سے ملنے آیا تھا۔تھوڑی دیر میں جب خواجہ بہاری آئے اور بادشاہ کے آدمیوں نے ان کو بادشاہ کی آمد سے مطلع کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ بادشاہ میرے پاس آرہا ہے۔اسی لئے میں چلا گیا تھا۔اگر میں ایسا نہ کرتا تو سفارش چاہنے والے مجھ کو چین سے نہ بیٹھنے دیتے ۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ خواجہ بہاری نہ تو خود آتے ہیں اور نہ اسے ملاقات کا موقع دیتے ہیں تو بادشاہ نے معززین شہر کو دعوت دی ان میں خواجہ بہاری کو بھی بُلایا گیا کیونکہ یہ دعوت خاص نہیں تھی بلکہ عام تھی۔اس لئے خواجہ بہاری بھی چلے آئے۔اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر بادشاہ نے اس عالم دین سے ملاقات کی اور بے حد محظوظ ہوا۔

محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر

اورنگزیب کی تخت نشینی کی رسم نہ تو کسی قلعہ میں انجام دی گئی نہ شاہی محل میں بلکہ وہ نہایت سادہ طریقہ پر دہلی کے قریب "باغ اعزا"۔ یعنی میدانِ جنگ میں ایسی حالت میں تخت نشین ہوا جبکہ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے فوجوں کو ترتیب دے رہا تھا۔ اور اس فکر میں تھا کہ اپنے سب سے بڑے دشمن داراشکوہ کو جلد سے جلد شکست دیکر اپنی بادشاہت کو یقینی اور غیر متزلزل بنالے۔ تخت نشینی کی رسم میں تزک واحتشام کا اظہار کرنا تو در کنار اسے اتنا بھی موقعہ نہ مل سکا کہ وہ شاہجہاں آباد کی فصیل کے اندر بھی داخل ہوسکتا۔

ذیقعد 1068ھ (مطابق مئی 1658ء) میں رسمی طور پر تخت نشین ہونے کے بعد پنجاب کی جانب بڑھا۔ تاکہ قبل اس کے کہ داراشکوہ وہاں پہنچ کر فوج جمع کرے وہ پہلے ہی سے پنجاب پر قبضہ جمالے۔ چنانچہ اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں دریائے ستلج تک جا پہنچا۔ بہادر خاں اور خلیل اللہ مع اپنے لشکروں کے پہلے ہی سے یہاں انتظار کررہے تھے۔ ستلج پر پہنچنے کے بعد اورنگ زیب نے دریا کو عبور کرنے کی تدابیر اختیار کرنی شروع کیں۔

اورنگ زیب اور داراشکوہ میں پرانی دشمنی

قبل اس کے کہ ہم داراشکوہ اور شاہ شجاع کے خلاف اورنگزیب کی اس مہم کا ذکر کریں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم تخت نشینی سے پہلے کی اورنگزیب کی زندگی پر بھی ہلکا سا تبصرہ کردیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ داراشکوہ اور اورنگ زیب میں مخالفت کے بنیادی اسباب کیا تھے۔

اورنگ زیب عمر میں داراشکوہ سے چار سال اور شاہ شجاع سے دو سال چھوٹا تھا۔ یہ 15 ذیقعد 1068ھ (1629ء) کو دوحد میں جواجین اور مالوہ کے قریب ہے پیدا ہوا تھا۔ دونوں بڑے بھائیوں سے عمر سے کم ہونے کے باوجود یہ اس قدر ذہین اور دلیر تھا کہ دونوں بھائی اسے اپنے اقتدار کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ داراشکوہ نے اسے دارالسلطنت سے دور رکھنے

کے لئے یہ چال چلی کہ اسے دکن بھجوا دیا تھا جس سے اورنگ زیب کو سخت ناگواری پیدا ہوئی تھی۔

داراشکوہ کی مخالفت صرف اسی پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ اس نے باپ کے کان بھرنے کے بعد شاہجہاں کو اس حد تک بیٹے سے متنفر کر دیا تھا کہ شاہجہاں نے اورنگزیب کے وکیل عیسیٰ بیگ کو جو دربار میں رہتا تھا بغیر کسی جُرم کے قید کر دیا تھا۔ اورنگزیب نے بڑی مشکل سے اسے رہا کرایا۔

داراشکوہ کی مخالفت ہی کی بنا پر اورنگ زیب کو دکن کی گورنری سے معزول کیا گیا تھا اور اس کی ساری جاگیر ضبط کر لی تھی۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ اورنگزیب جب غصہ میں آ کر بغاوت کر دے تو اسے باپ کی نظر میں مردود بنانے کے لئے داراشکوہ کو ناقابلِ تردید ثبوت مل جائے مگر اورنگ زیب داراشکوہ سے کہیں زیادہ ہوشیار تھا۔ اُس نے ایک سرے سے ہتھیار ہی اتار کر رکھ دئے۔ اور دارالسلطنت میں معتکف ہو گیا۔

اورنگ زیب جب دارالسّلطنت ہی میں رہ پڑا تو داراشکوہ کو فکر ہوئی کہ کہیں اورنگزیب کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ چنانچہ جہاں آرا سے اس کی سفارش کرائی گی اور اسے سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔ غرضیکہ اس طرح اس کو پھر ایک بار دارالسلطنت سے دُور دکن بھجوا دیا گیا۔

ان ذاتی وجوہ کے علاوہ اورنگزیب اور داراشکوہ مین عقائد کا بھی زبردست اختلاف تھا۔ داراشکوہ جس چیز کو تصوف کہتا تھا اورنگزیب کی نظر میں وہ کھلا ہوا الحاد تھا۔ اورنگزیب کے نزدیک داراشکوہ اسلام سے منحرف ہو کر بے دین ہو چکا تھا کیونکہ داراشکوہ کا معمول یہ تھا کہ وہ برہمنوں، جوگیوں اور سنیاسیوں میں اپنا زیادہ وقت گذارتا تھا۔ ان کو مُرشد کامل اور عارف حق سمجھتا تھا۔ وید کو آسمانی کتاب مان کر مطالعہ کرتا تھا۔ اس کے ترجمہ میں مصروف رہتا تھا۔ اور لفظ۔ "پربھو"۔ کو مقدس سمجھ کر انگوٹھیوں کے نگینوں پر نقش کرا کے ہمیشہ پہنے رہتا تھا۔ اس کے برخلاف اورنگزیب ایک کٹر مسلمان تھا۔ وہ حاضر و غائب داراشکوہ کے معتقدات پر حملے کرتا رہتا تھا جس سے کہ ان بھائیوں میں اچھی خاصی دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہجہاں بیمار ہوا اور اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی تو داراشکوہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اورنگزیب فوج لے کر دارالسلطنت پہ نہ آن چڑھے۔ اور مذہب کے نام پر طوفان برپا کر کے اسے تخت و تاج سے محروم نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے سب سے مضبوط فوج سرحد پر متعین کر دی تھی تا کہ اورنگزیب کو کسی طرح بھی ملک میں نہ گھسنے دیا جائے۔ لیکن داراشکوہ کی بدقسمتی کہ اس کے سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور نگزیب لڑتا مرتا آگرہ تک آ گیا۔ داراشکوہ کی تو حقیقت کیا تھی۔ اس نے بادشاہِ وقت تک کو اس طرح نظر بند کر دیا کہ ملک کے کسی حصہ میں نام کو بھی بغاوت نہ ہونے دی حالانکہ اتنے بڑے سانحہ کے بعد اگر سارا ملک ایک ساتھ اورنگزیب کے خلاف کھڑا ہو جاتا تو تعجب نہ تھا۔ اورنگزیب کے سیاسی شعور کا اندازہ اس سے لگایا

جاسکتا ہے کہ جب اس نے دیکھا کہ اس کا قوتِ بازو شہزادہ مراد اس سے کھنچ رہا ہے تو اسے بھی قید کر دیا اور لطف یہ ہے کہ مراد قید ہو گیا۔ مراد کے ساتھی اُمرا اور فوجی سرداروں نے کان تک نہ ہلایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اورنگ زیب کی پہلے سے ملک میں دھاک اور اثر تھا۔ دوسرے اورنگ زیب اُمرائے سلطنت اور فوج کے خرید لینے کے فن سے خوب آشنا تھا۔

اورنگ زیب نے کہیں تو عوام کے مذہبی جوش سے کام لیا۔ کہیں روپیہ سے لوگوں کو خریدا۔ کہیں ڈرا دھمکا کر کام نکالا۔ مگر اپنے لئے حکمرانی کا راستہ صاف کر لیا۔ اب اس کے دو رقیب باقی رہ گئے تھے چھوٹا مخالف شاہ شجاع تھا۔ جو بنگال میں ساز باز کر رہا تھا۔ اور بڑا مخالف داراشکوہ تھا جس کے تعاقب میں وہ دریائے ستلج تک آ گیا تھا۔

داراشکوہ کا تعاقب

داراشکوہ نے لاہور پہنچنے کے بعد سب سے پہلے تو خزانے پر ہاتھ صاف کیا۔ قیمتی جواہرات پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد اورنگزیب کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ لیکن داراشکوہ اورنگزیب سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ جوں ہی اسے اطلاع ملی کہ اورنگزیب کا لشکر ستلج پار کر کے لاہور کی جانب بڑھ رہا ہے۔ تو وہ لاہور سے فرار ہو کر ملتان چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ ایک کروڑ روپیہ سے زائد کا زر و جواہر بھی لے گیا۔

ملتان پہنچنے کے بعد بھی اس نے سب سے پہلے خزانہ پر قبضہ جما لیا خزانہ سے تقریباً بائیس لاکھ روپیہ اس کے ہاتھ لگا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ اورنگ زیب اس کے تعاقب میں ملتان آ رہا ہے۔ تو وہ قندھار جانے کے ارادہ سے بھکر چلا گیا۔

اورنگزیب جب ملتان آیا اور اسے معلوم ہوا کہ داراشکوہ یہاں سے بھی بھاگ گیا ہے تو اسے نے مزید تعاقب کرنا خلاف مصلحت سمجھا کیونکہ وہ دارالسلطنت سے بہت دُور نکل آیا تھا۔ اب اس نے صف شکن خاں اور شیخ میر کو بھائی کے تعاقب کا حکم دیا۔ اور ہدایت کی کہ داراشکوہ کو یا تو ختم کر دیا جائے یا ممالکِ محروسہ سے نکال دیا جائے۔

مغل سرداروں کو بھائی کے تعاقب میں روانہ کرنے کے بعد اورنگزیب دارالسلطنت کی جانب روانہ ہو گیا کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ شاہ شجاع لشکر لے کر الہ آباد آ رہا ہے۔ اورنگ زیب واپسی میں لاہور گیا۔ وہاں کے انتظامات کو دیکھا۔ خلیل اللہ خاں کو پنجاب کی صوبیداری عطا کی۔ اور اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو جو لاہور میں ہی تھا وہیں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور وہاں سے شاہجہاں آباد آ گیا۔

شاہ شجاع اور اورنگ زیب میں جنگ

دارا شکوہ کے لشکر سے شکست کھانے کے بعد جب شاہ شجاع بھاگا تھا تو دارا شکوہ کی فوج نے اس کا پٹنہ مونگیر اور راج محل تک تعاقب کیا تھا۔ لیکن شاہ شجاع نے باپ کو معذرت نامہ بھیج کر جان چھڑالی تھی جس کے بعد شاہجہاں نے اسے بنگال کا صوبہ عطا کر دیا تھا۔ لیکن جب اورنگزیب نے آگرہ فتح کرنے کے بعد باپ کو نظر بند کر دیا تو شاہجہاں کا یہ معافی نامہ بے حقیقت بن گیا، اور شاہ شجاع کو اس کی فکر ہوئی کہ معلوم نہیں کہ اورنگزیب اس معافی نامہ کو کس نظر سے دیکھے گا۔

تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی فتح کے بعد نہ صرف بنگال شاہ شجاع کو دیدیا تھا بلکہ مونگیر صوفہ بہار اور پٹنہ کے دینے کا بھی شاہ شجاع سے وعدہ کرلیا تھا۔ لیکن یہ کچھ نہیں پتہ چلتا کہ یہ معاملہ شاہ شجاع کی کسی درخواست پر ہوا تھا یا اورنگ زیب نے جو بہترین نبّاضِ فطرت تھا۔ شاہ شجاع کو قابو میں رکھنے کیلئے اور شجاع کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے خود ہی اپنی طرف سے یہ پیشکش کی تھی خیر یہ پیش کش خواہ کسی بنا پر کی گئی ہو لیکن یہ وعدے وعہد ضرور ہو چکے تھے کہ بنگال کے علاوہ مونگیر صوبہ بہار اور پٹنہ کا علاقہ بھی شاہ شجاع کو دے دیا جائے گا چنانچہ اورنگزیب کا قاصد محمد میرک جب خوشخبری کا یہ پیغام لے کر شجاع کے پاس بنگال آیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور بھائی کو جواب میں ایک خط لکھا جس میں کہ اس عنایت پر شکر گذاری کا اظہار کیا گیا تھا۔

شاہ شجاع اور اورنگ زیب کا معاملہ اگر دیکھا جائے تو نہایت اچھی شرائط پر خاطر خواہ طے ہو گیا تھا لیکن اچانک شاہ شجاع کے خیالات میں نہ جانے کیوں تغیر پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہ بھی دارالسلطنت کی جانب لشکر کشی کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس تغیر کی وجہ غالباً شہزادہ مراد کی گرفتاری تھی۔ شاہ شجاع نے سوچا ہو گا کہ جب اورنگزیب اپنے سب سے بڑے معاون شہزادہ مراد کو نہیں بخش سکتا تو اسے کیونکر چھوڑ سکتا ہے چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ ایسی حالت میں جبکہ اورنگزیب دارالسلطنت سے دُور دراز فاصلہ پر دارا شکوہ کے تعاقب میں مارا مارا پھر رہا ہے فوراً پیش قدمی کر کے آگرہ پر قبضہ جمالیا جائے اور پھر دہلی کو تسخیر کرلیا جائے۔ تاکہ اس طرح اسے تاجِ شاہی بھی حاصل ہو جائے۔ اور ہمیشہ کے لئے بھائی کے خرخشے سے بھی نجات مل جائے۔

اس فیصلہ کے بعد شاہ شجاع کی فوجیں تیزی کے ساتھ بنگال اور بہار کا علاقہ طے کرتی ہوئی اور لوٹ مچاتی ہوئی۔ الہ آباد کی جانب بڑھنے لگیں۔ ادھر جب اورنگزیب کو دہلی میں پتہ چلا کہ شاہ شجاع بنارس تک آ گیا ہے تو وہ بھی لشکر لے کر دہلی سے روانہ ہو گیا۔ اورنگزیب کا بیٹا شہزادہ محمد سلطان اور خان دادو خاں شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ چنانچہ 1069ھ (1659ھ) میں شاہ شجاع اور اورنگزیب کے لشکروں کا مقابلہ اٹوہ سے آگے کھجواہ کے مقام پر ہوا۔

جنگ شروع ہونے سے چند گھنٹے قبل مارواڑ کے راجہ جسونت سنگھ نے اورنگزیب کے ساتھ دغا کی۔ یہ راجہ معافی مانگ کر اورنگزیب کے نیاز مندوں میں شامل ہو چکا تھا لیکن اس نے اور اس کے ساتھی راجپوتوں نے عین وقت پر دھوکہ دے کر شاہی لشکر کو خوب لوٹا اور قتل عام برپا کیا جس سے کہ اورنگزیب کے لشکر میں کھلبلی پیدا ہوگئی۔ لیکن اورنگزیب نے ذرا سی دیر میں اپنے لشکر کو پھر درست کرلیا۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ شاہ شجاع کی فوج میں تین ایسے ہاتھی تھے کہ وہ اپنی سونڈ میں کئی کئی من کی زنجیریں گھماتے ہوئے جب آگے بڑھتے تھے تو صفیں کی صفیں چیرتے چلے جاتے تھے۔ ان تین ہاتھیوں نے اورنگزیب کے لشکر کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اور اس وقت اور بھی پریشانی پیدا ہوئی جب یہ تینوں مست ہاتھی دیوانہ وار اورنگ زیب کے ہاتھی کی جانب بڑھے۔ اورنگزیب نے بندوقچیوں کو حکم دیا کہ وہ ان ہاتھیوں کے فیل بانوں کو نشانہ بنائیں۔ ایک فیل بان کا گرنا تھا کہ تینوں ہاتھی میدان سے بھاگ گئے۔

ہاتھیوں کے بھاگتے ہی اورنگزیب کی فوج شاہ شجاع کے لشکر کے قلب پر ٹوٹ پڑی۔ اور چند گھنٹوں کے اندر اندر شاہ شجاع کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے جب شاہ شجاع میدان سے بھاگا تو میر جملہ معظم خاں اور شہزادہ محمد سلطان فوراً شاہ شجاع کے تعاقب میں روانہ ہوگئے اور اورنگزیب آگرہ آ کر داراشکوہ اور جسونت سنگھ کے استیصال کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ یہ جسونت سنگھ مارواڑ کا وہی راجہ ہے جس نے کہ شاہ شجاع کی جنگ میں عین وقت پر اورنگزیب کے ساتھ دغا کی تھی۔

اورنگزیب کا بیٹا شاہ شجاع سے مل گیا

شاہ شجاع میدانِ جنگ سے بھاگ کر الٰہ آباد گیا۔ وہاں سے بنارس پہنچا شہزادہ محمد سلطان اور میر جمعہ معظم خاں برابر اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے پھر وہ پٹنہ گیا۔ وہاں سے مونگیر پہنچا۔ اس کے بعد بنگال گیا اور بال بچوں کو ساتھ لیا۔ شاہ شجاع نے بال بچوں کو تو ٹانڈہ بھیج دیا۔ اور خود بنگال میں مورچے قائم کر کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اسی دوران میں شہزادہ محمد سلطان اور میر معظم خاں میں اختلاف پیدا ہوگیا جب اس اختلاف کی اطلاع شاہ شجاع کو ملی تو اس نے شہزادہ محمد سلطان پر ڈورے ڈالنے شروع کر دئے۔

شہزادہ محمد سلطان جس کی منگنی شاہ شجاع کی بیٹی سے ہو چکی تھی۔ اور وہ اس لڑکی سے شادی کرنے کے لئے مضطرب تھا۔ بہت جلد شاہ شجاع کے قابو میں آگیا چنانچہ وہ بہت سا مال و اسباب اور خزانہ لے کر لشکر سے فرار ہوگیا۔ اور کشتی کے ذریعہ شاہ شجاع کے پاس جا پہنچا۔ اس واقعہ سے

لشکر شاہی میں بڑی بے دلی پیدا ہوگئی لیکن میر جملہ نے انتہائی تدبر سے کام لے کر لشکر کو سنبھال لیا۔

شاہ شجاع نے شہزادہ سلطان کو شیشہ میں اُتارنے کے بعد اسے ٹانڈہ بھیجدیا۔ جہاں شاہ شجاع کے اہل وعیال تھے چنانچہ ٹانڈہ پہنچتے ہی شہزادہ سلطان کا شاہ شجاع کی بیٹی سے نکاح ہوگیا میر جملہ کو اس نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً ٹانڈہ پر حملہ کا حکم دیدیا شاہ شجاع نے جب دیکھا کہ اس کے اہل وعیال پر حملہ ہونے والا ہے۔تو وہ مقابلہ پر آ گیا۔ شاہ شجاع اور شہزادہ محمد سلطان دونوں نے شاہی لشکر کا سخت مقابلہ کیا۔ غرضیکہ اس دوران میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں۔ان تمام لڑائیوں میں شہزادہ سلطان نے اپنے چچا کا ساتھ دیا۔

چند روز کے بعد شہزادہ سلطان نے در پردہ شاہی لشکر سے ساز باز شروع کر دی اور یہ فیصلہ ہوگیا کہ موقع ملتے ہی دونوں میاں بیوی بھاگ کر شاہی لشکر میں آ جائیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں میاں بیوی مع کنیزوں اور ملازموں کے بہت سامال واسباب لے کر کشتی کے ذریعہ فرار ہو گئے۔

شاہی لشکر کے آدمی جن کو پہلے سے ان کی آمد کا علم تھا۔ وہ ان کے منتظر تھے۔ادھر شاہ شجاع کے آدمیوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کیا۔شاہی لشکر نے شہزادہ سلطان اور اس کے ساتھیوں کو مخالفین سے بچانے کے لئے تعاقب کرنے والوں کو اچھی طرح سے تیروں اور بندوقوں کا نشانہ بنایا۔لیکن پھر بھی شہزادہ کی ایک کشتی جس میں اسباب اور بہت سے آدمی تھے ڈوب ہی گئی۔

شہزادہ جب شاہی لشکر میں آیا تو سب نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اورنگزیب عالمگیر کو کہ شہزادہ محمد سلطان کے شاہ شجاع کے پاس چلے جانے اور اس کی بیٹی سے شادی کرنے کا بے حد رنج تھا۔ جب اسے اطلاع دی گئی کہ شہزادہ پھر لشکر شاہی میں واپس آ گیا ہے۔تو اورنگ زیب نے شہزادہ کو اپنے پاس طلب کیا۔ اور اسے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔

ادھر شاہ شجاع کی حالت یہ تھی کہ ٹانڈہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ٹانڈہ سے وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر جہانگیر نگر گیا۔ اور وہاں سے جان بچا کر بمشکل تمام اراکان و آسام کی طرف گیا۔ جب وہاں کے راجہ سے بھی اس کی جنگ چھڑ گئی تو شکست کھا کر پہاڑیوں میں چُھپ گیا۔ اور اس کے بعد کسی کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا اور اس کے اہل وعیال کا کیا حشر ہوا۔

راجہ جسونت سنگھ کی اطاعت

اورنگ زیب کو دارا شکوہ کی طرح راجہ جسونت سنگھ کی جانب سے بھی بڑی تشویش تھی۔ کیونکہ اسی راجہ نے اورنگزیب کا اجین کے قریب مقابلہ کیا تھا۔ اس کے بعد معافی مانگ کر اورنگ زیب کے نیازمندوں میں شامل ہوگیا تھا لیکن جب شاہ شجاع سے اورنگ زیب کی جنگ چھڑ گئی۔ تو یہ عین

وقت پر دغا دے کر مالوہ کی جانب چل دیا تھا۔

اورنگ زیب جب شاہ شجاع کے ساتھ لڑائی میں اُلجھا ہوا تھا تو اسے یہ فکر پریشان کر رہی تھی کہ جسونت سنگھ جو مالوہ کی جانب گیا ہے کہیں آگرہ پہنچنے کے بعد شاہجہاں کو رہا کر کے کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر دے۔ اور جسونت سنگھ کے لئے ایسا کرنے میں کوئی دُشواری بھی نہ تھی۔ کیونکہ آگرہ کی ساری فوج شاہ شجاع کے مقابلہ پر پہنچ چکی تھی۔ اور آگرہ فوج سے خالی تھا۔ لیکن جسونت سنگھ اورنگ زیب سے اس قدر خائف تھا کہ اسے اس کی ہمت ہی نہ پڑی۔ اور اس نے آگرہ کی جانب رُخ بھی نہ کیا۔

اورنگ زیب اسی اندیشہ کی بنا پر شاہ شجاع کی جنگ سے فرصت پاتے ہی میر جملہ اور شہزادہ سلطان کو شاہ شجاع کے تعاقب میں روانہ کر کے آگرہ کی طرف دوڑا تھا تا کہ جسونت سنگھ پہنچ کر کوئی فتنہ نہ برپا کر سکے لیکن آگرہ آنے کے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ جسونت سنگھ ادھر آیا ہی نہیں بلکہ مالوہ کی طرف چلا گیا ہے تو اسے اطمینان ہو گیا۔

جسونت سنگھ جانتا تھا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ لہٰذا اس نے جے پور کے راجہ جے سنگھ کے ذریعہ اورنگ زیب پر زور ڈالا کہ ایک مرتبہ پھر اسے معافی دیدی جائے اورنگ زیب نے مصلحت وقت دیکھتے ہوئے جسونت سنگھ کو معافی دیدی اور ہدایت کر دی کہ وہ داراشکوہ اور سلطنت کے دشمنوں سے حاضر و غائب کوئی واسطہ اور تعلق نہ رکھے۔ چنانچہ جسونت سنگھ نے اس کا اقرار کر لیا۔

جسونت سنگھ کی معافی اور اطاعت سے قبل داراشکوہ اور جسونت سنگھ میں خط و کتابت کے ذریعہ کچھ وعدے وعید ہو چکے تھے۔ ان وعدوں کے مطابق جب داراشکوہ جودھپور کے قریب آیا تو جسونت سنگھ نے کسی قسم کی مدد دینا تو دو کنار اس سے ملنا بھی پسند نہیں کیا۔ داراشکوہ مایوس ہو کر اجمیر کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ اور وہاں مورچے قائم کر لئے۔ شاہی لشکر بھی مقابلہ پر آ گیا جس میں راجہ جسونت سنگھ بھی شامل تھا۔ سخت لڑائی کے بعد جب داراشکوہ کو شکست ہو گئی تو وہ مع اہل و عیال کے احمد آباد کی طرف بھاگ گیا۔

داراشکوہ کا دردناک انجام

اجمیر میں شکست کھانے کے بعد داراشکوہ کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔ سب نے اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں۔ داراشکوہ تو احمد آباد کے لئے آگے جا چکا تھا۔ مگر اس کا سارا قیمتی سامان اور اہل و عیال پیچھے رہ گئے تھے۔ جب یہ راجپوتوں کے علاقہ سے گزرے تو راجپوتوں نے سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ عورتوں کو اونٹوں کے کجاوے پر سے اُتار کر۔ ان کا سارا زیور چھین لیا۔ اور خاک اُڑانے کیلئے چھوڑ دیا۔ غرضیکہ بڑی مشکل اور مصیبت سے یہ لوگ داراشکوہ تک پہنچے۔

داراشکوہ اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھانے کے بعد احمد آباد میں داخل ہونا چاہتا تھا مگر اسے کسی نے شہر میں گھسنے بھی نہیں دیا۔ احمد آباد سے مایوس ہو کر وہ کچھ گیا۔ وہاں بھی اسے ٹھکانہ ملا وہ غریب جدھر جاتا تھا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کچھ پریشان ہو کر وہ سندھ گیا تو سندھ کے ایک زمیندار ملک جیون نے اسکی بڑی خاطر و مدارت کی لیکن یہ خاطر و مدارات شکار کو پھانسنے کے لئے تھی۔ چنانچہ موقع ملتے ہی ملک جیون نے داراشکوہ کو گرفتار کر کے قید کر لیا اور اسے دہلی روانہ کر دیا۔

دہلی میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ داراشکوہ کو گرفتار کر کے دہلی لایا جا رہا ہے اور ملک جیون نے اس شہزادہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ تو ہر شخص ملک جیون کو گالیاں دیتا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ جب دہلی پہنچے تو ان دونوں شاہی قیدیوں کو ہاتھی پر بٹھا کر لاہوری دروازہ سے شہر میں لایا گیا۔ اور ان کو سارے شہر میں گھمایا گیا۔ ان کی خوب تشہیر اور تذلیل کی گئی اور اس تذلیل کی بنا پر عوام کو داراشکوہ سے غیر معمولی ہمدردی پیدا ہو گئی۔

ملک جیون جس کو داراشکوہ کی گرفتاری کے سلسلہ میں بختیار خاں کا خطاب عطا ہوا تھا اور منصب بھی ملا تھا وہ بھی شاہی قیدیوں کے ہمراہ تھا۔ وہ جس طرف بھی جاتا تھا۔ گالیوں، اینٹوں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ غلاظت سے بھرے ہوئے آبخورے اس پر پھینکے جاتے تھے۔ اور عوام میں اس قدر غصہ اور جوش پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوتوالِ شہر ملک جیون بختیار خاں اور اس کے ساتھیوں کو اپنی پناہ میں نہ لے لیتا تو شائد مخلوق ان کی بوٹیاں اُڑا دیتی۔ جب عوام میں جوش زیادہ بڑھا تو داراشکوہ اور اس کے بیٹے کو پرانی دلّی لے جا کر خضر آباد میں قید کر دیا گیا۔

ہیبت احدی جس نے کہ داراشکوہ کی حمایت میں اور ملک جیون بختیار خاں کے خلاف اس ہنگامہ آرائی میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اسے گرفتار کر کے دوسرے روز قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی سنگین سزائیں دی گئیں اور علمائے اسلام کے فتوے کے مطابق شہزادہ داراشکوہ کے قتل کا بھی حکم ہو گیا۔

شہزادہ داراشکوہ پر الزام یہ تھا کہ۔ ''وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے اس نے تصوف کو بدنام کیا ہے۔ اور وہ کافر و ملحد ہے۔'' چنانچہ علما کے فتوے کی رُو سے اسے کافر قرار دینے کے بعد قتل کیا گیا۔ اُس کی لاش کو ہاتھی پر ڈال کر سارے شہر میں تشہیر کرائی گئی۔ داراشکوہ کی اس بے بسی کی وجہ سے عوام کو کیونکہ اس سے غیر معمولی ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے جس طرف سے بھی داراشکوہ کی لاش گزر رہی تھی۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ لاش کو شہر میں گھمانے کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں 1069ھ (1659ء) میں دفن کر دیا گیا۔

اورنگزیب عالمگیر کا جشن تاجپوشی

اورنگزیب نے یہ طے کیا تھا کہ اس وقت تک اپنی تاجپوشی کا جشن منعقد نہیں کریگا۔ جب تک کہ اسے اپنے دشمنوں پر کامل فتح حاصل نہیں ہو جاتی۔ چنانچہ اورنگزیب جب شاہ شجاع کو شکست دے چکا۔ راجپوت سنگھ کو مطیع کرالیا۔ اور دارا شکوہ کو شکست دینے کے بعد وہ اس کی طرف سے بھی مطمئن ہو گیا۔ تو اس نے 4 رمضان 1069ھ (1659ء) کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ تاجپوشی کا جشن منعقد کیا۔ ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر غازی کا لقب اختیار کیا۔ نیا سکہ جاری کیا۔ اُمرائے سلطنت کو خلعتوں اور منصبوں سے نوازا گیا۔

اورنگزیب نے اس جشن کے موقعہ پر اپنے بیوی بچوں کو جو رقوم عطا کیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ بادشاہ بیگم کو چار لاکھ روپیہ۔ شہزادہ محمد سلطان کو (جو اس وقت شاہ شجاع کا تعاقب کر رہا تھا) تین لاکھ روپیہ۔ شہزادی زیب النسا بیگم کو چار لاکھ روپیہ۔ شہزادی بدر النسا بیگم کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ۔ شہزادی زبدۃ النسا بیگم کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ۔ شہزادہ محمد اعظم کو دو لاکھ روپیہ۔ شہزادہ محمد اعظم کو دو لاکھ روپیہ۔ شہزادہ اکبر کو جو دکن میں تھا ایک لاکھ روپیہ اس کے علاوہ اعزا اور اقربا کو بھی انعامات دیئے۔

اس جشن کے چند ہی روز بعد اورنگزیب کو جب دارا شکوہ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ بے حد محظوظ ہوا۔ اس نے شادیانے بجوانے کا حکم دیا۔ اور احکامات جاری کئے۔ کہ تاجپوشی کا جشن ایام عید الاضحیٰ تک جاری رہے یعنی تقریباً چار ماہ تک تاجپوشی کا جشن ہوتا رہا۔ تاجپوشی کے اس طویل جشن ہی کے زمانہ میں دارا شکوہ کو قید کر کے دہلی لایا گیا اور اسے سزائے موت دے دی گئی تھی۔

تاجپوشی کے بعد اورنگزیب کی اصلاحات

تاجپوشی کی رسم کی ادائیگی کے بعد اورنگزیب عالمگیر۔ ملک کی اصلاحات کی جانب متوجہ ہوا اور اس مقصد کے لئے چند نئے قوانین اور ضابطے مقرر کیے۔

1070ھ (1660ء) میں اس نے حکم دیا کہ محکمہ دینیات کھولا جائے جس کا کام یہ ہو کہ وہ عوام کو دینی باتوں سے باخبر کرے اور غیر اسلامی رسوم سے روکے۔ اکبر کے زمانہ سے سال و ماہ کا حساب شمسی تھا۔ اس نے اس کو قمری ماہ و سال میں تبدیل کر دیا۔ فواحشات اور منشیات کی روک تھام کے لئے قوانین نافذ کئے۔ اور منشیات کے استعمال اور تجارت کو ممنوع قرار دیدیا۔

اورنگزیب کی تخت نشینی سے قبل تمام تجارت پیشہ آدمیوں سے تہہ بازاری وصول کی جاتی تھی۔ اس نے اسے موقوف کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے غلّہ کے بیج کی مفت تقسیم کا نہایت وسیع پیمانہ پر

انتظام کیا۔ تاکہ ملک کی زراعت میں ترقی ہو۔ کسانوں کے لئے تمام ممکن آسانیاں اور سہولتیں فراہم کیں۔

شہزادہ مراد بخش کا قتل

شہزادہ مراد بخش جو گوالیار کے قلعہ میں کئی سال سے مقید تھا۔ اسے بھی 1070ھ (1660ء) میں قتل کرا دیا گیا۔ اس کے قتل کے بارے میں مورخوں کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ عالمگیر نامہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ علی نقی جسے مراد بخش نے قتل کرا دیا تھا۔ اس کے بیٹوں نے اورنگ زیب سے باپ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے مدعیوں کو خواجہ بہلول کے ساتھ گوالیار بھیجا اور حکم دیا کہ ثبوت شرعی کے بعد اگر مراد بخش مجرم ثابت ہو تو مراد بخش سے قصاص لیا جائے۔ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ اور جرم ثابت ہونے کے بعد 21 ربیع الاوّل 1070ھ (1660ء) کو علی نقی خاں کے قصاص میں شہزادہ مراد کو قتل کر دیا گیا۔

عہدِ مغلیہ کا مشہور مورخ خافی خاں جس کا باپ مرتے دم تک گوالیار کے قلعہ میں مراد بخش کے ساتھ تھا۔ بیان کرتا ہے کہ "ایک رات کو مراد بخش کے حامیوں نے یہ تجویز کی کہ کمند لگا کے مراد بخش کو قلعہ گوالیار سے نکال لیا جائے۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مراد بخش کی ایک محبوبہ سوس بائی تھی۔ جو شہزادہ کے قید ہونے کے بعد بادشاہ کی اجازت سے شہزادہ مراد کے پاس گوالیار کے قلعہ میں چلی آئی تھی۔ جب کمند لگائی گئی اور شہزادہ اس کمند سے اُترنے کو تھا تو وہ سوس بائی کے پاس گیا۔ اور سوس بائی کو آدھی رات کے وقت اپنے اس ارادہ سے مطلع کیا۔ اور کہا کہ اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہوگی۔ سوس بائی یہ سن کر رونے پیٹنے لگی اور اس کے رونے پیٹنے سے قلعہ کے چوکیدار چوکنے ہو گئے اور انھوں نے کمند کو پکڑ لیا۔ شہزادہ کی نگرانی سخت کر دی اور بادشاہ کو اس واقعہ سے مطلع کر دیا گیا۔ بعض مورخوں کی یہ بھی رائے ہے کہ سوس بائی شاہی جاسوس تھی۔

بادشاہ نے اس واقعہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شہزادہ مراد کا جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ علی نقوی کے وارثوں کو دعوے کے لئے آمادہ کیا گیا۔ انھوں نے قصاص کا دعویٰ کیا۔ قاضی نے مراد بخش کے خلاف فیصلہ دیدیا اور اسے قتل کرا دیا گیا۔"

مرہٹوں کی شورش سے اورنگزیب کو پریشانی

جس زمانہ میں کہ اورنگزیب اپنے بھائیوں سے لڑ رہا تھا اور اپنی حکومت کے استحکام کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی طاقت جنوبی ہند میں برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور انھوں

نے جنوبی ہند میں بری طرح سے لوٹ اور غارت گری برپا کر رکھی تھی۔

اورنگ زیب کے ڈھائی تین سال خانہ جنگی میں اور اس کے بعد اپنی حکومت کے استحکام میں صرف ہو گئے تھے۔ اس دوران میں وہ دوسرے ملکی معاملات کی جانب توجہ ہی نہ کر سکا تھا۔ چنانچہ اس مدت میں مرہٹوں نے اپنی طاقت کو اچھی طرح مضبوط کر لیا تھا۔ گو انھوں نے شروع میں مغلوں پر ہاتھ صاف نہیں کیا۔ لیکن بعد کو وہ مغلیہ حکومت کے لئے بھی اچھا خاصہ مستقل خطرہ بن گئے تھے۔

چونکہ آگے چل کر مرہٹوں اور مغلوں کے معاملات بار بار تاریخ میں آئینگے۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹوں کی تاریخ کا خلاصہ بھی ان اوراق میں پیش کر دیا جائے۔ تا کہ ناظرین کو مرہٹوں کے واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

مرہٹے کون ہیں اور انھوں نے کس طرح سیاسی اہمیت حاصل کی

مرہٹے جن کو اورنگزیب کے دورِ حکومت میں زیادہ سیاسی اہمیت حاصل ہوئی۔ مہاراشٹر کے باشندے ہیں۔ مہاراشٹر کا علاقہ دریائے گداوری کے دکھن میں واقع ہے۔ جو پونا سے لے کر کولہا پور تک پھیلا ہوا ہے۔ اور مغرب میں ساحل سمندر تک چلا گیا ہے۔ اس علاقہ کی کوئی خاص سرحدیں نہیں تھیں بلکہ اس کی سرحدیں حالات وواقعات کے ساتھ بدلتی رہی ہیں۔

مرہٹے اپنے آپ کو راجپوت اور مہارانا چتوڑ کی اولاد میں سے بتاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کے آباد واجداد چتوڑ سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی سُراغ نہیں ملتا کہ ان کا دعویٰ کس کس حد تک درست ہے۔ بلکہ تاریخ میں تو سلطنت بہمنی کے قیام تک ان کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ان کا نام پہلی مرتبہ اس وقت منظرِ عام پر آیا۔ جب 887ھ (1482ء) میں سلطنت بہمنی کے ختم ہونے کے بعد اس کی خاک سے احمد نگر برار۔ گولکنڈہ بیجاپور اور بیدر کی پانچ مسلم ریاستیں بنیں۔

ان پانچ مسلم ریاستوں میں جب آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو مرہٹوں کو فوجی نوکریوں کے حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ ان کو قلعوں کی حفاظت اور نگرانی کے لئے نوکر رکھا جانے لگا۔ ان میں سے بعض کو دکن کی حکومتوں کے شاہی خزانوں سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور بعض کو اخراجات کے پورا کرنے کے لئے جاگیریں دیدی گئی تھیں لیکن یہ سب کے سب شاہانِ دکن کے ملازمین کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں ان میں سے بعض کو دکن کے مسلم فرمانرداؤں نے بڑے بڑے منصب بھی عطا کئے۔ اور کئی کئی ہزار سوار رکھنے کی اجازت بھی دیدی لیکن ان کا منصبوں پر برقرار رکھنا اور علیحدہ کر دینا سلاطین دکن کے ہاتھ میں تھا۔

سلاطین دکن کے مرہٹہ سرداروں کے پاس جو فوج رہتی تھی وہ "برگی"۔ یعنی لوٹ مار کرنے والی فوج کہلاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس فوج کا کام ہی یہ تھا کہ یہ حکومت کے دشمنوں کی رسد کو لوٹیں بھاگتے ہوئے۔ دشمن کو لوٹ مار کر کے پریشان کریں اور ان کی راہ میں روڑے اٹکائیں۔ اور اس کام میں یہ کافی ہوشیار تھے۔ گوریلا جنگ یا لوٹ مار میں انکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ یوں تو دکن کی تقریباً تمام حکومتوں میں "برگی" موجود تھے لیکن بیجاپور اور احمد نگر کی فوج میں یہ بہت زیادہ تھے۔ کیونکہ ان ہی حکومتوں کے حدود میں مہاراشٹر کا علاقہ تھا۔

احمد نگر کی سلطنت میں دو مرہٹہ سرداروں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی جن میں سے ایک موکھ جی جادو رائے تھا۔ اور دوسرا باپ جی بھونسلہ تھا۔ جو دولت آباد کے قریب ویرول نامی گاؤں میں رہتا تھا۔ باپ جی بھونسلہ کے دو بیٹے تھے۔ مالو جی بھونسلہ اور وٹو جی بھونسلہ۔ مالو جی بھونسلہ شروع میں لاولد تھا۔ لیکن احمد نگر کے ایک درویش شاہ شریف کی دعا سے خدا نے اس کو بیٹا عطا کیا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اور شاہ شریف کے نام پر اس نے اپنے بیٹے کا نام شاہ جی رکھا۔ جو بعد کو شاہ جی بھونسلہ یا ساہو جی بھونسلہ کے نام سے مشہور ہوا۔

شاہ جی بھونسلہ کی شادی کیونکہ مرہٹوں کے دوسرے ممتاز گھرانے یعنی جادو رائے کے خاندان میں ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کا اثر و رسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا اور اسے احمد نگر کی حکومت میں ایک ممتاز درجہ حاصل ہو گیا۔ اس نے پونا کو اپنا وطن بنالیا۔ اور سیاسی جوڑ توڑ شروع کیا۔ چنانچہ احمد نگر کی حکومت جب حکومتِ مغلیہ میں مدغم ہوگئی تو اس نے احمد نگر کا ایک نقلی بادشاہ بنا کر احمد نگر کے اکثر قلعوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ لیکن جب اورنگزیب نے ایامِ شہزادگی میں اس کے خلاف یورش کی تو اسے یہ قلعے چھوڑنے پڑے اور مغلوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ اس کے بعد یہ شاہ بیجاپور کا ملازم ہو گیا۔

شاہ جی کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا سمبھا جی زیادہ تر باپ کے پاس رہتا تھا اور چھوٹا بیٹا سیوا جی ماں کے پاس پونا میں رہتا تھا۔ ماں نے سیوا جی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ایک برہمن دادا جی کندیو کے سپرد کر دی تھی۔ دادا جی کو کندیو سیوا جی کا اتالیق بھی تھا۔ اور شاہ جی کی پونا کی جاگیر کا ناظم بھی تھا۔ اس نے سیوا جی کو تھوڑی سی دھارمک تعلیم دینے کے بعد سپہ گری کی تعلیم دینی شروع کر دی اور چند روز میں شہسواری۔ شمشیر زنی نیزہ بازی اور تیر اندازی سکھا دی۔ اس کے علاوہ تیرنا۔ پہاڑوں کے نشیب و فراز پر اُترنا اور چڑھنا سکھایا۔ غرضیکہ سولہ سال کی عمر میں اس نے سیوا جی کو ایک مکمل سپاہی بنا دیا۔ سیوا جی نے اسی کم عمری میں چھوٹے موٹے حملے کرنے شروع کر دئے تھے۔ اس نے مرہٹوں کی جفاکش قوم ماؤلیوں کو اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ کوئی بڑی یلغار کر کے نام پیدا کرے۔

مرہٹہ سردار سیواجی کی سرگرمیاں

سیواجی کو کسی بڑے یلغار کے لئے قلعہ کی ضرورت تھی۔اور بیجاپور کے بہت سے قلعے ناکارہ اور ویران پڑے تھے۔ چنانچہ اس نے والئ بیجاپور کو درخواست دیکر زائد محصول اور اقرار اطاعت پر توڑنا کا قلعہ لے لیا جو پونا میں بیس میل کے فاصلہ پر تھا۔اس قلعہ کی مرمت کرائی تو اس کی خوش قسمتی سے وہاں سے ایک بڑا خزانہ نکل آیا۔جس سے اس نے اچھی خاصی بڑی فوج فراہم کر لی۔ اس کے علاوہ باپ کی پونا کی جاگیر کا روپیہ بھی فوج اور ہتھیاروں پر صرف کرنا شروع کر دیا۔جب اس نے دیکھا کہ اس کے پاس کافی جمعیت ہوگئی ہے تو بیجاپور کے ایک قلعہ پر جو پُونا کے شمال میں تھا اور ”چاکنہ کا قلعہ“۔کہلاتا تھا۔ چپکے سے قبضہ کر لیا۔پھر قلعہ گندنا پر بھی قابض ہو گیا اور ان دونوں قلعوں کے عادل شاہی عاملوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔سیواجی کے میاخسر نے اس کی ان غیر آئینی حرکتوں پر اعتراض کیا تو اچانک حملہ کر کے اس کو گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔

سیواجی کی سرگرمیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔چنانچہ پورندھر کے قلعہ کے منتظم کے مرتے ہی یہ اس پر بھی قابض ہو گیا۔اپنے باپ کی جاگیر کا انتظام اس نے ایسا عمدہ کیا کہ اس کی آمدنی دوگنی اور تگنی ہوگئی۔ چاکنہ سے لے کر نیرا تک کے علاقہ پر اس کا تسلّط ہو گیا۔جس میں کہ کئی نہایت مضبوط اور محفوظ قلعے تھے۔جب سیواجی نے دیکھا کہ اس کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے۔تو اس نے اپنے باپ کے آقائے ولی نعمت والئ بیجاپور پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔سب سے پہلے والئ بیجاپور کا تین لاکھ اشرفیوں کا خزانہ لوٹا جو کلیان سے بیجاپور لیجایا جا رہا تھا۔کاکن پر اس نے حملہ کر دیا۔اور جن مقامات میں دولت تھی ان کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔کلیان فتح کر لیا غرضیکہ سیواجی نے بیجاپور میں ایک طوفان برپا کر ڈالا۔

سیواجی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے ہر معاملہ کو مذہبی رنگ میں رنگ دیتا تھا۔وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتا رہتا تھا کہ دیوتا اور دیویوں نے اسے ایک خاص طاقت عطا کی ہے جس کے بل پر وہ کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہا ہے چنانچہ اس نے اپنے ہزاروں معتقد پیدا کر لئے تھے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی علاقہ میں حملہ کریں تو مندر یا مسجد کو نقصان نہ پہنچائیں اسے مسلمانوں کے حوالے کر دیتا تھا۔اس کے علاوہ اس کے سپاہی کسی عورت کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ جو ایسا کرتا تھا اسے سخت سزا دیتا تھا۔ جو عورتیں قید ہو کر آتیں۔اُن کو بحفاظت رکھتا تھا۔اور معاوضہ لینے کے بعد وارثان کو واپس کر دیتا تھا۔

سیوا جی کے باپ کی گرفتاری اور رہائی

عادل شاہ والئی بیجاپور جس کے علاقہ میں سیوا جی نے سب سے زیادہ طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے نمک خوار صوبیدار شاہ جی کا بیٹا کسی طرح باز ہی نہیں آ رہا تو اس نے شاہ جی کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شاہ جی اس زمانہ میں حکومت بیجاپور کے صوبہ کرناٹک کا صوبیدار تھا۔ والئی بیجاپور نے اسی کے ہم قوم باجے گھورے پورنے کو حکم دیا کہ وہ شاہ جی کو دعوت کے بہانے سے بلا کر گرفتار کر لے۔ شاہ جی اس جال میں پھنس گیا۔ چنانچہ جب وہ راجہ گھورے پورنے کی دعوت میں گیا تو اس نے شاہ جی کو گرفتار کر کے بیجاپور میں عادل شاہ کے پاس بھیج دیا۔ جس نے اسے قید کر دیا۔ شاہ جی چار برس تک قید میں رہا۔

شاہ جی جس زمانہ میں قید تھا سیوا جی نے اپنی سرگرمیاں اس خوف سے بند کر دیں کہ کہیں اس کے باپ کو قید خانہ میں قتل نہ کر دیا جائے۔ ادھر والئی بیجاپور براہِ راست سیوا جی کے خلاف اس لئے کوئی کاروائی نہ کر سکا۔ کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں سیوا جی مغلوں سے مل کر ان کے لشکر کو بیجاپور پر نہ چڑھا لائے۔ اس دوران میں سیوا جی برابر باپ کی رہائی کے لئے گزارش کی مغل دربار میں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ چنانچہ شاہجہاں کی سفارش سے شاہ جی کو رہا کر کے پھر کرناٹک کا صوبیدار بنا دیا گیا۔

باپ کا رہا ہونا تھا کہ سیوا جی کی سرگرمیاں پھر نئے سرے سے شروع ہو گئیں۔ اس مرتبہ اس نے جولی کے راجہ پر جو دکن کا بہت بڑا راجہ تھا۔ ہاتھ صاف کیا۔ سیوا جی اس راجہ کے ہاں اپنی سگائی کے بہانے سے پہنچ گیا۔ فوج کو منتشر کر کے راجہ کے محل کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ ملاقات کے دوران میں راجہ اور راجہ کے بھائی کا کام تمام کر دیا اور راجہ کے دارالسلطنت پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد بانس کی سیڑھیوں کی مدد سے روہیرا کے قلعہ پر چڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ تھا۔

سیوا جی مغلوں کا دوست بھی اور دشمن بھی

سیوا جی نے چاروں طرف ہاتھ مارے مگر زمانہ دراز تک مغل سلطنت کی جانب رُخ نہیں کیا۔ وہ مغل بادشاہ کی ملازمت کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتا تھا۔ جس زمانہ میں کہ اورنگ زیب ایام شہزادگی میں بیجاپور کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ سیوا جی اس کے ملازموں میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں کی اورنگزیب کے ذریعہ شاہی سند بھی حاصل کر لی تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ اورنگزیب بری طرح سے بیجاپور کی جنگ میں اُلجھ گیا ہے۔ اور بادشاہی علاقے

فوج سے خالی پڑے ہیں تو اس نے مغل علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا اس نے خبیرہ کو لوٹا اور احمد نگر پر ہاتھ مارا ان حملوں میں اسے بے اندازہ سامان جنگ اور کئی سو گھوڑے ملے تو اس نے پہلی مرتبہ سواروں کا دستہ تیار کیا اور پٹھانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کردیا۔ اور اس نے ایسی باقاعدہ فوج تیار کرلی۔ جو ایک اچھے سے اچھے ترقی یافتہ لشکر سے میدان میں آکر بخوبی مقابلہ کرسکتی تھی۔

مغل شاہزادوں کی خانہ جنگی سے بھی اس نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ وہ ایک طرف تو مغلوں کے مقابلہ کے لئے اپنی فوجی طاقت بڑھاتا رہا۔ اور دوسری جانب مغلوں سے پیام وسلام اور معذرت کے ذریعہ اپنی گذشتہ حرکتوں کی اس نے معافی بھی حاصل کرلی اس کے علاوہ کانکن کا علاقہ بھی اورنگزیب سے یہ کہہ کر لے لیا کہ میں موجود مغل اہلکاروں سے بہتر اس کا انتظام کرکے دکھادوں گا۔ اورنگزیب کیونکہ اس وقت بھائیوں کی جنگ کی وجہ سے چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے سیوا جی کو اچھا آدمی نہ سمجھتے ہوئے بھی اس سے بگاڑ پیدا کرنا پسند نہیں کیا۔ غرض کہ اس نے سیوا جی کو معافی نامہ بھی بھجوادیا اور کانکن کا انتظام بھی اس کے سپرد کردیا۔

سیوا جی کے ہاتھوں افضل خاں کا قتل

سیوا جی نے جب دیکھا کہ حکومت بیجاپور کا نظام بالکل درہم برہم ہے تو اس نے پھر بیجاپور میں دُور دُور چھاپے مارنے شروع کردئے۔ نئے نئے قلعے بنالئے۔ اور بیجاپور کے کئی پرگنوں پر قابض ہوگیا عادل شاہ نے تنگ آکر افضل خاں کو سیوا جی کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ سیوا جی کے پاس افضل خاں کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ فوراً بھیگی بلی بن گیا۔ گڑ گڑایا۔ معافیاں مانگیں۔ افضل خاں نے اُسے اظہار اطاعت کا پیغام دیا جسے سیوا جی نے قبول کرلیا لیکن کہلا بھیجا کہ مجھ کو آتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ افضل خاں طاقت کے زعم میں اقرار اطاعت لینے کے لئے خود سیوا جی کے پاس چلا آیا۔ سیوا جی اس کے قدموں پر گر پڑا۔ افضل خاں نے جب اسے اُٹھا کر سینہ سے لگانا چاہا تو سیوا جی نے آہنی پنجے اور خنجر سے اس کا پیٹ چاک کردیا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ خود سکندر عادل شاہ نے سیوا جی کے خلاف فوج کشی کی تو وہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا لیکن سیوا کی خوش قسمتی کہ ان ہی دنوں میں بیجاپور کے سپہ سالار رشیدی جوہر نے بغاوت برپا کردی۔ سکندر عادل شاہ کو اس بغاوت کو دبانے کے لئے سیوا جی کو چھوڑ کر باغیوں کی طرف دوڑنا پڑا۔ سیوا جی بے فکری کے ساتھ پہاڑوں سے نکل کر پھر اپنے علاقوں پر قابض ہوگیا۔ اور اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی۔

مغل علاقوں پر سیواجی کی یورش

سیواجی کے باپ شاہ جی کو کوششوں سے اسی زمانہ میں سیواجی کی سکندر عادل شاہ سے صلح ہوگئی۔ سکندر عادل شاہ اگر سیواجی سے صلح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ اس کی حکومت میں بغاوت پھیل چکی تھی تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ سیواجی سے صلح کرلی جائے۔ مگر والئ بیجاپور سے صلح کرنے کے بعد سیواجی کے لئے یہ دقت پیدا ہوگئی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹ مار کرنے کا میدان جاتا رہا۔ اس کے پاس کوئی بڑی جاگیر تو تھی نہیں۔ اس کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی یہی لوٹ تھی۔ سات آٹھ ہزار سواروں اور پچاس ہزار پیادوں کا خرچ وہ اسی سے نکالتا تھا۔ لہٰذا اس نے صوبہ اورنگ آباد کے کئی پرگنے 1072ھ (1662ء) میں لوٹ لئے۔ اورنگزیب عالمگیر نے جب سیواجی کی یہ روش دیکھی تو اسے اس کی سرکوبی کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

اورنگزیب کے ابتدائی دورِ حکومت کی فتوحات

اورنگزیب کو مرہٹوں پر جو فتوحات حاصل ہوئیں ان کا تذکرہ تو ہم آگے چل کر تفصیل سے ساتھ کریں گے یہاں صرف ان فتوحات کا ذکر کرتے ہیں جو اورنگزیب کے ابتدائی دورِ حکومت میں حاصل ہوئیں۔

1070ھ (1660ء) میں اورنگزیب کو قلعہ پریندہ بغیر کسی خونریزی کے مل گیا۔ امیر الامراء شائستہ خاں کے مطالبہ پہ یہ قلعہ علی عادل شاہ کے حاکم غالب نے مغلوں کے حوالے کردیا۔ قلعہ پریندہ زمانۂ قدیم سے نظام الملک کے تصرف میں تھا۔ جب نظام الملک کی حکومت ختم ہوئی تو والئ بیجاپور نے اس پر قبضہ جمالیا تھا۔

اسی سال جب مغلیہ فوج داراشکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کے تعاقب میں سری نگر پہنچی اور سرینگر کے تمام علاقہ کو پامال کرکے سلیمان شکوہ کو گرفتار کیا تو سری نگر کے راجہ پرتھی سنگھ نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ پرتھی سنگھ وہی راجہ ہے جس نے کہ شاہجہاں کی انتہائی کوشش کے باوجود اطاعت قبول نہیں کی تھی۔

1071ھ (1661ء) میں مغل فوجوں نے حملہ کرکے کھاتا کھیری کے قلعہ کو فتح کیا اور چندر سہن کو جو باغی ہوگیا تھا قتل کیا۔

اورنگزیب کے بیٹے کی شادی راجپوت لڑکی سے

اکبر اور جہانگیر نے غیر مسلموں سے اپنی اور اپنی اولاد کی شادیاں کرکے جو رشتہ داریاں قائم

کی تھیں۔ شاہجہاں اسے ناپسند کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ شادیاں غیر شرعی تھیں۔ چنانچہ شاہجہاں نے اس قسم کے رشتوں کو کبھی پسند نہیں کیا لیکن اورنگزیب عالمگیر اکبر اور جہانگیر کی طرح غیر مسلم راجپوتوں سے شادی کے بیاہ کے حق میں تھا۔ جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ 1071ھ (1661ء) میں اورنگزیب نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنے بیٹے شہزادہ معظم کی شادی راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے کی اس شادی کے موقعہ پر خود بادشاہ نے دو لاکھ روپیہ کا قیمتی سامان دیا۔ ایک لاکھ روپیہ سہرہ بندھائی کی رسم کے لئے عطا کیا۔ ایک لاکھ روپیہ کا زیور بادشاہ کی طرف سے دلہن کو دیا گیا۔ اور ایک ہفتہ تک اس شادی کی خوشی میں جشن منایا گیا۔

آسام اور کوچ بہار کی فتح

خان خاناں جس کو اورنگزیب نے شاہ شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا تھا اور وہ آسام کے قریب جہانگیر نگر میں مقیم تھا۔ اسے ہدایت بھیجی گئی کہ وہ فوراً آسام اور کوچ بہار کی تسخیر کی جانب متوجہ ہو۔ شاہجہاں کی علالت اور شہزادوں کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے راجہ آسام اور راجہ کوچ بہار نے بڑا طوفان برپا کیا تھا۔ راجہ کوچ بہار گھوڑا گھاٹ پر حملہ کر کے اس پر قابض ہو گیا تھا۔ اور یہاں کے ہزاروں باشندوں کو جن میں زیادہ تر مسلمان تھے قید کر کے لے گیا تھا۔

راجہ کوچ بہار کامروپ پر بھی حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کرے راجہ آسام کامروپ پر حملہ کر کے اس پر قابض ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شاہی علاقے راجہ آسام نے دبا لئے تھے۔ راجہ آسام کی یہ شورش کوئی پہلی شورش نہ تھی جہانگیر کے عہد حکومت میں بھی وہ بادشاہی علاقوں پر ہاتھ صاف کرتا رہتا تھا۔

1076ھ (1662ء) میں جب خانخاناں نے جہانگیر نگر سے آسام پر حملہ کا ارادہ کیا تو راجہ نے خوف کی وجہ سے تمام مغل علاقے واپس کر دیے لیکن خانخاناں کو ہدایت ملی کہ وہ آسام اور کوچ بہار کے خلاف اپنی مہم کو جاری کرے۔ چنانچہ خانخاناں نے آسام اور کوچ بہار پر یورش شروع کر دی۔ اس مہم میں وہ ساری فوج شامل تھی جو شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے آئی تھی۔ اس کے علاوہ تازہ دم فوج بھی آ گئی تھی۔ کوچ بہار اور آسام دونوں ملک 1073ھ (1663ء) میں فتح ہو گئے۔ راجہ آسام نے عرضداشت بھیجی کہ اسے معاف کر دیا جائے اور اس کی اطاعت قبول کر لی جائے۔

راجہ کی درخواست قبول کر لی گئی اور ان شرائط پر اسے مطیع بنا لیا گیا کہ راجہ اپنی بیٹی اور راجہ نیام کی بیٹی بادشاہ کو پیش کرے گا۔ بیس ہزار تولہ سونا۔ ایک لکھ بیس ہزار تولہ چاندی۔ اور بیس ہاتھی بادشاہ کی نذر کے لئے دے گا۔ پندرہ ہاتھی خانخاناں کو اور پندرہ ہاتھی دوسرے مغل سردار دلیر خاں

کو دیئے جائیں گے۔ یہ مطالبات تو فوراً پورے کیے جائیں گے۔ اس کے بعد بارہ مہینے میں تین چوماہی قسطوں میں تین لاکھ تولہ چاندی اور نوے ہاتھی سرکارِ شاہی میں روانہ کرنے ہونگے۔ اور ہر سال بیس ہاتھی پیش کرنے پڑیں گے۔ ان مطالبات کے پورے ہونے تک راجہ کے چار بیٹے بطور یرغمال بادشاہ کی خدمت میں رہیں گے۔ راجہ نے یہ تمام شرائط منظور کرلیں۔ آسام اور کوچ بہار کی اس مہم کے بعد خانخاناں کا انتقال ہوگیا۔ اور اسی سال جام کے مرنے کے بعد جب نئے جام نے بغاوت کی تو اس کے علاقہ کو بھی مغل لشکر نے فتح کرلیا۔

سیوا جی کے خلاف لشکر کشی

سیوا جی کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ اس نے بادشاہی علاقوں میں لوٹ مار شروع کردی تھی چنانچہ سیوا جی کے سردار مورو نپت نے 1073ھ (1663ء) میں جنیر کے شمال میں کئی قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ اور اس کے دوسرے سردار نتیاجی پالکر نے بہت سے بادشاہی اضلاع پر دست درازی کرکے لوٹ لیا۔ اس کے علاوہ اورنگ آباد کے مضافات کو بھی تاراج کرڈالا۔

اورنگزیب کو جب سیوا جی کی ان تباہ کاریوں کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے ماموں امیر الامرا شائستہ خاں صوبہ دار دکن کو لکھا کہ "فوراً سیوا جی کے خلاف لشکر کشی شروع کردو۔" شائستہ خاں جو پہلے ہی سیوا جی کی فکر میں تھا۔ ایک بڑا لشکر لے کر سیوا جی کے علاقہ کی طرف چل دیا۔

سیوا جی کو جب معلوم ہوا کہ شائستہ خاں اس کی سرکوبی کے لئے آرہا ہے تو وہ راجگڑھ سے سنگڑہ میں چلا گیا۔ شائستہ خاں نے ایک ایک کرکے اس کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ شائستہ خاں پونا پر بھی قابض ہوگیا۔ اور اُسی حویلی میں قیام کیا جو سیوا جی کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سیوا جی کے علاقوں کو تباہ و برباد اور فتح کرنے کے لئے چاروں طرف لشکر روانہ کردیئے گئے۔ اور اس قدر تباہی مچائی گئی کہ سیوا جی سراسیمہ اور پریشان ہوکر پہاڑوں میں زندگی گذارنے کے لئے مجبور ہوگیا۔ شائستہ خاں نے چُن چُن کر پونا کو مرہٹوں سے صاف کیا۔ اور حکم جاری کردیا کہ کوئی شخص کسی مرہٹے کو نہ ملازم رکھے اور نہ شہر میں گھسنے دے۔

سیوا جی کا برات بنا کر شائستہ خاں پر حملہ

سیوا جی نے جب دیکھا کہ شائستہ خاں اس کیلئے ایک مستقل مصیبت بن گیا ہے تو وہ اسے اپنے راستہ سے ہٹانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ سیوا جی نہ تو مردِ میدان تھا اور نہ اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ شائستہ خاں کا مقابلہ کرسکتا۔ اس لئے اس نے کوئی ایسی راہ تلاش کرنی شروع کی کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

سیوا جی جو منگنی کے بہانے جولی کے راجہ کے محل میں گھس سکتا تھا جسے بھیگی بلی بن کر افضل خاں کو قتل کرنے کا فن یاد تھا۔ اس کے شاطرانہ دماغ کے لئے کسی ایسی چال کا تلاش کر لینا کیا دشوار تھا کہ جس کے ذریعہ وہ بغیر لڑے شائستہ خاں کو ختم کر دے چنانچہ اس مرتبہ اس کے جدت پسند دماغ نے یہ تدبیر نکالی کہ وہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ ایک برات بنا کر پونا میں داخل ہو گیا۔ اس برات نے شائستہ خاں کی قیام گاہ کے عین متصل قیام کیا۔ اور رات کی تاریکی کا انتظار کرنے لگا ۔ پونا کے چاروں طرف وہ اپنے سپاہیوں کو بھیس بدلوا کر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں پہلے ہی متعین کر آیا تھا تا کہ وقت ضرورت ان کی امداد حاصل ہو سکے۔

جب رات کی تاریکی چاروں طرف پھیل گئی تو سیوا جی اور اس کے ساتھی برابر کے مکان سے شائستہ خاں کو پونا کی قیام گاہ میں باورچی خانہ کی ایک کھڑکی کے ذریعہ داخل ہو گئے ۔ چونکہ رمضان کا مہینہ تھا اور سحری کے لئے بعض باورچی کھانا پکار ہے تھے ۔ اس لئے اُنھوں نے چیخ چیخ کر شائستہ خاں اور دوسرے آدمیوں کو بیدار کر دیا لیکن بیدار ہونے کے باوجود بھی کیا کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف سیوا جی کے مسلح سپاہی تھے ۔ اور دوسری طرف معمولی نوکر چاکر یا عورتیں ۔ اکیلا شائستہ خاں کس کس کا مقابلہ کرتا ۔ لیکن پھر بھی شائستہ خاں نے بڑی جُرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں وہ بری طرح زخمی ہوا۔ شائستہ خاں کا بیٹا ابوالفتح خاں بھی بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ کئی پہرے کے سپاہی بھی کام آئے۔ عورتیں بھی ماری گئیں اور زخمی ہوئیں۔ جب زیادہ شور مچایا تو سیوا جی اور اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور پونا سے نکل کر انھوں نے سنگڑہ کی راہ لی۔ غرضیکہ شائستہ خاں کی بڑی مشکل سے اس شاطرانہ حملہ سے جان بچی۔ یہ واقعہ 1073ھ (1663ء) میں پیش آیا تھا۔ دوسرے دن جب بادشاہی فوج کو معلوم ہوا کہ سیوا جی سنگڑہ میں ہے تو اس نے سنگڑہ پر حملہ کر دیا۔ مگر اس حملہ میں مغلوں کو شکست ہوئی یہ پہلی شکست تھی جو مغل سواروں کو مرہٹوں کے مقابلہ میں ہوئی۔

سیوا جی نے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا

شائستہ خاں پر سیوا جی کے اس شاطرانہ حملہ کے بعد اورنگزیب نے امیر الامرا شائستہ خاں کو دکن سے تبدیل کر کے بنگال کا صوبیدار بنا دیا۔ اور شائستہ خاں کی جگہ اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو بھیج دیا۔ راجہ جسونت سنگھ شہزادہ کا معاون مقرر ہوا اور اس کو حکم دیا گیا کہ وہ سیوا جی کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھے۔

سیوا جی اگر کسی سے ڈرتا تھا تو وہ شائستہ خاں تھا۔ شائستہ خاں کے چلے جانے کے بعد وہ اور بھی دلیر ہو گیا۔ 1074ھ (1664ء) میں اس نے لوگوں پر تو یہ ظاہر کیا کہ وہ ناسک کے مندر کی

یاترا کو جارہا ہے لیکن اس نے چار ہزار سواروں کی مدد سے سورت کو خوب لوٹا۔ سورت اس زمانہ میں ہندوستان کا سب سے دولتمند شہر شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ اس لوٹ میں سیوا جی کو بے اندازہ دولت ہاتھ لگی۔

سیوا جی کے پاس دولت بے اندازہ موجود تھی۔ جاگیر بھی اس کے پاس کافی ہوگئی تھی۔ لہٰذا اس نے طے کیا کہ وہ راجہ بننے کا اعلان کردے۔ چنانچہ راجگڑھ میں باقاعدہ طور پر اس کی مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی اور اس نے ۔ ''مہاراجہ سیوا جی بھونسلہ۔'' کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ جو اس کی خودمختاری کا بیّن اور کھلا ہوا ثبوت تھا۔

سیوا جی کا سمندری بیڑا

سیوا جی کی سرگرمیاں صرف میدان اور پہاڑی علاقوں ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ اس نے سمندری بیڑا بھی بنالیا تھا۔ سیوا جی کے لئے سب سے بڑی سہولت یہ تھی کہ مغربی ساحل کی کئی اچھی بندرگاہیں اس کے قبضہ میں تھیں۔ اس سمندری بیڑے کے ذریعہ اس نے سمندر میں بھی لوٹ مار کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ چنانچہ اس کے علاقہ کے ساحل کے قریب سے جو بھی جہاز گزرتا تھا یہ اسے لوٹ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے حاجیوں کے جہازوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اس لئے نہیں کہ اس کو حاجیوں سے عداوت تھی بلکہ محض لوٹ مار کی غرض سے وہ ایسا کرتا تھا۔ تاجروں ، مسافروں اور حاجیوں کا سارا مال وہ لوٹ لیتا تھا۔ ان کو قید کردیتا تھا۔ اور اُس وقت تک ان کو رہا نہیں کرتا تھا جب تک کہ وہ اپنے گھروں سے ایک بڑی رقم منگا کر اپنی رہائی کا معقول معاوضہ نہیں دیدیتے تھے۔

سمندر میں لوٹ مار کرنے کے علاوہ 1074ھ (1664ء) کے آخر میں اس نے احمد نگر کو تاراج کیا۔ اورنگ آباد تک لوٹ مار مچاتا چلا گیا۔ اور کونکن پر حملہ کر کے اس پر بھی قبضہ جمالیا۔ غرضیکہ سیوا جی کی سرگرمیاں یکا یک بے حد بڑھ گئیں۔ اورنگ زیب کو جب معلوم ہوا کہ سیوا جی نے حاجیوں کے لئے اور سمندری تاجروں کے لئے سمندری راستے بھی بند کردئے ہیں۔ دکن میں پہلے سے زیادہ طوفان برپا کر رکھا ہے اور جسونت سنگھ جس کو کہ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس کا کچھ بھی نہ بنا سکا۔ تو اس کے دل میں جسونت سنگھ کی جانب سے شبہات پیدا ہوگئے۔ چنانچہ اورنگزیب نے جسونت سنگھ کی بجائے خاص طور پر راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں کو سیوا جی کے استیصال کے لئے متعین کیا اور حکم دیا کہ وہ سیوا جی کی ساری جاگیر کو تاراج کر کے رکھ دیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ سیوا جی کے فتنہ کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔

سیوا جی کو اطاعت قبول کرنی پڑی

راجہ جے سنگھ نے دکن آنے کے بعد سب سے پہلے اورنگ آباد میں شہزادہ معظم سے ملاقات کی پھر وہ پونا آیا اور جسونت سنگھ سے چارج لے کر اسے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کے بعد سیوا جی کی سرکوبی کی جانب متوجہ ہوا۔

راجہ جے سنگھ اورنگزیب کی حکومت میں بہت بڑا سپہ سالار تھا۔ اس کی فوجی کارکردگی کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ اس نے آتے کے ساتھ ہی اپنی فوج کو اہم ناکوں پر حملہ کرنے کے لئے اس طرح متعین کر دیا کہ سیوا جی کے لئے شدید دشواری پیدا ہو گئی۔ ایک ہی ساتھ سیوا جی کے کئی کئی قلعوں اور ٹھکانوں پر حملے ہونے لگے۔ بستیوں کو تاراج کیا جانے لگا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک کر کے بہت سے قلعے سیوا جی کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ پورندہر کا قلعہ اور رودرمال کا قلعہ بھی مغلوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ان دو اہم اور بڑے قلعوں کے نکل جانے کے بعد سیوا جی کی ہمت ٹوٹ گئی۔

شاہی فوجیں اس کے بعد سیواپور قلعہ کندانہ اور کنوار گڈھ کی جانب بڑھیں۔ اور کہیں بھی آبادی کا نام ونشان نہ چھوڑا۔ ان معرکوں میں مرہٹوں نے بار بار مغلوں سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ کسی ایک میدان میں بھی نہ جم سکے اور نہ شاہی لشکر کے مقابلہ پر ٹھہر سکے۔ غرضیکہ راجگڑھ جو سیوا جی کا دارالسلطنت تھا۔ اور کندانہ جہاں سیوا جی کے اہل وعیال رہتے تھے۔ ان دو مقامات کے علاوہ سیوا جی کا سارا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

سیوا جی کے سارے علاقہ کو تاراج کرنے کے بعد راجہ سنگھ اور دلیر خاں کی فوج سیوا جی پر آخری ضرب لگانے کے لئے 1075ھ (1665ء) میں قلعہ راجگڈھ اور قلعہ کندانہ کی جانب بڑھیں۔ اور ان دونوں مقامات کا محاصرہ کر لیا۔ مرہٹوں نے شروع میں تو سختی سے مدافعت کی لیکن جب انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ قلعے ضرور فتح ہو جائینگے۔

تمام خزانے بٹ جائیں گے اور اہل وعیال مارے جائیں گے تو سیوا جی نے راجہ جے سنگھ سے معافی کی درخواست کی۔ راجہ جے سنگھ جو سیوا جی کو ایک مکار شخص سمجھتا تھا۔ شروع میں تو معافی دینے سے انکار کرتا رہا۔ لیکن جب سیوا جی نے ہر طرح سے اسے اپنی اطاعت اور بادشاہ کی خدمت گزاری کا یقین دلایا۔ تو راجہ نے سیوا جی کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیدی۔

سیوا جی راجہ جے سنگھ کے پاس آنے کے بعد ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کی کہ۔ ”میں ایک ذلیل مجرم بن کر آپ کی درگاہ میں آیا ہوں۔ چاہے مجھے بخش دیجئے۔ یا قتل کر دیجئے۔ میں بادشاہ کی اور آپ کی اطاعت قبول کر چکا ہوں۔ تمام بڑے بڑے قلعے آپ کو سونپتا ہوں اور اپنے بیٹے کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ایک سال بعد میں خود بھی دربار میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اور کبھی کسی شاہی خدمت سے روگردانی نہیں کروں گا۔ ایک دو چھوٹے قلعے میرے بال بچوں کے رہنے کے لئے عطا کر دیئے جائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔"
راجہ جے سنگھ نے سیواجی کی درخواست قبول کر لی۔ اور اسے دلیر خاں کے پاس بھیج دیا۔ اور فوج کو محاصرہ اُٹھانے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں نے سیواجی کو خلعت گھوڑے اور ہاتھی دینے کے بعد بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

سیواجی کی اطاعت قبول کرنے کے بعد فوراً ہی راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کو تمام حالات سے مطلع کر دیا تھا۔ بادشاہ کی خلعت، فرمان اور معافی نامہ آ گیا۔ سیواجی نے برہنہ پا ہو کر بادشاہ کی خلعت، فرمان اور معافی نامہ کا احترام کیا۔ راجہ جے سنگھ نے بارہ چھوٹے قلعے سیواجی کو دیدیئے اور 23 قلعے ممالک محروسہ میں شامل کر لئے۔ سیواجی کے آٹھ سالہ بیٹے سمبھاجی کو بادشاہ کی طرف سے پنج ہزاری کا منصب عطا ہوا۔ اسے حکم ملا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہونے سے قبل مغل فوج کے ساتھ رہے اور سیواجی کو ہدایت کی گئی کہ جس وقت بادشاہی حکم آئے وہ اس کی فوراً تعمیل کرے۔

تبت۔ اراکان اور چاٹگاؤں کی فتح

شاہجہاں نے 1047ھ (1637ء) میں تبت کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ صرف تبت خورد فتح کر سکا تھا۔ اورنگزیب نے 1075ھ (1665ء) میں تبت کے فتح کرنے کے لئے پھر ایک بار مہم روانہ کی اور ہدایت کر دی کہ پہلے راجہ کو اطاعت کے لئے کہا جائے جب وہ نہ مانے تو جنگ شروع کر دی جائے۔ راجہ نے ابتدا میں تو معاملہ کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن اس کے بعد اس نے اطاعت قبول کر لی تبت میں اورنگ زیب عالمگیر کا خطبہ اور سکّہ جاری ہو گیا۔ تبت کے مسلمانوں کے لئے مسجد تعمیر کرائی گئی اور بادشاہ کی خدمت میں بہت سے قیمتی تحائف روانہ کئے گئے۔

اسی سال اورنگ زیب عالمگیر کے حکم کے مطابق شائستہ خاں صوبیدار بنگال نے اراکان اور چاٹگاؤں پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ کی وجہ یہ تھی کہ اراکان اور چاٹگاؤں کے راجہ جو آپس میں چچا زاد بھائی تھے۔ برابر بنگال کے سرحدی علاقوں پر حملے کر کے لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

ان راجاؤں کے علاوہ ان پرتگیزیوں نے بھی بڑی قیامت برپا کر رکھی تھی۔ جنہوں نے کہ ہگلی کی طرح چاٹگاؤں میں بھی اپنے قلعے بنا لئے تھے چنانچہ جب شاہجہاں نے ان کو مار مار کر ہگلی سے نکالدیا تھا تو ان کا سب سے بڑا مستقر چاٹگاؤں بن گیا تھا۔ اور انھوں نے باقاعدہ طور پر سمندر میں اور ساحلی مقامات پر ڈاکہ زنی شروع کر دی تھی۔ ان کو جب بھی موقع ملتا۔ یہ ہندوستانیوں کو پکڑ کر لے جاتے اور غیر ممالک ہیں ان کو غلام بنا کر فروخت کر دیتے تھے۔ راجہ چاٹگاؤں پرتگیزیوں کی مجرمانہ سرگرمیوں میں برابر کا شریک تھا۔

راجہ اراکان، راجہ چاٹگاؤں اور پرتگیزیوں کی ان درازدستیوں کا اس کے سوا کوئی علاج نہ تھا کہ ان علاقوں کو فتح کر لیا جائے۔ چنانچہ امیر الامرائا شائستہ خاں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ پرتگیزیوں نے اور راجہ اراکان کے ایک زمیندار دلاور نے سخت مقابلہ کیا۔ راجاؤں کی فوجیں بھی مقابلہ پر آگئیں۔ مگر ان کو شکست ہوگئی پرتگیزی بری طرح مارے گئے۔ دلاور مع اہل وعیال کے گرفتار ہوا اور 1075ھ (1665ء) میں اراکان اور چاٹگاؤں کا علاقہ بھی فتح ہو گیا۔ چاٹگاؤں میں فتح کے فوراً بعد کچھ بغاوت برپا ہوگئی تھی جسے دبا دیا گیا۔

بیجاپور کی مہم میں سیواجی مغلوں کے ساتھ

ہم بتا چکے ہیں کہ 1066ھ (1656ء) میں جب علی عادل شاہ والیٔ بیجاپور مرا تو بعض اُمرائے سلطنت نے جو زیادہ تر غلام تھے۔ایک مجہول النسب سکندر کو بیجاپور کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ چونکہ اکثر اُمرائے بیجاپور سکندر کی تخت نشینی کے مخالف تھے۔ اس لئے انھوں نے شاہجہاں کو مداخلت کے لئے لکھا تھا۔ اس پر شاہجہاں نے اورنگزیب کو جو اس زمانہ میں دکن کا وائسرائے تھا حکم بھیج دیا تھا کہ فوراً بیجاپور لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا جائے۔ اورنگزیب نے باپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیجاپور کا اکثر وبیشتر علاقہ فتح کر لیا تھا کہ اچانک شاہجہاں کی علالت اور مغل شہزادوں میں تخت کے لئے خانہ جنگی کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے بیجاپور کی یہ فتح ادھوری رہ گئی تھی۔

اورنگزیب کو بادشاہ بننے کے بعد جب دوسرے معاملات سے فراغت ہوئی تو اس نے راجہ جے سنگھ کو ہدایت بھیجی کہ بیجاپور کی فتح کے لئے لشکر کشی شروع کر دی جائے۔ چنانچہ بیجاپور کے خلاف 1076ھ (1666ء) میں مہم شروع کر دی گئی۔ اس مہم کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیواجی اور بہت سے مرہٹہ سردار بھی مغلوں کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دئے۔ اس مہم میں سب سے پہلی فتح مرہٹہ سردار نیتا جی کو حاصل ہوئی تھی۔ نیتا جی نے قلعہ پھل تن پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد تو یہ حالت ہوئی کہ مغل فوج کے مرہٹہ اور راجپوت سردار جدھر بھی جاتے تھے علاقے کے علاقے فتح کرتے چلے جاتے تھے۔ قلعوں کو سر کرنے میں مغل فوج کو سیواجی اور نیتا جی سے بہت بڑی مدد ملی کیونکہ ان دونوں کو قلعوں کے فتح کرنے میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ بیجاپوریوں نے کئی جگہ مقابلہ کیا۔ ان کا مشہور سردار حبشی غلام یاقوت بھی مارا گیا۔ لیکن ان کو تقریباً ہر مورچہ پر شکست ہوئی۔

مغل فوج اور مرہٹے بڑھتے بڑھتے بیجاپور تک جا پہنچے۔ بیجاپور کا سارا ملک انھوں نے تاراج کر کے رکھ دیا۔ سکندر عادل شاہ اس قدر گھبرایا کہ اس نے بار بار صلح کی درخواستیں بھیجیں۔ لیکن راجہ جے

سنگھ نے ان درخواستوں کی قطعی پروانہ کی بلکہ اس نے فتوحات کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا۔
بیجاپوریوں نے سیواجی کو توڑنا چاہا تو سیواجی نے کورا جواب دیدیا لیکن نیتاجی ٹوٹ کر بیجاپوریوں سے جاملا۔ اس کے علاوہ بیجاپوریوں نے والیٔ گولکنڈہ قطب الملک کو بھی اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ لیکن گولکنڈہ کی فوجیں بھی بیجاپور کو تباہی سے نہ بچاسکیں ہاں اتنا ضرور ہوا کہ گولکنڈہ کی فوجوں کے آنے کے بعد مغلوں کی فتوحات کی رفتار سست پڑگئی تھی۔ اور اس کے فوراً بعد ہی چونکہ بارش کا موسم آگیا تھا۔ اس لئے راجہ جے سنگھ کو اپنی سرگرمیوں کو کچھ عرصہ کے لئے بند کردینا پڑا تھا۔ اس مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیجاپور کا سارا علاقہ تو ضرور تباہ اور برباد ہوگیا۔ مگر مغلوں کو پھر بھی بیجاپور پر کامل فتح حاصل نہ ہوسکی۔

سیواجی مغل دربار میں

بیجاپور کے معرکہ میں سیواجی نے جو نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ اس سے خوش ہوکر اورنگزیب نے دو دفعہ اس کو خوشنودی کے فرمان بھیجے۔ اور اس کی جرأت اور بہادری کی بہت تعریف کی۔ اور اس کے ساتھ ہی سیواجی کو دہلی آنے کی دعوت بھی دی۔

بادشاہ کی دعوت پر اور راجہ جے سنگھ کے ہر طرح اطمینان دلانے پر سیواجی مع اپنے بیٹے سمبھا کے 1076ھ (1666ء) میں بادشاہ کی خدمت میں دہلی روانہ ہوگیا۔ لیکن دہلی پہنچنے کے بعد سیواجی کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ نہ تو اس کا خاطر خواہ استقبال کیا گیا اور نہ ہی کوئی خاص اعزاز عطا کیا گیا بلکہ عام اُمرا کی طرح اسے پانچ ہزاری منصب داروں کی صف میں بٹھادیا گیا۔ یہ منصب تو خود اس کے خوردسال بیٹے کو بھی حاصل تھا۔ اس کو تو بادشاہ سے بہت زیادہ توقعات تھیں۔ لیکن اس کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ سیواجی نے دل برداشتہ ہونے کے باوجود بھی بادشاہ کی خدمت میں گرانقدر نذریں پیش کیں مگر کبیدہ خاطر ہوکر دوسرے اُمراء سے الگ ایک گوشہ میں جاکر بیٹھ گیا اور اپنے مستقبل پر غور کرنے لگا۔

اورنگزیب نے راجہ جے سنگھ کے مکان کے پاس سیواجی کے قیام کا انتظام کرایا تھا۔ اور حکم دیدیا تھا کہ سیواجی کی قیام گاہ پر پہرا بٹھادیا جائے۔ اس کے علاوہ سیواجی کو دربار میں مجرا ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ یعنی سیواجی کو نظر بند کردیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اورنگزیب عالمگیر کا دل ابھی تک سیواجی کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اور سیواجی کے بیجاپور خدمات بجالانے کے باوجود بادشاہ اسے حکومت مغلیہ کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔

سیواجی دہلی سے فرار ہو گیا

سیواجی نہ جانے کیا کیا اُمیدیں لے کر آیا تھا۔ اس نے جب بادشاہ کا یہ بدلا ہوا رنگ دیکھا تو وہ بیمار بن کر پڑ گیا۔ پھر چند روز بعد غسلِ صحت کیا اور بڑے بڑے ٹوکروں میں غسل صحت کی خوشی میں مٹھائیاں بھر بھر اُمرائے سلطنت اور مذہبی اداروں کو بھیجنی شروع کیں۔ یہ مٹھائی کئی دن تک تقسیم ہوتی رہی۔

شاہی پہریدار شروع شروع میں تو مٹھائی کے ٹوکروں کی تلاشی لیتے رہے۔ لیکن بعد میں اطمینان ہونے کے بعد جب انھوں نے تلاشی لینی چھوڑ دی تو ایک ٹوکرے میں سیواجی خود بیٹھا۔ اور دوسرے ٹوکرے میں اپنے بیٹے سمبھاجی کو بٹھایا۔ اور اس طرح وہ پہریداروں کو دھوکہ دیکر نکل گیا۔ دہلی سے وہ آگرہ پہنچا۔ اور آگرہ سے سنیاسی کا روپ بدل کر بنارس گیا۔ اور پھر وہاں سے دکن جا پہنچا۔

اورنگ زیب کے سیواجی کے ساتھ اس روکھے سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیواجی جیسا ہوشیار اور کام کا آدمی جسے آسانی سے دوست بنایا جا سکتا تھا۔ اب پہلے سے بھی زیادہ عالمگیر اور مغلوں کا دشمن بن گیا۔

گانے بجانے کی ممانعت اور چند دیگر اصلاحات

اورنگزیب نے 1078ھ (1668ء) میں ملک میں جو اصلاحات کیں اور جو مشہور احکامات نافذ کیے وہ یہ ہیں:۔

اس نے گانے بجانے کو تمام مملکت میں خلافِ قانون قرار دیدیا۔ اور شاہی گویوں کو انعام واکرام دیکر ہمیشہ کے لئے رخصت کردیا۔

چونکہ برہان پور میں ایامِ محرم میں تابوت نکالنے پر مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوگئی تھی۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ آئندہ سے تابوت یا اس قسم کی کوئی چیز ایامِ محرم میں پیش نہ کی جائے۔

اورنگزیب نے بذریعہ اعلان یہ مشتہر کردیا کہ آئندہ سے ایک عام شہری کو بھی بادشاہ پر دیوانی یا فوجداری مقدمہ دائر کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ تاکہ اگر بادشاہ پر رعایا کا کوئی مطالبہ ہو یا بادشاہ پر کوئی الزام ہو تو بذریعہ عدالت اس کا فیصلہ ہو سکے بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں بادشاہ یعنی تاج کے خلاف دعوے کئے اور ان دعوؤں کی سماعت کی گئی۔

سیوا جی کی از سرِ نو شورش

سیوا جی نے دہلی سے فرار ہونے اور دکھن پہنچنے کے بعد نئے سرے سے مغلوں کے خلاف 1078ھ (1668ء) میں شورش برپا کر دی۔ اس نے حیدر آباد پہنچنے کے بعد عبداللہ قطب الملک والیٔ گولکنڈہ کو ابھارا اور اس کی فوج کی مدد سے تقریباً وہ تمام قلعے مغلوں سے چھین لئے جو اس کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ اس کے علاوہ سیوا جی نے اور بھی چند قلعے فتح کر کے عبداللہ قطب الملک کو دیدئے۔ اسی زمانہ میں جب عبداللہ قطب الملک مر گیا۔ اور اس کی جگہ ابوالحسن تانا شاہ گولکنڈہ کے تخت پر بیٹھا تو سیوا جی نے اس سے بھی ساز باز کر کے اسے بھی مغلوں کا مخالف بنا لیا۔

سیوا جی نے قلعوں کے حاصل ہونے کے بعد پہلے کی طرح پھر لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس نے سورت کو جو اس زمانہ میں باب الحج تھا لوٹا۔ ساحل سمندر پر قلعوں کو مضبوط بنانے کے بعد حاجیوں کے جہازوں پر ہاتھ صاف کیا۔ بہت سے مسلمان مردوں اور عورتوں کو غلام بنا کر لے گیا۔ اور راجگڑھ کی بجائے کوراہری میں ایک نیا قلعہ تعمیر کر کے اسے اپنا مرکز بنا لیا۔ اس قلعہ کی جائے وقوع اس طرح پہاڑیوں میں تھی کہ اس کا تسخیر کرنا ناممکن تھا۔ سیوا جی اس لئے اور بھی جری ہو گیا تھا کیونکہ سیوا جی کا سب سے بڑا مخالف اور مغل فوج کا لائق ترین افسر جے سنگھ حال ہی میں فوت ہو گیا تھا اور اس کی جگہ جسونت سنگھ کو مقرر کیا گیا تھا جس کو سیوا جی کبھی بھی نظر میں نہیں لایا تھا۔

معذرت کے باوجود سیوا جی کی غارت گری

سیوا جی کی غارتگریوں پر اگرچہ اورنگزیب کو بے حد طیش آیا لیکن اس نے اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہوئے شہزادہ معظم اور راجہ جسونت سنگھ کو جو کہ دکن میں متعین تھے۔ لکھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح سیوا جی کو تدبر اور ہوشمندی سے قابو میں لائیں۔ ان دونوں نے سیوا جی پر زور دیا کہ وہ باشاہ سے گذشتہ خطاؤں کی معافی مانگ کر بادشاہ سے اپنے تعلقات خوشگوار بنالے۔ سیوا جی اس کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ سیوا جی کا معذرت نامہ جب اورنگ زیب کو ملا تو اس نے سیوا جی کی نہ صرف معذرت قبول کر لی بلکہ سیوا جی کو راجہ کا خطاب بھی دیدیا۔ اور اس کے بیٹے سمبھا جی کو حسب سابق پنج ہزاری کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ اور اسے برار کے علاقے میں معقول جاگیر بھی عطا کر دی۔

سیوا جی کی معذرت اور اورنگزیب کی سیوا جی اور اس کے بیٹے پر نوازشات سے بظاہر تو سیوا جی اور اورنگ زیب کے تعلقات میں تلخی نہیں رہی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کو نہ تو ایک دوسرے پر اعتماد تھا۔ اور نہ آپس میں ان دونوں کے دل صاف تھے۔ اور یہ کدورت اس طرح

منظرِ عام پر آ گئی کہ باوجود یہ کہ سیواجی کے بیٹے سمبھا جی کو منصب مل چکا تھا اور جاگیر عطا ہو چکی تھی۔ مگر سیواجی نے اسے بادشاہ کی ملازمت کے لئے نہ جانے دیا۔

اورنگ زیب نے سمجھ لیا کہ سیواجی ایسا انسان نہیں ہے جو آسانی سے قابو میں آ سکے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ معظم اور راجہ جسونت سنگھ کو لکھ بھیجا کہ "چونکہ سیواجی ہماری نوازشات کے باوجود ہم سے گریز کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی سرکوبی اور گرفتاری کی سرتوڑ کوشش کی جائے۔" سیواجی کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو وہ بھی میدان میں آ گیا۔ اور اس نے حملہ کر کے کئی شاہی قلعوں پر قبضہ جمالیا۔ شاہی ملازموں کو بے حد پریشان کرنا شروع کیا۔ اور سورت کو پھر ایک بار 1086ھ (1672ء) میں خوب لُوٹا۔ اور سورت کے باشندوں کو مجبور کیا کہ وہ اسے ایک لاکھ روپیہ سالانہ نذرانہ دیا کریں چنانچہ جب مغل فوج سیواجی کی سرکوبی کے لئے آئی تو سیواجی کے مقابلہ میں اسے شکست ہوگئی۔

سیواجی نے پرتاب سنگھ کو فوج دیکر خاندیش پر بھی حملہ کرا دیا۔ پرتاپ سنگھ نے سارے خاندیش کو اچھی طرح لوٹا۔ خاندیش کے زمینداروں نے تنگ آ کر چوتھ کی رقم سیواجی کو دینے کا وعدہ کرلیا۔ غرضیکہ سیواجی کے آدمیوں نے خاندیش کے اکثر علاقوں سے چوتھ میں خراج وصول کیا۔ پہلا موقعہ تھا کہ سیواجی نے بادشاہی علاقہ سے خراج وصول کیا۔

سیواجی کو غارتگری کا موقعہ اس لئے اور بھی مل گیا کیونکہ اورنگزیب تو اپنی مصروفیت کی وجہ سے دکن جا نہیں سکتا تھا اور شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ میں اتنی استعداد اور قابلیت تھی نہیں کہ وہ سیواجی جیسے چالاک دشمن کا مقابلہ کر سکتے۔ چنانچہ بادشاہ نے جسونت سنگھ کو تو بلا لیا۔ اور مہابت خاں کو چالیس ہزار فوج دیکر سیواجی کے استیصال کے لئے دکن بھیج دیا۔ مہابت خاں نے دکھن پہنچتے ہی سیواجی کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ مہابت خاں سے مرہٹوں کی کئی مہینے تک جنگ ہوتی رہی کیفیت یہ تھی کہ کبھی مرہٹے غالب آ جاتے تھے اور کبھی مہابت خاں ان پر حاوی ہو جاتا تھا۔ آخر مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اور مرہٹوں کے کئی بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے۔ اس جنگ میں اغر خاں ثانی نے بڑی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ اس نے پونا تک جو سیواجی کا گھر تھا۔ تاخت کر کے سیواجی کے سارے علاقہ کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔

سرحدی افغانوں کے خلاف لشکرکشی

ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں یوسف زئی اور دوسرے سرحدی افغانوں نے زمانہ دراز سے بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ یہ شورش کوئی نئی نہ تھی اس سے قبل شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں بھی جب انھوں نے غارتگری مچائی تھی اکبر کو ان کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ

ہوا تھا کہ انھوں نے زمانہ دراز تک سر نہیں اُٹھایا۔ لیکن اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں یہ پھر شورش پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے ہندوستان کے اکثر شمالی مغربی علاقے لوٹ لئے سرحدی افغانوں کی اس شورش پسندی کو دیکھتے ہوئے اورنگزیب عالمگیر 1077ھ (1667ء) میں ان یوسف زئیوں کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑا لشکر بھیجنا پڑا تھا۔ اس لشکر کو اس علاقے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن پھر بھی مغل فوج نے کوہ سواد کے علاقہ تک ان کی اس طرح سرکوبی کی کہ یہ کئی سال تک مقابلہ پہ نہ آسکے۔

1086ھ (1576ء) میں انھوں نے پھر سر اُٹھایا۔ کابل کی فوجیں جب ان کے مقابلہ پر آئیں تو انھوں نے سخت مقابلہ کیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس جنگ میں کابل کے صوبیدار محمد امین کا بیٹا۔ داماد۔ اور بہت سے ماتحت افسر مارے گئے۔ پٹھان حملہ آور محمد امین کی بیٹی کو بھی اُٹھا کر لے گئے تھے۔ جسے انھوں نے معقول رقم لینے کے بعد واپس کر دیا تھا۔

اورنگ زیب نے دیکھا کہ سرحدی افغان کسی طرح قابو ہی میں نہیں آتے تو وہ خود ان کے مقابلہ پر گیا۔ حسن ابدال پہنچا اور ان سے جنگ میں مصروف ہو گیا۔ بادشاہ کے بلانے پر آغر خاں بھی حسن ابدال پہنچ گیا تھا۔ افغانوں سے بادشاہ اور شاہی لشکر کا سخت مقابلہ ہوا۔ لیکن آغر خاں نے ان کا ایسا دماغ درست کیا کہ یہ آغر خاں کے نام سے کانپنے لگے۔ آغر خاں نے ان کے علاقوں میں گھس گھس کر اور مار مار کر ان کو پہاڑ کے غاروں میں منہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ان میں اکثر سامانِ خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ان ہی غاروں کے اندر مر گئے۔ اورنگزیب ہندوستان کا پہلا بادشاہ ہے۔ جس نے افغانستان کے آزاد قبائل کے ان علاقوں میں جا کر فتح حاصل کی جو اس سے قبل ناقابلِ تسخیر کہے جاتے تھے۔

ستنامی فقیروں کا فتنہ

عہدِ اورنگزیب کا اہم ترین واقعہ ستنامی فقیروں کا فتنہ ہے جس نے کہ نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ستنامیوں کا یہ فرقہ جو سادھوؤں کا لباس پہنتا تھا۔ نارنول کے قرب وجوار میں آباد تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ زراعت اور تجارت بھی کرتے تھے۔ اس فتنہ کی ابتدا 1086ھ (1672ء) میں یوں ہوئی کہ ایک سرکاری سپاہی اور ستنامی میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے میں کسی ستنامی کے چوٹ آ گئی۔ پھر کیا تھا ہزاروں ستنامی مسلح ہو کر شاہی چوکی پر پل پڑے۔ سرکاری آدمیوں کو بری طرح لوٹا اور غارتگری شروع کر دی۔

انکی شورش جب حد سے زیادہ بڑھی تو اس فتنہ کو دبانے کیلئے مغل فوج بھیجی گئی۔ لیکن ستنامیوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ انھوں نے فوج کو بھی پسپا کر دیا۔ فوج کو تقریباً ہر مورچہ پر ستنامیوں

کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ ست نامیوں نے پیش قدمی کر کے نارنول کو لے لیا جو دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور سرکاری عمال کو نارنول سے مار کر نکالا دیا۔ اس کے بعد ستنامی قصبات اور دیہاتوں کو فتح کرتے ہوئے دہلی کے علاقہ میں تیس میل تک آ گئے۔ اور انھوں نے پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ ہمارے پاس ایک ایسا جادو ہے کہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہم کو شکست نہیں دے سکتی۔ ستنامیوں کے اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہوا کہ مغل فوج کے مسلم اور راجپوت سپاہی جادو کے خوف سے ست نامیوں کے مقابلہ پر جاتے ہوئے گھبرانے لگے۔

اورنگزیب جو اعلیٰ درجہ کا فطرت شناس اور بڑا ہی نباض تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ستنامیوں کے پروپیگنڈے نے مغل سپاہیوں کے حوصلے پست کر دیے ہیں تو اس نے اس پروپیگنڈے کے اثر کو دُور کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتیں مغل اور راجپوت سرداروں کو لکھ کر دیدیں اور ان کے ذہین نشین کر دیا کہ ان آیتوں کے ہوتے ہوئے کبھی کوئی جادو اثر نہیں کر سکتا۔ اورنگزیب کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ مغل فوج کے راجپوت اور مسلم سپاہیوں میں نئے سرے سے جرأت پیدا ہوگئی اور انھوں نے آگے بڑھ کر ست نامیوں کے سارے فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔ اور وہ سارا علاقہ ان سے چھین لیا جو انھوں نے فتح کر لیا تھا۔

ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ کا ٹیکس

ستنامیوں کا یہ فتنہ چونکہ فرقہ وارانہ رنگ میں اُٹھایا گیا تھا۔ اور اس فتنے کے اُٹھانے والے سب کے سب ہندو فقیر تھے۔ اس لئے اس کا اورنگزیب کے دل و دماغ پر بے حد اثر ہوا۔ چنانچہ اورنگزیب نے اس فتنہ کے فوراً بعد ہی 1082ھ (1672ء) میں جزیہ وہ حصول ہندوؤں پر دوبارہ عائد کر دیا جو اکبر نے اڑا دیا تھا۔

جزیہ غیر مسلموں پر ایک شرعی ٹیکس تھا جو غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس کے ادا کرنے والے غیر مسلم جنگی خدمت سے مستثنیٰ ہوتے تھے شریعت اسلامیہ کے مطابق اسی قسم کا ٹیکس مسلمانوں سے بھی لیا جاتا ہے جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لئے اس ٹیکس کی ادائیگی کے باوجود مسلم حکومت کے لئے جنگی خدمت لازمی ہے۔ غیر مسلموں سے چونکہ زکوٰۃ نہیں لی جاسکتی۔ اس لئے اس کا دوسرا نام جزیہ رکھ دیا گیا تھا۔

مغلوں سے پہلے جزیہ کی رقم دس روپیہ سے لے کر چالیس روپیہ سالانہ تک لی جاتی تھا۔ لیکن اورنگزیب کی حکومت میں 1/213 روپیہ سالانہ سے زیادہ کسی غیر مسلم سے کبھی جزیہ وصول نہیں کیا گیا۔ جزیہ صرف خاندان کے سرپرست سے لیا جاتا تھا۔ سرپرست کے علاوہ خاندان کے باقی افراد اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھے۔

ہندو کیونکہ زمانہ دراز سے جزیہ کے ٹیکس سے بالکل مستثنیٰ تھے۔اس لئے انھوں نے اس ٹیکس کے دوبارہ عائد کئے جانے کو بہت بری طرح محسوس کیا۔مختلف ذرائع سے اورنگزیب پر اس ٹیکس کی منسوخی کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔لیکن بادشاہ اس ٹیکس کے منسوخ کئے جانے کے لئے کسی طرح بھی راضی نہ ہوا۔اور ہندوؤں کو مجبوراً یہ ٹیکس ادا کرنا پڑا۔لیکن راجپوتوں نے متفق ہو کر طے کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم جزیہ کا ٹیکس نہیں ادا کریں گے۔ چنانچہ صرف جزیہ کے عائد کرنے کی بنا پر ہندو اور راجپوتوں میں اورنگزیب کی حکومت کے خلاف بری طرح منافرت کی آگ بھڑک اُٹھی۔

راجپوتوں کی شورش

راجپوتوں کی بغاوت بھی عہد اورنگزیب کا اہم ترین واقعہ ہے۔کیونکہ راجپوتوں کے باغی ہو جانے کے بعد اورنگزیب کی حکومت ان راجپوت سرداروں اور سپاہیوں کی ہمدردی سے بڑی حد تک محروم ہو گئی جو حکومتِ مغلیہ کو شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت سے حاصل تھی۔

راجپوتوں کی اس بغاوت کی ابتدا 1089ھ (1679ء) میں اس طرح ہوئی کہ کابل کا نائب صوبیدار راجہ جسونت سنگھ والیٔ جودھپور جب کابل میں مر گیا تو راجہ کا درستِ راست درگا داس اور دوسرے ساتھی شاہی اجازت کے بغیر رانی کو راجہ کے دونوں خورد سال لڑکوں کو اور سارے راجپوت لشکر کو لے کر ہندوستان کی طرف چل دیئے۔راستہ میں اٹک کے مغل حاکم نے جب ان کو روکا تو انھوں نے بغاوت برپا کرنے کے بعد حاکم سے جنگ کی اور لڑتے ہوئے نکل آئے۔جب بادشاہ کو راجپوتوں کی اس بغاوت کا علم ہوا تو اس نے حکم دیدیا کہ دہلی پہنچنے پر باغی اور سرکش راجپوتوں کو روک لیا جائے اور شہر سے باہر کیمپ میں رکھا جائے اور ان کا محاصرہ کر لیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔بعد میں بادشاہ نے راجپوت سردار اور سپاہیوں کو تو جانے کی اجازت دیدی لیکن رانی اور دونوں راجکماروں کو بدستور نظر بند رکھا۔

ہندو اور راجپوت جو جزیہ کی تجدید کی وجہ سے پہلے ہی اورنگ زیب کی حکومت سے بدظن تھے۔ان کو جسونت سنگھ کے بال بچوں کی گرفتاری نے اور بھی مشتعل کر دیا۔چنانچہ راجپوت بڑی عیاری کے ساتھ راجہ کے ایک لڑکے کو نکال کر لے گئے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ رانی بھی مردانہ بھیس بدل کر نکل گئی تھی۔اور دونوں راجکمار بھی تبدیل لباس کے بعد فرار ہو گئے تھے۔لیکن یہ یقینی ہے کہ راجہ جسونت سنگھ کا بڑا لڑکا اجیت سنگھ کسی نہ کسی طرح ضرور نکل گیا تھا۔جس کو کہ راجپوتوں نے مارواڑ لے جا کر باپ کا جانشین بنا دیا تھا۔

اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ رانا اودے پور اور دوسرے بہت سے راجاؤں نے جسونت سنگھ کے اہل وعیال کی ہمدردی میں اورنگزیب کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔بادشاہ راجپوتوں کی

بغاوت کو دبانے کے لئے خود اجمیر گیا۔ اور خاں جہاں کو اجمیر سے جودھپور کی جانب ایک بڑا لشکر لے کر بھیجا خاں جہاں نے سختی کے ساتھ راجپوتوں کو دبایا۔ اور جودھپور کا بیشتر علاقہ ویران کر ڈالا۔
رانا نے جب دیکھا کہ وہ مشکلات میں پھنس گیا ہے تو اس نے اطاعت کی درخواست بھیجی جو منظور کر لی گئی۔ رانا نے اقرار اطاعت کے بعد جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اور جزیہ کے محصول میں دو پر گنے دیدئے۔ نیز جسونت سنگھ کے اہل وعیال کی امداد کرنے کا وعدہ کیا۔ اورنگزیب مہارانا کے فتنہ کو دبانے کے بعد 1090ھ (1680ء) میں دارالسلطنت واپس آ گیا۔

رانا اور شہزادہ اکبر کی بغاوت

رانا کے ساتھ اورنگزیب کی جو صلح ہوئی تھی۔ وہ چند ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور غالباً اس صلح سے رانا کا مقصد اس کے سوا اور کچھ تھا بھی نہیں۔ کہ اسے جنگی تیاریوں اور دوسرے راجپوت راجاؤں کو متحد کرنے کا موقعہ مل جائے چنانچہ صلح کے سات ماہ بعد جب رانا اودے پور نے پھر بغاوت برپا کر دی تو بادشاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر اجمیر گیا۔ اور شہزادہ اکبر کو مغل لشکر کا سربراہ بنا کر مہارانا اور راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر کا کئی مقامات پر راجپوتوں کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ لیکن راجپوتوں کو ہر مورچہ پر شکست ہوئی۔ مغل سردار متور خان نے چند روز کے اندر اندر تقریباً سارے راجپوتانہ کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔
بادشاہ نے شہزادہ محمد معظم کو لکھا کہ وہ فوراً دکن سے اجین پہنچ جائے اور شہزادہ محمد اعظم کو بنگال سے اپنے پاس اجمیر آنے کی ہدایت کی۔ اس کے علاوہ محمد امین خاں صوبیدار گجرات اور دوسرے صوبیداروں کے نام بھی ہدایتیں روانہ ہوئیں کہ وہ جلد سے جلد راجپوتانہ کی سرحد پر پہنچ جائیں۔
راجپوت شہزادہ اکبر ہی کے لشکر سے پریشان تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ راجپوتوں کی فوج کے لئے چاروں طرف سے فوجیں آ رہی ہیں تو وہ بہت گھبرائے۔ اب انھوں نے شاہی طاقت کو توڑنے کے لئے شطرنجی چالیں چلنی شروع کیں۔ سب سے پہلے انھوں نے حاکم دکن شہزادہ معظم کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جب شہزادہ معظم پر ان کا جادو نہ چلا تو انھوں نے شہزادہ اکبر کو جو کم عمر تھا۔ سبز باغ دکھا کر توڑ لیا۔
شہزادہ اکبر کے راجپوتوں سے مل جانے کے بعد اورنگزیب کے لئے بڑی پریشانی پیدا ہو گئی کیونکہ اورنگزیب نے تمام کا تمام لشکر شہزادہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اجمیر سے لے کر دارالسلطنت تک سارا علاقہ فوج سے خالی تھا۔ اس کے علاوہ شہزادہ اکبر کے باغی ہونے کے بعد اورنگزیب کو یہ بھی اطلاعات ملنی شروع ہو گئی تھیں کہ شہزادہ اکبر 70 ہزار کا لشکر لے کر اجمیر کی طرف آ رہا اور دارالسلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یعنی وہی لشکر جو اورنگ زیب نے راجپوتوں کی سرکوبی

کے لئے بھیجا تھا خود اس کی حکومت کے لئے بڑا خطرہ بن گیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ اورنگ زیب کے لئے یہ نازک ترین وقت تھا۔ لیکن یہ لائق سپہ سالار ذرا نہیں گھبرایا۔ جب دکن کے دس ہزار سپاہی آ گئے تو اس نے خدا کا نام لے کر شہزادہ معظم کو اکبر اور راجپوتوں کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا لیکن قبل اس کے کہ معظم اور اکبر کے لشکروں میں جنگ ہو۔ اکبر کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اکبر کی مغل فوج ٹوٹ کر شاہی فوج سے آن ملی۔ اکبر کے ساتھ جب گنے چنے سپاہی رہ گئے تو یہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اب راجپوتوں نے سوچا کہ ساری جنگ کا بار ان کی گردن پر آن پڑا ہے تو راجپوت سردار بھی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ مہارانا اودے پور مغلوں کے خوف سے پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ شہزادہ اکبر بھی وہاں سے فرار ہو کر سمبھا جی کے پاس چلا گیا۔ اور اس کے بعد وہاں سے ایسا ایران گیا کہ اسے جیتے جی ہندوستان آنا کبھی نصیب نہ ہوا۔

راجپوت اور مغل ایک دوسرے کے مستقل دشمن

اورنگزیب عالمگیر نے محض اپنی جنگی قابلیت کی بنا پر اودیپور، جودھپور اور راجپوتانہ کے دوسرے علاقوں پر تاخت و تاراج کر کے راجپوتوں کو ضرور دبا لیا تھا۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اب راجپوتوں اور مغلوں کا وہ پرانا قلبی تعلق ختم ہو چکا تھا۔ جو شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔

راجپوت راجاؤں میں سے رام سنگھ والئ جے پور کے علاوہ کوئی ایسا راجپوت سردار باقی نہ رہا تھا۔ جس پر اورنگزیب اعتماد کر سکتا یا اس کو اورنگ زیب پر بھروسہ ہو سکتا راجہ جے پور کی یہ وابستگی بھی محض ان رشتوں کی وجہ سے تھی جو مغلوں سے نسلاً بعد نسلاً قائم ہوتے چلے آ رہے تھے۔ ورنہ جہاں تک راجپوت راجاؤں کا تعلق ہے وہ سب کے سب اورنگزیب کی حکومت کی مخالفت میں بالکل متحد تھے۔

مغلوں اور راجپوتوں کی اس مخالفت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ شہزادہ اکبر کی بغاوت کے واقعہ کے بعد کبھی تو شاہی لشکر راجپوتانہ کو لوٹتا تھا اور کبھی راجپوت مالوہ کے شاہی علاقہ کو موقعہ ملتے ہی ویران کر ڈالتے تھے۔ اس زمانہ میں خوب مندر توڑے گئے۔ اور مسجدیں مسمار کی گئیں۔ جب شاہی عمال کو موقعہ ملتا تھا تو وہ مندروں کو توڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنا لیتے تھے۔ اور جب راجپوتوں کا بس چلتا تھا تو وہ مسجدوں کو خوب مسمار کرتے تھے۔ قرآنِ پاک کو جلاتے تھے اور مسجد کے ملاؤں کی اچھی طرح گت بناتے تھے۔ غرضیکہ آپس کی مخالفت کی وجہ سے ایسی لغزشیں ہو رہی تھیں جو بے حد افسوسناک اور شرمناک تھیں۔

مہارانا اودے پور نے پھر ایک بار جزیہ کی رقم میں کمی پر گئے دیگر 1091ھ (1681ء) میں

بادشاہ کی اطاعت کا وعدہ کرلیا تھا۔ لیکن یہ وعدہ بھی سچے دل سے نہیں کیا تھا بلکہ دب کر کیا گیا تھا۔ غرضیکہ چند راجپوت ریاستوں کو چھوڑ کر باقی سب کی سب ریاستیں اورنگزیب سے منحرف ہوگئی تھیں۔ غرضیکہ مغلوں اور راجپوتوں میں جیسی کہ سالہا سال سے دوستی تھی۔ اب ویسی ہی دشمنی کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہو گیا تھا۔

سیوا جی کا آخری دور

سیوا جی کی بابت ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ سیوا جی نے دہلی سے فرار ہونے کے بعد شاہی علاقوں میں خوب لوٹ اور غارتگری مچائی تھی۔ لیکن مہابت خاں اور اغر خاں ثانی نے جب اس کے سارے علاقہ کو پامال کر ڈالا تو وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن اس نے جب دیکھا کہ راجپوتوں اور مغلوں میں چل گئی ہے۔ تو وہ پھر میدان میں آ گیا۔ اور اس کی تباہ کن سرگرمیاں نئے سرے سے شروع ہوگئیں۔ اُس کی دستبرد سے نہ تو شاہی علاقے محفوظ رہے۔ اور نہ بیجاپور کی سلطنت۔ حکومت گولکنڈہ جس کا سیوا جی دوست بنا ہوا تھا۔ اس پر بھی اس نے دوستی کے پردہ میں ہاتھ صاف کر دیا۔ غرضیکہ سیوا جی نے دکھن کے میدان کو خالی پانے کے بعد غارتگری مچائی۔

سیوا جی اپنی ان فتوحات سے ایسا مغرور ہو گیا کہ اس نے اپنے دارالسلطنت راجگڈھ میں مغل بادشاہوں کی طرح باقاعدہ دربار منعقد کیا۔ جس میں مرہٹہ سرداروں کو بھی بڑے بڑے منصب اور خطابات عطا کیے گئے۔ صرف فرق اتنا تھا کہ مغلوں کے خطابات میں فارسی الفاظ ہوتے تھے۔ اور سیوا جی کے خطابات میں سنسکرت نے فارسی کی جگہ لے لی تھی۔

اس دربار کے بعد سیوا جی نے مغلوں یا بیجاپوریوں کے خلاف جو مہم شروع کی، ''اس میں دہرم راج۔'' کی چاشنی دیکر مذہبی رنگ دیدیا تھا تا کہ اس کے متبعین میں بھی وہی مذہبی جوش پیدا ہو جائے جو مسلمان بادشاہ ''جہاد'' کے نام سے پیدا کیا کرتے ہیں۔

سیوا جی بیجاپور پر حملہ کر کے پرنالہ اور ہوبلی کو تو پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس کے بعد جب پورندھر فتح ہو گیا تو وہ اپنے آپ کو بیجاپور اور کانکن سے چوتھ وصول کرنے کا حقدار بھی سمجھنے لگا۔ پھر اس نے قلعہ اوندھ اور بھٹہ بھی دوبارہ فتح کر لیا۔ غرضیکہ سیوا جی نے فتوحات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

سیوا جی جہاں سے چوتھ وصول کر سکتا تھا وہاں سے ضرور چوتھ وصول کرتا تھا جس علاقہ پر مستقل طور پر قبضہ جما سکتا تھا اسے فتح کر لیتا تھا۔ اور جس علاقہ کو فتح نہیں کر سکتا تھا وہاں سے صرف لُوٹ اور غارتگری پر اکتفا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سیوا جی نے اپنے باپ کی اس جاگیر پر بھی قبضہ جما لیا جو کرناٹک اور میسور میں تھی اور جس پر سیوا جی کا سوتیلا بھائی ونکاجی قابض تھا۔ غرضیکہ

فتوحات کے لئے بے پناہ جذبہ کے ماتحت اس نے نہ غیروں کو چھوڑا نہ اپنوں کو۔ اور اس طرح اس نے مرہٹوں کے لئے ایک ایسی وسیع اور دولتمند حکومت بنادی جس کا مرہٹے اس سے قبل تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

سیوا جی اپنے بیٹے سمبھا جی سے اس کی بدچلنیوں کی وجہ سے سخت ناراض تھا چنانچہ ایک مرتبہ جب سمبھا جی نے ایک شادی شدہ برہمنی کی بالجبر آبرو لینی چاہی تو سیوا جی نے اسے پرنالہ کے قلعہ میں مقید کر دیا تھا۔ مگر یہ قلعہ سے فرار ہو کر مغل سردار دلیر خاں کے پاس پہنچ گیا۔ دلیر خاں بیٹے کو باپ کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ مگر اورنگزیب کی خواہش یہ تھی کہ اسے پابہ زنجیر کر کے دہلی بھیج دیا جائے۔ مگر دلیر خاں جس نے کہ سمبھا جی کو پناہ دی تھی۔ اور بادشاہ کے حوالے نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے مقابلہ میں اورنگ زیب کی اس خواہش کی کوئی پروانہ کی سمبھا جی کو اس نے اپنے پاس رکھا اور جب سمبھا جی نے چاہا تو اسے رخصت کر دیا۔ چنانچہ وہ دلیر خاں سے رخصت ہونے کے بعد پھر باپ کے پاس چلا گیا۔

سمبھا جی جس وقت باپ کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ سیاسی اُلجھنوں کی وجہ سے باپ کی صحت گر چکی ہے۔ اسی زمانہ میں سیوا جی خطرناک بخار میں مبتلا ہونے کے بعد 1091ھ (1680ء) میں مر گیا۔ سیوا جی کے مرنے کے بعد اس کی جانشینی کا جھگڑا چلا۔ مرہٹوں کا ایک طبقہ سمبھا جی کے حق میں تھا۔ اور دوسرا طبقہ سمبھا جی کے چھوٹے بھائی راجہ رام کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ راجہ رام کے حامیوں کو ناکامی ہوئی۔ اور سمبھا جی باپ کی جگہ راجہ بن گیا۔

اورنگزیب عالمگیر کی دکن میں فتوحات

دکن میں بدنظمی انتہا کو پہنچ چکی تھی اورنگزیب کے پاس جے سنگھ جیسا لائق سپہ سالار اب باقی نہ رہا تھا جو دکن کو زیر کر سکتا۔ شہزادہ معظم دکھن کے نظام کو برقرار رکھنے میں قطعی ناکام رہا تھا۔ شہزادہ معظم کے ساتھ جو فوجی سردار لگے ہوتے تھے وہ بھی ناکام ثابت ہو چکے تھے۔ اس لئے مجبوراً اورنگزیب کو 1092ھ (1281ء) میں خود دکن جانا پڑا۔ اس نے پہلے اجمیر شریف میں حاضری دی۔ اس کے بعد برہان پور پہنچا۔ دکن میں اورنگزیب کی یہ مہم طویل ترین مہم ہے۔ کیونکہ اس کی بقیہ ساری عمر ہی دکن کی لڑائیوں میں گذر گئی۔ اور اسے چند ماہ کے لئے بھی دارالسلطنت دہلی میں اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔

اورنگزیب جس وقت دکن پہنچا تو اس وقت اس کا سب سے بڑا دشمن سیوا جی تو ضرور مر چکا تھا۔ لیکن وہ اپنے پیچھے اچھی خاصی بڑی حکومت بنا کر چھوڑ گیا تھا۔ اور اس نے اپنی قابلیت سے بہت سے بہترین مرہٹہ سردار پیدا کر دئے تھے۔ اورنگزیب کو ان مرہٹہ سرداروں سے وہ تمام

علاقے واپس لینے تھے۔ جن پر کہ سیواجی نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ قبضہ جمایا تھا۔

اورنگ زیب کو بیجاپور کے خلاف بھی مہم جاری کرنی تھی۔ جس کے فرمانروا سکندر عادل شاہ نے بار بار حکومت مغلیہ کے ساتھ بدعہدی کی تھی۔ اسی حکومت کے نالائق عمال کی کمزوری کی وجہ سے دکن میں مرہٹوں کو سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا تھا۔ اس حکومت کے اکثر عمال راشی تھے۔ جنہوں نے روپیہ لے کر بہت سے قلعے بغیر لڑے مرہٹوں کو دیدیئے تھے۔

الوالحسن تاناشاہ والیٔ گولکنڈہ کے خلاف بھی اورنگزیب مہم جاری کرنا چاہتا تھا کیونکہ گولکنڈہ کی حکومت نے نہ صرف مغلوں سے بار بار بدعہدی کی تھی۔ بلکہ اس نے روپیہ اور فوج دیکر سیواجی سے مغلوں کے علاقوں پر بار بار یورش کرائی تھی۔ سب سے زیادہ مغلوں کو گولکنڈہ اور مرہٹوں کے ساز باز سے نقصان پہنچا تھا۔

اورنگزیب برہان پور سے اورنگ آباد آیا۔ اور یہاں پہنچنے کے بعد اس نے شہزادہ معظم کو تو رام درہ کے قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اور شہزادہ محمد اعظم کو قلعہ سالیر کی فتح کا کام سپرد کیا۔ اس قلعہ پر سیواجی کے آدمیوں کا قبضہ تھا۔ اس کے علاقہ شہاب الدین خاں اور خانجہاں کو مرہٹوں کے دوسرے قلعوں کے فتح کرنے کی خدمت تفویض کی گئی۔

بادشاہ کی دکن میں موجودگی کا بہت اچھا اثر پڑا۔ مرہٹوں کے قلعے ایک ایک کر کے زیر ہونے لگے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرہٹوں نے بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ مغل بادشاہ اس ارادہ ہی سے دکن آیا ہو کہ وہ مرہٹوں کی طاقت کو کچلے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا تو مرہٹے کہاں تک مقابلہ کرتے آخر انھوں نے میدان میں آکر مقابلہ کرنا چھوڑ دیا۔ غرضیکہ تین سال کے اندر اندر 1095ھ (1284ء) میں اورنگزیب نے اپنے بیشتر قلعے مرہٹوں سے واپس لے لئے۔

سیواجی کا بیٹا سمبھاجی جو مردِ میدان نہیں تھا بلکہ ایک عیاش نوجوان تھا مغلوں کا کچھ بھی نہ بنا سکا۔ اگر سمبھاجی کی بجائے اس وقت سیواجی ہوتا تو وہ شاید ساری دکن کی حکومتوں سے ساز باز کر کے اورنگزیب کے لئے بہت دشواریاں پیدا کر دیتا۔ لیکن سمبھاجی کو کسی ایک معرکہ میں بھی مغلوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مرہٹہ حکومت کی جو مدافعت ہو رہی تھی وہ بھی سیواجی کی تربیت یافتہ مرہٹہ سردار کر رہے تھے۔ اگر ان مرہٹہ سرداروں نے مغلوں کا جان توڑ مقابلہ نہ کیا ہوتا تو شاید اورنگزیب کو مرہٹوں پر جو فتوحات تین سال میں حاصل ہوئی تھیں۔ ان میں تین مہینے بھی نہ لگتے۔

بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کا خاتمہ

1096ھ (1685ء) میں اورنگزیب نے مرہٹوں سے بہت سے قلعے اور علاقے واپس لینے کے بعد اچانک اپنی مہم کا رخ مرہٹوں کے قدیم دوست والیٔ گولکنڈہ کی جانب کر دیا۔ چونکہ اورنگزیب کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ بیجاپور کی جانب یورش کرے تو مرہٹے اور گولکنڈہ والے متحد ہو کر مغلوں کے لئے پریشانیاں پیدا کر دیں۔ گولکنڈہ کی فوجوں نے ابتدا میں تو شاہی لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن بعد میں ان کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ مغل فوجیں حیدر آباد تک جا گھسیں ہر طرف لوٹ مار اور غارتگری برپا ہوئی۔ ابوالحسن تانا شاہ نے گرانقدر رقوم دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے علاوہ قیمتی تحائف پیش کر کے صلح کی درخواست کی جسے اورنگزیب تو منظور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شہزادہ محمد معظم اور خانجہاں کی سفارش پر مصلحتِ وقت کے لحاظ سے بادشاہ نے گولکنڈہ کے خلاف جنگ بند کر دی۔

گولکنڈہ کے مورچے کے سَر ہونے کے بعد اورنگزیب نے مغل فوج کا رُخ سکندر عادل شاہ والیٔ بیجاپور کی طرف پھیر دیا۔ اور شہزادہ محمد اعظم کو لشکر کا سربراہ بنایا جب شہزادہ بیجاپور کے علاقہ میں پہنچا تو دکنیوں نے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر رسد بند کر دی۔ اور اس طرح ناکہ بندی کی کہ شاہی لشکر کے آدمی فاقوں سے مرنے لگے۔ جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے رسد بھیجنے کا انتظام کیا۔ خود شولاپور آیا اور شہزادہ محمد معظم، رُوح اللہ خاں اور دیگر اُمرا کو شہزادہ محمد اعظم کی مدد کیلئے روانہ کیا۔ دکنی اور شاہی لشکر میں کئی معرکے ہوئے مگر بیجاپور کا قلعہ کسی طرح فتح ہونے میں ہی نہیں آیا ج تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہزادہ معظم جو اس قلعہ کو اپنے نام پر فتح کرنا چاہتا تھا۔ دکنیوں کے بعض سرداروں سے مل گیا تھا۔

بادشاہ کو جب شہزادہ کی اس خود غرضی کا علم ہوا تو اس نے شہزادہ معظم کو بلا کر نظر بند کر دیا۔ اور اس کے بعد خود بیجاپور کے قلعہ کے مورچہ کے سَر کرنے کے لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ قلعہ کا محاصرہ سخت کر دیا گیا۔ اور قلعہ کے گرد و پیش خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں سکندر عادل والیٔ بیجاپور کے بہت سے مرہٹہ سردار اور دوسرے مارے گئے۔

سکندر عادل شاہ نے سمجھ لیا کہ اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تو اس نے قلعہ کی کنجیاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیں۔ اور خود بھی مجرموں کی طرح حاضر ہو گیا بادشاہ نے اس فتح کے بعد ایک دربارِ عام کیا سکندر عادل شاہ کو عادل خاں کا خطاب دیا۔ اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ بیجاپور کے دوسرے اُمرا کو بھی خلعت اور منصب عطا ہوئے اور اس طرح 1097ھ (1686ء) میں بیجاپور کی عادل شاہی حکومت ختم ہونے کے بعد حکومتِ مغلیہ میں شامل کر لی گئی۔

گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت بھی ختم

اورنگزیب عالمگیر کو قطب شاہی حکمرانوں سے دلی نفرت تھی کیونکہ انھوں نے نہ صرف بار بار معاہدہ شکنی کی تھی بلکہ مرہٹوں کے ساتھ ساز باز کر کے شاہی علاقوں کو بہت بری طرح لٹوایا تھا۔ چنانچہ مرہٹوں کے بعد سب سے پہلے اورنگزیب نے گولکنڈہ ہی کو سرزنش شروع کی تھی۔ لیکن ابوالحسن تانا شاہ جب بہت رویا اور گڑگڑایا اور شہزادہ معظم نے بھی اس کی سفارش کی تو اس شرط پر اسے خلاصی مل گئی تھی کہ وہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ بطور پیشکش فوراً روانہ کرے سالانہ خراج پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتا رہے اور ان تمام قلعوں سے دستبردار ہو جائے جو شاہی لشکر نے فتح کر لئے ہیں۔

اورنگزیب بیجاپور کی جنگ میں اُلجھ گیا تو ابوالحسن تانا شاہ اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ شائد پانسہ مغلوں کے خلاف پڑے تو وہ بیجاپور کے ساتھ شامل ہو جائے۔ چنانچہ ان غلط توقعات کی بنا پر نہ تو اس نے حسب وعدہ پیش کش بھیجی اور نہ خراج ادا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگزیب جو پہلے ہی سے اس کی تاک میں تھا۔ بیجاپور سے فارغ ہوتے ہی گولکنڈہ کی جانب چل پڑا۔ جب ابوالحسن کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے وکیل کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج کر ہر چند ایفائے وعدہ کا یقین دلایا اور خوشامد کی مگر بادشاہ نہ مانا آخر مجبوراً ابوالحسن تانا شاہ کی بھی مقابلہ کی تیاریاں کرنی پڑیں۔

اورنگزیب نے گولکنڈہ کی جانب پیش قدمی کر کے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ شہزادہ معظم جو نظر بندی سے رہا ہونے کے بعد اس معرکہ میں شریک تھا۔ اس نے ابوالحسن تانا شاہ سے ساز باز کر لی ہے لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ شہزادہ صرف یہ چاہتا تھا کہ ابوالحسن اگر قلعہ کی کنجیاں کسی کو دے تو وہ صرف اُسی کو دے تاکہ بادشاہ کی نظر میں اس کو سرفرازی حاصل ہو لیکن شہزادہ کے دشمنوں نے اس معاملہ کو ایسے رنگ سے پیش کیا جس سے کہ بادشاہ کو یہ شبہ ہو گیا کہ شہزادہ معظم دوبارہ دشمنوں سے مل گیا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے فوراً شہزادہ معظم اس کے بیٹے محمد عظیم اور اس کی بیوی نور النساء کو ایک مکان میں قید کر دیا۔

بادشاہ نے اس واقعہ کے بعد گولکنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ اور بھی سخت کر دیا۔ ابوالحسن کی فوج سے شاہی فوج کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ابوالحسن کی فوج اگرچہ بہت بڑی تعداد میں تھی۔ مگر اسے شکست ہوئی۔ غرضیکہ بڑی دُشواری کے بعد گولکنڈہ فتح ہوا اور مغل فوجیں اس تاریخی قلعہ میں داخل ہو گئیں۔

ابوالحسن تاناشاہ کی اطاعت

مغل سردار جب قلعہ کے اندر پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ابوالحسن تاناشاہ کے سامنے دستر خوان بچھا ہوا۔ اور وہ بڑی بے فکری کے ساتھ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا ہے۔ اور اس کو اپنی شکست اور بربادی کا احساس تک نہیں۔ جب مغل سردار اس کے قریب آئے تو وہ ان کے ساتھ بڑے احترام کے ساتھ پیش آیا۔ اور ان میں سے بعض کو مجبور کر کے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھالیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ کے دروازہ پر شہزادہ محمد اعظم کے خیمہ میں آیا شہزادے کے گلے میں موتیوں کی مالا ڈالی۔ شہزادہ اسے اورنگزیب کی خدمت میں لے گیا۔ اورنگ زیب نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے دولت آباد بھیج کر اس کی تمام ضرورتوں کا انتظام کر دیا۔ لیکن ابوالحسن کا مال وخزانہ اور تمام سامان ضبط کر لیا۔ غرضیکہ **1098ھ (1687ء)** میں گولکنڈہ یعنی حیدر آباد اور بیجاپور کے درمیان واقع تھا اور اس طرح دکن کا تقریباً تمام علاقہ حکومتِ مغلیہ میں شامل ہو گیا۔

سمبھاجی کا ناکام دورِ حکومت

اورنگزیب عالمگیر کو دکن میں جو شاندار فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ ان میں سمبھاجی کی نالائقی کی وجہ سے بھی بڑی مدد ملی تھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سمبھاجی کی بجائے اس زمانہ میں سیواجی ہوتا تو اورنگ زیب کے لئے شدید مشکلات کھڑی کر دیتا۔ لیکن سمبھاجی کی حالت یہ تھی کہ اورنگ زیب نے مرہٹوں کے قلعے پر قلعے فتح کر لئے مگر اس نے کروٹ تک نہ لی۔ اورنگزیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ کو فتح کر کے تقریباً سارے دکن میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ مگر یہ پھر بھی خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوا۔ اور اورنگزیب ایک ایک کر کے دکن کے تمام ممالک فتح کرتا چلا گیا۔

سیواجی کی قزاقانہ سرگرمیوں اور شاطرانہ چالوں کے بارے میں خواہ کتنا ہی اعتراض کیوں نہ کیا جائے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک بہادر اور لائق جرنل تھا۔ اس کی جنگی قابلیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے باپ کی معمولی سی جاگیر کو ایک ایسی خود مختار حکومت میں تبدیل کر دیا تھا۔ جو گولکنڈہ اور بیجاپور تک سے ٹیکس وصول کرتی تھی۔ اور اس نے ایک زبردست جنگی بیڑا بنا کر اپنی طاقت کو اور بھی بڑھا لیا تھا۔ اس کے علاوہ سیواجی کا ہی دم تھا کہ اس نے مرہٹوں کی غیر معروف قوم کو ابھار کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ سیواجی جہاں ایک بہادر اور اچھا حکمراں تھا۔ وہاں پاکباز بھی تھا۔ اس نے جنگ کے دوران میں کبھی کسی عورت کی آبرو پر نہ خود ہاتھ ڈالا۔ اور نہ اپنے کسی سپاہی کو ہاتھ ڈالنے دیا۔

اس کے برخلاف سمبھاجی نہایت ظالم، عشرت پسند اور گرے ہوئے چال چلن کا انسان تھا۔ باپ کا جانشین بننے کے بعد اس نے اپنے مخالفین اور رعایا پر ایسے مظالم کئے کہ اس کے خلاف عام بے چینی خود ہندوؤں اور مرہٹوں میں پیدا ہوگئی تھی۔ باوجود یہ کہ وہ باپ کے معرکوں میں برابر شریک رہا تھا۔ لیکن اس کی جنگی نااہلیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی ایک معرکہ میں بھی اس کو مغلوں کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی بس وہ تو اپنے وزیر کلوشا نامی برہمن کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ کلوشا دی برہمن تھا جس کے پاس بنارس میں سیواجی سمبھاجی کو چھوڑ کر خود کو دکن آگیا تھا۔ اس برہمن نے سمبھاجی پر کچھ ایسا جادو کر دیا تھا کہ سمبھاجی جب راجہ بنا تو وہ اس برہمن کے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس برہمن کو بلا کر اپنا وزیر اعظم بنالیا اور مرتے دم تک اسی نالائق برہمن کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا۔

سمبھاجی کا ذاتی کریکٹر کس قدر پست تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے باپ نے اسے ایک شادی شدہ برہمنی کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ جب باپ مر گیا تو اس نے رعایا کی بہو بیٹیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ سیواجی کے باغ میں ایک باوری بھی تھی۔ جب عورتیں اس باوری میں پانی بھرنے کے لئے آتیں تو سیواجی ان کے ساتھ ماں بہنوں جیسا سلوک کرتا تھا۔ لیکن سمبھاجی کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی جوان عورت گاگر بھر کر چلتی تو یہ دست درازیاں کرتا۔ اور اس کی آبرو پر ہاتھ ڈال دیتا۔ یہ ہر وقت محل میں شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا رہتا تھا۔ اور اس کو خبر تک نہ تھی کہ اس کی حکومت رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے۔

مرہٹے سیواجی کو راجہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک دیوتا تصور کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر مرہٹہ جیسی اکھڑ قوم کے دل میں سیواجی کا غیر معمولی احترام نہ ہوتا تو وہ اپنی حکومت کو بچانے کے لئے سمبھاجی کو کبھی کا قتل کر چکے ہوتے لیکن وہ سمبھاجی کی بدچلنیوں اور ظلم و ستم کو محض سیواجی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سمبھاجی نے جب اپنے بھائی راجہ رام کو قید کیا۔ اور اس کی ماں کو بیدردی کے ساتھ قتل کیا تب بھی مرہٹے خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

سمبھاجی کی گرفتاری اور قتل

سمبھاجی کی نالائقی اور غفلت شعاری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اورنگزیب نے اس کے خلاف یلغار کا حکم دیدیا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مقرب خاں حیدر آبادی فوج لے کر سمبھاجی کے سر پر جا پہنچا تب بھی اِس دائم الخمر کی آنکھ نہ کھلی۔ جب سمبھاجی کے آدمیوں نے اسے بتایا کہ مغل آگئے ہیں۔ تو اس نے نشہ کی حالت میں کہا۔ ''مغلوں کی کیا مجال ہے جو یہاں تک آسکیں۔'' پھر غصہ میں آکر اطلاع دینے والوں کی زبانیں

کٹوا دیں۔ اور ان غریبوں کو قتل کرا دیا۔

سمبھا جی بدستور نشہ میں مست پڑا رہا۔ یہاں تک کہ مقرب خاں حیدر آبادی نے سمبھا جی پر اچانک حملہ کر کے اسے اور اس کے برہمن وزیر کلوشا کو 1099ھ (1688ء) میں گرفتار کرلیا۔ اور اُونٹوں پر ان دونوں کو بٹھا دیا۔ سمبھا جی کے ہاتھوں ستائی ہوئی غریب رعایا کو جب معلوم ہوا کہ یہ ظالم پکڑا گیا تو سب کو بے حد مسرت ہوئی اور ہزاروں بندگانِ خدا اسے دیکھنے کے لئے شاہراہوں پر جمع ہو گئے۔ جدھر سے سمبھا جی جاتا تھا اس پر عوام لعنت ملامت کرتے تھے۔ بادشاہ کو جب سمبھا جی کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا۔

سمبھا جی کو قید کر دیا گیا لیکن سمبھا جی اور اس کا وزیر یہ دونوں جب سے گرفتار ہوئے برابر بادشاہ کو بے تکان گالیاں دئے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب اسے اورنگزیب کے سامنے پیش کیا گیا تب بھی وہ بادشاہ کے ساتھ انتہائی بدکلامی کے ساتھ پیش آیا سمبھا جی کی بدکلامی کی وجہ سے بادشاہ اس قدر مشتعل ہو گیا کہ اس نے حکم دیا کہ سمبھا جی اور اس کے وزیر کو سخت اذیت دے کر مارا جائے لیکن اُمرائے سلطنت یہ چاہتے تھے کہ اسے اس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک کہ مرہٹوں کے تمام قلعوں کی کنجیاں اس سے حاصل نہیں ہو جاتیں۔ لیکن بادشاہ نہ مانا اور اذیت کے ساتھ اس کے قتل کا حکم دیدیا چنانچہ سمبھا جی اور اس کے وزیر کی پہلے زبانیں نکالی گئیں۔ اس کے بعد دونوں آنکھیں نکال دی گئیں۔ اور سخت اذیتیں دیکر سمبھا اور اس کے وزیر دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ ان کی لاشیں سارے دکن میں پھرائی گئیں۔ سمبھا جی کے دوسرے ساتھی بھی بڑی بے دردی کے ساتھ قتل ہوئے۔

مرہٹوں میں خانہ جنگی اور مرہٹہ کی حکومت کا زوال

مرہٹہ قوم جس کو کہ سمبھا جی کی نااہلیت نے مردہ بنا دیا تھا۔ سمبھا جی کے قتل سے اچانک اس میں نئی لہر پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مرہٹوں نے سمبھا جی کے چھوٹے بھائی راجہ رام کو قید خانہ سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ اور مرہٹوں نے قسم کھائی کہ جب تک ہم مغلوں سے سمبھا جی کے خون کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

مرہٹوں میں سمبھا جی کے قتل سے بلاشبہ غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ راجہ رام کی بجائے اس وقت اگر کوئی ہوشیار مدبّر ہوتا تو وہ ان کے جوش سے فائدہ اُٹھا کر مغلوں کو بری طرح پریشان کر سکتا تھا۔ لیکن راجہ رام کی جرأت اور بہادری کی یہ کیفیت تھی کہ جب اسے معلوم ہوا کہ اورنگ زیب کی فوجیں قلعہ کی جانب آرہی ہیں تو وہ جوگیوں کا بھیس بدل کر فرار ہو گیا اور زمانہ دراز تک اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔

مغل فوجوں نے مرہٹوں کے ٹھکانوں پر حملے شروع کردیئے۔ سجان گڈھ کے قریب مرہٹوں اور مغلوں کا شدید مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں مرہٹوں کے بہترین سپہ سالار مارے گئے۔ جس کے بعد مرہٹہ طاقت بے حد کمزور ہوگئی۔ مغلوں نے ایک ایک کر کے تقریباً تمام قلعے مرہٹوں سے چھین لئے۔ قلعہ رابیری پر 1191ھ (1190ء) میں حملہ کر کے اُنھوں نے فتح کرلیا۔ سمبھاجی اور راجہ رام کے بیٹوں اور خاندان کی تمام عورتوں کو مغلوں نے گرفتار کرلیا۔ بادشاہ نے ان سب کے وظیفے مقرر کردیئے۔ اور حکم دیدیا کہ ان کے آرام و آسائش کا شاہانہ انتظام کردیا جائے۔ سمبھاجی کے بڑے بیٹے ساہو کو پنج ہزاری منصب اور خطاب عطا ہوا۔ اور اس طرح دکن کی مرہٹہ حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

مرہٹوں کو صرف سمبھاجی اور راجہ رام کی نالائقی ہی سے نقصان نہیں پہنچا بلکہ ان کی آپس کی خانہ جنگی نے بھی مرہٹہ حکومت کو ختم کر ڈالا۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ یہ تھی کہ ہر مرہٹہ سردار اپنے آپ کو سیواجی کا جانشین سمجھنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ لوٹ کے مال پر بھی ان میں جھگڑے شروع ہوگئے تھے۔ چنانچہ ان کے آپس کے جھگڑوں نے مرہٹہ حکومت کو بالکل فنا کر کے رکھ دیا۔

جب مرہٹہ طاقت بالکل ٹوٹ گئی تو اورنگ زیب عالمگیر نے قلعہ رائچور قلعہ جنجی ستارا۔ کھیلنا۔ پرمالہ۔ اور تورنا۔ ایک ایک کر کے سب فتح کر لئے رائے گڈھ اور دوسرے تمام بڑے بڑے قلعے پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔ غرضیکہ 1116ھ (1705ء) میں مرہٹہ حکومت بالکل ختم ہوگئی۔ لیکن سنتاجی جیسے مرہٹہ سرداروں کی شورش پسندی نے زمانۂ دراز تک مغلوں کو کافی پریشان رکھا۔

پرتگیزوں اور انگریزوں کی سرگرمیاں

پرتگیزوں نے ہگلی اور چاٹگاؤں کی طرح ہندوستان کے مغربی ساحل پر بھی قلعے بنالئے تھے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ پرتگیزی بھولے بھٹکے جہازوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا انھوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ ان کے علاقہ میں جب کوئی ہندو یا مسلمان مرجاتا تو یہ اس کے اہل وعیال کو گرجا میں لے جا کر عیسائی بنالیتے ہیں۔ اس کے علاوہ پرتگیزوں کے بارے میں جب اور بھی بہت سی شکایتیں موصول ہوئیں تو اورنگ زیب نے گلشن آباد کے فوجدار کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً پرتگیزوں کے اڈوں کو برباد کرے اور ان کے قلعوں پر قبضہ جمالے۔

فوجدار معتبر خاں نے بادشاہ کی ہدایت کے بموجب پرتگیزوں کی بستیوں پر 1103ھ (1692ء) میں حملہ کردیا۔ ان کی آبادیوں کو تاراج کر ڈالا۔ اور ان کے دو تین قلعوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ بہت سے پرتگیزی مارے گئے۔ اور اسیر ہوئے جو باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھاگ کر قلعہ دمن میں چلے گئے۔

پرتگیزوں کا گورنر جنرل جوگوا میں رہتا تھا۔ جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اورنگ زیب کو عرضداشت بھیجی کہ ''اگر ہم سے کوئی تقصیر ہوئی ہے تو معاف کی جائے۔ ہم حضور کے بے تنخواہ کے نوکر ہیں۔ جو ساحلی علاقوں کی اپنے سمندری بیڑے سے حفاظت کرتے ہیں۔ ہم کو فرمانروایانِ سلف نے زمین کا ایک ناکارہ ٹکڑا دیا تھا۔ جس کو ہم نے اپنی محنت سے آباد کرلیا ہے۔ اور کارآمد بنالیا ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر حضور ہی کی خدمت بجالاتے ہیں۔ اگر حضور کی مرضی یہ نہیں ہے کہ ہم اس سرزمین پر رہیں تو ہم لوگ جو خانہ بدوش ہیں۔ اپنے جہازوں پر چلے جائیں گے۔ اور سطح سمندر پر اپنی باقی زندگی گذار دیں گے۔ ہم حضور کے فرمانبردار ہیں۔ ہمارے بادشاہ نے بھی یہی حکم دے رکھا ہے کہ شہنشاہِ ہند کے فرمانبردار اور وفادار رہنا۔ اُمید ہے کہ ہماری خطا بخشی کی جائے گی۔'' پرتگیزوں کی اس عرضداشت کا بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ بادشاہ نے ان کی درخواست منظور کرلی اور اسیرانِ جنگ کو چھوڑنے کا حکم دیدیا۔

پرتگیزوں کے علاوہ بمبئی، سورت اور اس کے مفصلات میں انگریزوں کا بھی زور بڑھتا چلا جارہا تھا۔ اور انگریزوں نے کسی نہ کسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت کے لئے اورنگزیب کی بھی خوشنودی حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ 1101ھ (1690ء) میں اورنگزیب کی اجازت کے چھ سال بعد فورٹ ولیم تعمیر ہوا۔ 1111ھ (1700ء) کے قریب کمپنی نے گوبندپور اور کالی کٹ کے گاؤں خرید لئے۔ ان گاؤں کے اتصال سے کلکتہ ظہور میں آیا۔ غرضیکہ یورپین طاقیں رفتہ رفتہ ہندوستان میں پاؤں جماتی چلی جارہی تھیں۔ اور مغل بادشاہ ان کو محض تاجر سمجھتے رہے۔ حالانکہ انہی یورپین طاقتوں نے آگے چل کر مغلیہ حکومت کو ختم کیا اور اس کے ٹوٹے ہوئے کھنڈروں پر ہندوستان میں اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔

اورنگ زیب کے دکن میں آخری ایام

اورنگزیب عالمگیر دکن میں آیا تو اس لئے تھا کہ وہ کچھ زمانہ تک دکن کی مہمات میں بذات خود حصہ لینے کے بعد دارالسلطنت دہلی واپس چلا جائیگا۔ لیکن دکن آنے کے بعد وہ کچھ ایسے چکر میں پھنسا کہ اس کی بقیہ تمام زندگی ہی دکن کی لڑائیوں میں ختم ہوگئی دکن میں اورنگزیب کی فوجی اور سیاسی سرگرمیوں پر اگرچہ ہم مفصل روشنی ڈال چکے ہیں۔ لیکن ذیل میں چند مزید منتشر واقعات پیش کرتے ہیں۔ جو اس بادشاہ کی آخری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اورنگزیب کو اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش سے بے حد محبت تھی یہ بائی اودے پور کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب نے 1103ھ (1691ء) میں اکثر و بیشتر مرہٹوں کے قلعے اسی کے ذریعہ سے فتح کرائے۔ تاکہ ملک میں اس کی بھی شہرت ہوجائے۔

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ بادشاہ نے شہزادہ معظم کو ابوالحسن تانا شاہ سے ساز باز کرنے کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ قید کرنے کے علاوہ بادشاہ نے اس کی تمام جاگیر اور اعزازات بھی ضبط کر لئے تھے۔ لیکن 1102ھ (1691ء) میں جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ شہزادہ کے خلاف الزامات بے بُنیاد تھے۔ تو شہزادہ کو رہا کر دیا۔ اور اسے بلا کر گلے سے لگایا۔ اور تمام جاگیر اور اعزازات سے شہزادہ کو سرفراز کیا۔ شاہ عالم کے نام سے تو بادشاہ پہلے ہی اس شہزادہ کو مخاطب کرتا تھا۔ اب بہادر شاہ کا خطاب بھی عطا ہوا۔

سیواجی کا بیٹا راجہ رام جس نے کہ بعض مرہٹہ سرداروں کے ساتھ مل کر دوبارہ شورش برپا کر دی تھی۔ 1108ھ (1697ء) میں ایسا فرار ہوا کہ بعد کو اس کا سُراغ ہی نہ مل سکا۔ اور مرہٹہ سردار سنتاجی جو سیواجی کی طرح بڑا بہادر تھا اس کا سر کاٹ کر 1110ھ (1600ء) میں بادشاہ عالمگیر کی خدمت میں پیش کیا گیا اور مرہٹوں کا فتنہ ختم ہو گیا۔ سیاہو بن سمبھاجی جن کو بادشاہ نے منصب دیا تھا۔ جب اس نے مرہٹہ سرداروں سے بغاوت کے لئے ساز باز شروع کی تو 1111ھ (1700ء) میں اسے نظر بند کر دیا گیا۔

اورنگزیب کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ محمد سلطان تھا جسے بادشاہ نے شاہ شجاع سے مل جانے اور اس کی بیٹی سے شادی کرنے کے جُرم میں قلعہ گوالیار میں قید کر دیا تھا۔ یہ شہزادہ قید ہی میں مر گیا اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ اورنگزیب نے اپنے دوسرے بیٹے معظم کو شبہ میں نظر بند کر دیا تھا۔ جس زمانہ میں کہ شہزادہ معظم نظر بند تھا۔ اورنگزیب کے چھوٹے بیٹے شہزادہ محمد اعظم نے بادشاہ کی نظر میں اور دربار میں خاص رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو ولی عہد بھی سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ جب اس کا بڑا بھائی نظر بندی سے رہا ہوا اور اورنگزیب بیمار رہنے لگا تو اس نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ شروع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اورنگزیب کو تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ اور اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں اس کی بیماری کے زمانہ ہی میں بھائیوں میں خانہ جنگی نہ شروع ہو جائے۔

اورنگزیب کی بیماری اور وفات

اورنگزیب جس کی عمر 91 سال ہو چکی تھی اور دکن کے 26 سال کے معرکوں نے اس کی صحت کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ 1117ھ (1707ء) میں ایسا بیمار ہوا کہ اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ بخار کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اورنگزیب کئی کئی گھنٹے بے ہوش پڑا رہتا اسی بیماری کے زمانہ میں اس نے قاضی القضات کو چار ہزار روپیہ غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھجوایا۔ اور لکھا کہ۔ ''اب میرا وقت قریب ہے۔ مجھے منزل اوّل تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔'' اور وصیت کی کہ ''میری تجہیز و تکفین کا انتظام اس ساڑھے چار روپیہ سے کیا جائے جو ٹوپیاں بنا کر میں نے اپنی محنت سے

پیدا کیے ہیں اور آٹھ سو پانچ روپیہ جو میں نے قرآن نویسی کی اُجرت سے حاصل کیے ہیں میرے مرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کر دیے جائیں۔ان وصیتوں اور ہدایتوں کے بعد 28 ذیقعد 1117ھ (20 فروری 1707ء) کو بروزِ جمعہ کی صبح کی نماز کے بعد اورنگزیب عالمگیر کا 91 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔اور اُسی روزا سے اورنگ آباد کے قریب سپردِ خاک کر دیا گیا۔اورنگ زیب نے 50 سال اور تین ماہ حکومت کی۔اورنگ زیب کا دورِ حکومت اس قدر طویل ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ کو اتنا طویل دورِ حکومت میسر نہیں آیا تھا۔

اورنگ زیب کے عہدِ حکومت پر ایک نظر

اورنگ زیب کا عہدِ حکومت بڑا ہی عجیب ہے۔اس کی ابتدا بھی میدانِ جنگ سے ہوتی ہے۔ اور خاتمہ بھی میدانِ جنگ پر ہی ہوتا ہے۔جس وقت اورنگ زیب تخت پر بیٹھا۔اس وقت بھی وہ جنگ میں مصروف تھا۔اور اس کی تخت نشینی میدانِ جنگ میں ہوئی تھی۔اور جس وقت وہ مرا ہے۔ اس وقت بھی دارالسلطنت سے دور دکن کے میدانِ جنگ میں تھا اور اس کی تجہیز و تکفین بھی میدانِ جنگ ہی میں کی گئی۔

اس چیز سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مغل بادشاہوں میں جنگی قابلیت کے اعتبار سے سب سے ممتاز تھا۔چنانچہ اس کی جنگی قابلیت اور فنِ سپہ گری کے کمال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے سلطنتِ مغلیہ کو اس قدر وسعت دیدی تھی۔جو اس سے قبل کسی زمانہ میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

سری نگر اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں زیر ہوا۔کوچ بہار نے اسی لائق سپہ سالار کے سامنے حلقہ اطاعت گلے میں ڈالا۔آسام جس کے فتح کا کوئی مسلم بادشاہ تصور بھی نہ کر سکا تھا۔اورنگ زیب کے قدموں میں آن پڑا۔تبت۔اراکان اور چاٹگاؤں جیسے ناقابلِ تسخیر اور دور دراز خطے اسی بادشاہ کی شمشیر خاراشگاف نے فتح کیے۔مرہٹوں کا وہ فتنہ جو کسی مضبوط سے مضبوط حکومت کا تختہ اُلٹ دینے کے لئے کافی تھا۔اس کو اسی بادشاہ نے دبایا۔اور بیجاپور و گولکنڈہ جو زمانہ دراز سے مغل بادشاہوں کو احمق بنا رہے تھے اورنگزیب کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔اس نے افغانستان کے ان سرحدی پٹھانوں کو بھی نہیں بخشا جو آج بھی ناقابلِ تسخیر تصور کیے جاتے ہیں۔

اورنگ زیب کی جنگی قابلیت اور اس کے شاہی دبدبہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے خلاف جتنی بھی انقلابی سازشیں اور بغاوتیں اُٹھیں وہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ سب سے پہلا باغی جسونت سنگھ اس کے سامنے جھک گیا۔سیواجی جیسے سخت آدمی کو بھی اس کے دربار میں حاضری دینی پڑی۔ستنامیوں کا خوفناک فتنہ آن کی آن میں ختم ہو گیا۔مہارانا اودے پور

کی سرکردگی میں راجپوتوں نے اس کے خلاف مشترکہ محاذ تیار کیا مگر سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کو اس وقت بھی بغاوت کی ہمت نہ ہوئی جبکہ اورنگ زیب مسلسل 26 سال تک دکن کی لڑائیوں میں اُلجھا رہا۔ اس کے بیٹوں کو اس سے توڑا گیا۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ غرضیکہ اورنگزیب ایک ایسی مضبوط چٹان تھا۔ جس سے جو بھی ٹکرایا وہ پاش پاش ہو گیا۔

اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں صرف نئے ممالک ہی کا مغلیہ حکومت میں اضافہ نہیں ہوا۔ بلکہ آمدنی اور خوشحالی کے اعتبار سے بھی اورنگزیب کا دورِ حکومت بہترین شمار کیا جاتا ہے چنانچہ حکومت کی آمدنی اکبر کے زمانہ کے مقابلہ میں دوگنی اور شاہجہاں کے دورِ حکومت کے مقابلہ میں ڈیوڑھی ہو گئی تھی ۔حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہونے کے علاوہ رعایا میں بھی فارغ البالی اور خوشحالی عام تھی ۔اور ہر طرف امن وامان اور بے فکری کا دور دورا تھا۔

اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں صنعتی اور تجارتی ترقی بھی انتہا کو پہنچ چکی تھی چنانچہ مشہور انگریز سیاح کپتان ہملٹن کا بیان ہے کہ ہندوستان کا ایک ایک تاجر سالانہ بیس بیس جہاز غیر ممالک کو بھیج دیتا تھا۔ جن میں سے ہر جہاز دس ہزار پونڈ سے لے کر 25 ہزار پونڈ تک کی مالیت کا سامان ہوتا تھا۔ ہزاروں پونڈ سالانہ کی مچھلیاں مالابار سے یورپ روانہ کی جاتی تھیں ۔اور لاکھوں پونڈ کا کپڑا ولایت بھیجا جاتا تھا اور سیکڑوں جہاز ہندوستان کے مال کی برآمد کے لئے ہندوستان کی بندرگاہوں میں مال سے لدے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔

ہندوستان کی تجارتی اور صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ملک میں ارزانی اور خوشحالی کی کیا حالت تھی ۔اس کے بارے میں کپتان ہملٹن کا بیان ہے کہ گوشت چند کوڑیوں میں آدھ سیر ملتا تھا۔ ایک ٹن نمک کی قیمت دوڈھائی روپے تھی۔ مکھن ایک آنہ پونڈ تھا۔ بڑی مچھلیاں دوآنے سیکڑہ ملتی تھیں۔ چاول ایک روپیہ کا دس من بکتا تھا یہی حالت گیہوں اور دوسرے اناج کی تھی۔

انصاف اور اصلاحات کے معاملہ میں بھی اورنگزیب کا دورِ حکومت نہایت درخشاں دکھائی دیتا ہے۔ جا بجا قاضی مقرر تھے۔ رعایا کو بادشاہ کے خلاف بھی دعویٰ کرنے کا حق حاصل تھا۔ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی تھی ۔تجارتی اشیا پر ٹیکس یا تو تھا ہی نہیں یا بہت کم تھا۔ بادشاہ کو سجدہ کی پرانی رسم منسوخ کر دی گئی تھی ۔محرم کی بدعتوں کے دور کرنے کے لئے قوانین نافذ کر دیے گئے تھے۔ نشلی اشیاء کا استعمال اور تجارت ممنوع قرار دیدی گئی تھی ۔بقول کپتان ہملٹن تعلیمی ترقی کا یہ عالم تھا کہ صرف ٹھٹھ شہر میں چار سو کالج تھے۔ تصنیف وتالیف ہوتی تھی۔ فتاویٰ عالمگیری اورنگزیب کی علم دوستی کی ایک غیر فانی یادگار ہے۔ غرضیکہ اورنگ زیب کا دورِ حکومت ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے قابلِ ستائش ہے۔

اورنگ زیب نہ ولی تھا نہ ہندو کش

اورنگ زیب ہندوستان کا ایک ایسا بادشاہ ہوا ہے جس کے بارے میں نہ جانے کیوں ہندو اور مسلمان دونوں ہی نے انتہائی مبالغہ سے کام لیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کی اتنی تعریف کی ہے کہ اسے ایک ولی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دیندار اور روزہ نماز کا پابند تھا۔ لیکن پھر بھی انسانی خامیاں اس میں موجود تھیں چنانچہ اس نے سلطنت کی مصلحتوں کی خاطر باپ کو سات سال تک نظر بند رکھا۔ تاج و تخت کے لئے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں تک کو نہ بخشا اور اس نے اپنے ولی عہد سلطنت کو ذرا سی خطا پر قید خانہ میں ڈال کر موت کے منہ میں دھکیل دیا۔
اورنگزیب بلاشبہ ایک اچھا مسلمان بادشاہ تھا۔ جس میں شجاعت و جفاکشی، انتظامی قابلیت عدل و انصاف، سادگی مذہبی رُجحان اور دوسری بہت سی خوبیاں موجود تھیں لیکن پھر بھی اس میں انسانی خامیاں موجود تھیں۔ اور ان خامیوں کے پیشِ نظر اسے کسی طرح بھی ایک ولی کامل کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

مسلمانوں کی جانب سے اورنگزیب کی یہ عزت افزائی غالباً ان متعصب یورپین اور ہندو مورخوں کی غلط روش کا جواب ہے جنہوں نے کہ ہمیشہ اس لائق بادشاہ کو شیطان سے بدتر ثابت کرنے کی افسوسناک اور دل آزار کوشش کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیب کے مخالفوں کی جانب سے اس بادشاہ کے خلاف ضرورت سے زیادہ زہرافشانی نہ کی جاتی تو شاید اس کو مسلمانوں میں اتنی اہمیت ہرگز حاصل نہ ہوتی کہ اسے ولی تک کا درجہ دیدیا جاتا۔

اورنگ زیب پر بے شمار الزامات

یہ حقیقت ہے کہ یورپین اور ہندوستان کے فرقہ پرست مورخوں نے جتنا اس بادشاہ کو بدنام اور رُسوا کیا ہے۔ اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں ملنی ناممکن ہے۔ اس کو ہندوؤں کا دشمن نمبر اوّل بتایا گیا ہے۔ اس پر الزام یہ ہے کہ اس نے لاکھوں ہندوؤں کو بالجبر مسلمان کر لیا۔ اور لاکھوں محض ہندو ہونے کے جرم میں تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ اس کے بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے ہندوؤں کے ہزاروں مندر ڈھا دئے۔ اس کو متعصب۔ مکار۔ ظالم اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے غرضیکہ بدتر سے بدتر جو الزام کسی ادنیٰ درجہ کے حکمران پر لگایا جا سکتا ہے۔ وہ اس بادشاہ کے سَر تھوپ دیا گیا ہے۔ حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے۔ اس پر عائد کردہ مندرجہ بالا الزامات میں سے کوئی ایک الزام بھی درست نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ وہ اکبر کی طرح بے دین اور جہانگیر

کی طرح مذہبی معاملات میں لاپرواہ نہیں تھا۔ بلکہ شعائر اسلامی کا سختی کے ساتھ پابند تھا اور غالباً یہی اس کا سب سے بڑا گناہ تھا۔

اورنگ زیب پر ہندو دشمنی کا الزام

اورنگزیب کی بات عام طور پر یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ ہندوؤں کا بہت بڑا دشمن تھا لیکن اس پر ''ہندو کشی'' کے الزام کی اصل حقیقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا فوجی سپہ سالار راجہ جے سنگھ تھا۔ چنانچہ جب تک راجہ جے سنگھ زندہ رہا اس نے جنگی معاملات میں اس ہندو جنرل کے مقابلہ میں نہ کسی مسلم سپہ سالار کا اعتبار کیا اور نہ اپنی اولاد کا یہاں تک کہ اس نے اپنے ماموں امیر الامرا شائستہ خاں کو دکن سے ہٹا کر سیواجی کے مقابلہ کیلئے اسی ہندو جنرل مہاراجہ جے سنگھ کو بھیجا تھا۔ اگر اورنگ زیب متعصب یا تنگ نظر ہوتا تو وہ ایک ہندو کی سرکوبی کے لئے کبھی کسی دوسرے ہندو کو نہ بھیجتا۔

راجہ جسونت سنگھ کے بارے میں یہ چیز عیاں ہے کہ وہ اورنگزیب کا پرانا دشمن تھا۔ لیکن جسونت سنگھ کے پرانے باغی ہونے کے باوجود اورنگ زیب نے اس کے سپرد کابل جیسا اہم صوبہ کر دیا تھا۔ جہاں سوفی صد کٹر مسلمان آباد تھے۔ کیا کوئی متعصب بادشاہ ایسا کر سکتا ہے۔ پھر اگر اورنگزیب کی جنگی سرگرمیوں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی پچاس سالہ جنگی جدوجہد میں راجپوت برابر اس کے دوش بدوش لڑتے رہے ہیں۔ اور اس نے اپنے بیٹوں پر تو شبہ کیا ہے مگر کسی راجپوت کی طرف سے کبھی کسی قسم کا شبہ اس کے دل میں نہیں آیا کیا یہ اس کے ہندو دشمن ہونے کی علامت ہے؟

مہارانا اودے پور بہت سے راجاؤں کو متحد کر کے اورنگزیب کے خلاف اعلان بغاوت کر دیتا ہے۔ لیکن جب اسے شکست اور ناکامی ہوتی ہے۔ تو وہ اورنگزیب سے معذرت خواہ ہوتا ہے۔ اور اورنگ زیب خندہ پیشانی کے ساتھ اسے گلے سے لگا لیتا ہے۔ کیا یہ چیز ہندوؤں کے کسی دشمن سے ممکن ہے؟

جودھپور، اودیپور، کوچ بہار اور دوسری سیکڑوں ہندو ریاستوں کو جو اندرونی معاملات میں بالکل آزاد تھیں۔ اورنگزیب جوں کی توں برقرار رکھتا ہے۔ ان کو کبھی مغل حکومت میں شامل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لیکن بیجاپور اور گولکنڈہ کی اسلامی حکومتوں کو فنا کر کے مغلیہ حکومت کا جزو بنا لیتا ہے۔ کیا ہندو دشمن بادشاہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں؟

منصب، خطابات اور جاگیروں کی تقسیم میں اورنگزیب نے کبھی نہ کسی مسلمان میں امتیاز کیا نہ ہندو میں سب کو کھلے دل کے ساتھ نوازا ہے۔ مگر کیسا ستم ہے کہ پھر بھی اس کو ہندوؤں کا کٹر دشمن کہا

جاتا ہے۔کیا یہ اورنگ زیب کے ساتھ کھلی ہوئی ناانصافی نہیں ہے؟

اورنگ زیب کی ہندوؤں سے رشتہ داری

ایک دیندار اور پابند شرع مسلمان ہونے کے باوجود اورنگ زیب اپنے بیٹے شہزادہ محمد معظم کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ روپ سنگھ کی بیٹی کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی اس ہندو لڑکی پر مسلمان ہونے کے لئے زور نہیں دیتا بلکہ اس کے مذہب میں مداخلت کرنا بدترین گناہ خیال کرتا ہے۔اور اس شادی سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ دُلہن کو اپنی طرف سے لاکھوں روپیہ کا زیور عطا کرتا ہے۔ذرا غور کیجئے کہ کیا ہندو دشمن بادشاہ سے اس وسیع نظری کی اُمید کی جا سکتی ہے؟

راجپوت خاندان میں بیٹے کا رشتہ کرنے کے علاوہ خود اورنگ زیب کے محل میں راجپوت رانی بائی اُودے پور موجود تھی۔اورنگزیب نے اس پر نہ کبھی تبدیل مذہب کے لئے زور دیا۔اور نہ مذہبی معاملات میں کبھی مداخلت کی۔ بلکہ اسے سے بے اندازہ محبت کرتا تھا۔اور اس کے بیٹے شہزادہ کام بخش سے اپنے سب بیٹوں سے زیادہ اسے اُلفت تھی ۔کیا کوئی متعصب بادشاہ کا یہ طریقہ کار اختیار کر سکتا ہے؟

غور کرنے کی بات ہے کہ جس بادشاہ نے خود اپنی بیوی، بہو اور دوسری راجپوت رشتہ دار عورتوں اور مردوں پر کبھی تبدیلیٔ مذہب کے لئے زور نہیں دیا۔وہ بھلا غیروں کو مسلمان بنانے کے لئے کیوں جبر کرتا۔ یہ حقیقت ہے کہ اورنگزیب نے کبھی بھی ہندوؤں کو بالجبر مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔اور بالجبر مسلمان بنانا تو درکنار اس نے اپنی حکومت میں تبلیغ اور اشاعت اسلام تک کا بھی شعبہ نہیں کھولا۔جس کی مدد سے محض وعظ اور پند کے ذریعہ لاکھوں ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی جا سکتی تھی۔حالانکہ آجکل کی مہذب یورپین حکومتوں میں بھی "مشن" ایک مستقل شعبہ کھلا ہوا ہے۔جس کے روپیہ کے ذریعہ دُنیا کے ہر حصہ میں آج بھی مسیحیت کی تبلیغ کا کام جاری ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ جس اورنگزیب نے تبلیغ اور اشاعت اسلام کا شعبہ کھولنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اس پر بالجبر ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا الزام کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

اورنگ زیب مندروں کا محافظ

اورنگزیب کے خلاف سب سے بڑا اور سنگین الزام یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کے مندروں کو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ مندروں کا اتنا بڑا دشمن تھا دکن میں ایلوران کے بتکدے کیسے کیسے باقی رہ گئے ۔ جو عین اورنگزیب کے دکنی قیام گاہ دولت آباد اور اورنگ آباد

کے نواح میں تھے۔ اور آج بھی ہندوؤں کے قدیم کلچر کا شاہکار تصور کئے جاتے ہیں اور جن کو دیکھنے کے لئے دُور دُور سے سیاح آتے ہیں۔

اورنگ زیب دکن میں ایک دو دن نہیں رہا بلکہ اس کی زندگی کے آخری 26 سال دکن ہی میں گذرے۔ اس مدت میں نہ جانے وہ کتنی مرتبہ ان بتکدوں کے پاس سے مع اپنے لشکر کے گذرا ہوگا۔ لیکن اس نے ان کو جوں کا توں محفوظ رکھا۔ کیا ایک بت شکن کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ اس کے علاوہ دہلی، آگرہ، متھرا اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں دس بیس نہیں بلکہ اورنگ زیب کے زمانہ کے ہزاروں مندر آج بھی موجود ہیں۔ جن کو توڑنا تو دُور کبھی کسی نے ان کی مورتیوں کو بھی ہاتھ نہیں لگایا اور پھر بھی اورنگزیب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ بت شکن تھا۔ وہ ہندوؤں کے عبادت خانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

اورنگ زیب کی ''مندر شکنی۔'' کی اصل حقیقت کا اندازہ ہندوستان کے سب سے بڑے مورخ سر جادو ناتھ سرکار کی مغل تاریخ سے ہوسکتا ہے۔ جس میں اس لائق مورخ نے اورنگ زیب کے وہ تمام فرامین درج کردئے ہیں۔ جن کو رُو سے اورنگ زیب نے مندروں کے لئے زمین اور جاگیریں عطا کی تھیں۔ اس کے علاوہ ظہیر فاروقی نے اپنی تاریخ میں اورنگ زیب کے متعدد ایسے فرمان درج کئے ہیں۔ جن کے ذریعہ مغل حکام کو مندروں کی حفاظت کے لئے تنبیہ کی گئی ہے۔ چنانچہ 1091ھ (1098ء) کے فرامین میں ماتحتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ بنارس کے مادھوراؤ مندر کے گسائیں کے معاملہ میں دخل نہ دیں اور جو زمین مندر کی تعمیر کے لئے دی گئی ہے۔ اس میں مداخلت نہ کریں۔ اسی طرح ایک تیسرے فرمان میں جو 1060 ہجری کا ہے۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ بنارس کا کوئی برہمن اپنے مذہب کے فرائض کی ادائیگی میں تنگ نہ کیا جائے اور کوئی پرانا مندر مسمار نہ کیا جائے۔ مسجد گیان باپی بنارس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے مندر توڑ کر اسے بنوایا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ مندر کسی زمانہ میں بھی نہ تھا۔ بلکہ وہاں اکبر کے دینِ الٰہی کا ادارہ تھا جسے توڑ کر شاہجہاں نے 1048ھ (1637ء) میں مسجد بنوائی تھی اور اس کا تاریخی نام ایوانِ شریعت رکھا گیا تھا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھلا کون انصاف پسند مورخ اورنگزیب پر مندر شکنی کا الزام لگا سکتا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ اورنگ زیب کو بعض ایسے مندروں پر یورش کرنی پڑی ہو جو سیاسی سازشوں کا مرکز ہوں۔ اور اس یورش میں دو چار مندر مسمار بھی ہوگئے ہوں لیکن اس قسم کی یورش کسی مذہبی تعصب کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں بلکہ انکی تہہ میں سیاسی اغراض ہوتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مصطفےٰ کمال نے ایک زمانہ میں ترکی کے تمام عبادتخانوں میں خواہ وہ مسجدیں تھیں یا کلیسا، تالے ڈلوادیئے تھے محض اسلئے کہ یہ فتنہ پردازوں اور ترکی کے دشمنوں کے اڈے تھے۔ ظاہر ہے کہ مصطفےٰ

کمال کے اس فعل کا تعلق کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت نہیں تھا بلکہ انھوں نے سیاسی اغراض کے لئے ایسا کیا تھا۔ لیکن اگر اورنگ زیب ایک دو مندروں کو باغیوں کو کچلنے کے لئے نقصان پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کے اس فعل کو بھی مذہبی رنگ دیدیا جاتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اورنگزیب مندروں کا دشمن ہوتا۔ تو آج اس کے زمانہ کے ہزاروں تاریخی مندر ہم کو نہ دکھائی دیتے۔

مرہٹوں کو کچلنے کا الزام

اورنگ زیب پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ اس نے ہندو مرہٹوں کو بُری طرح کچلا۔ ان کے ٹھکانوں کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔ سیوا جی کے بیٹے سمبھا جی اور اس کے برہمن وزیر کو بے دردی کے ساتھ قتل کرایا اور سیوا جی کی ساری اولاد کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ لیکن اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ سیوا جی نے خود اورنگ زیب کی حکومت کے ساتھ کیا کیا۔

ذرا سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ کیا موجودہ زمانہ کی کوئی مہذب سے مہذب حکومت بھی اس قسم کے باغیوں کو برداشت کر سکتی ہے۔ چنانچہ جمہوریہ ہند اور پاکستان میں آج کل بھی مخالفوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن اورنگ زیب نے تو پھر بھی سیوا جی کی اولاد کے ساتھ رحم و مروّت کا برتاؤ کیا۔ سیوا جی کے پوتے کو منصب اور جاگیر عطا کی۔ سیوا جی کے خاندان کے ایک ایک بچہ کے لئے وظیفہ مقرر کیئے۔ لیکن انھوں نے پھر بھی بغاوتیں کیں۔ ان بغاوتوں کے جواب میں اگر ان کے ساتھ سختی کی جاتی ہے۔ تو اس خالص سیاسی معاملہ کو مذہب کے رنگ میں رنگ دینا کہاں کا انصاف ہے۔

اورنگ زیب تو حکومت کے معاملہ میں اس قدر سخت تھا کہ نہ اس نے باپ کو بخشا۔ نہ بھائیوں کے ساتھ رعایت کی اور نہ اولاد کے ساتھ مروّت کی تو پھر سیوا جی اور مرہٹوں کو اس سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ اگر اورنگ زیب نے سیوا جی کی مرہٹہ حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا تو اس نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی تھی۔ ایسی حالت میں ہم حیران ہیں کہ اس پر مذہبی تعصب کا الزام کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔

اورنگ زیب کی مذہبی رواداری

اورنگ زیب کی ''ہندو دشمنی'' کا موضوع چونکہ طوالت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے اور اس کے لئے ایک جداگانہ مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم اس موضوع کو اورنگ زیب کے زمانہ کے انگریز سیاح کپتان ہملٹن کی ڈائری کے چند اقتباسات دینے کے بعد ختم کئے دیتے ہیں۔ ان اقتباسات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اورنگ زیب کا دورِ حکومت کس طرح مذہبی

رواداری کا بہترین نمونہ تھا۔ اس سیاح کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

> ''ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے۔ لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح تہوار مناتے ہیں۔ جیسے کہ اگلے زمانہ میں مناتے تھے جبکہ حکومت خود ہندوؤں کی تھی۔''

اس شہر میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن اعتقادات اور طریق عبادت کے بارے میں ان میں کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوتا ہر ایک کو پوری آزادی ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے صرف اختلافِ مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آزاد پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔''

کپتان ہملٹن کے سفرنامہ کے مندرجہ بالا اقتباسات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اورنگزیب جس کی حکومت میں کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ اس کے زمانہ کا ہندوستان موجودہ ہندوستان سے بھی بہتر تھا۔ جس میں کہ نہ فرقہ پرستی کا کوئی جھگڑا تھا۔ اور نہ ہندو مسلم سوال تھا۔ پھر ہم اورنگ زیب کو ہندوؤں کا یا کسی غیر مسلم کا دشمن کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اورنگ زیب میں وسیع نظری کی ساری خوبیاں موجود تھیں تو مخالفین کو اس کے خلاف پروپیگنڈے کا موقعہ کیوں ملا۔ اس کی بھی خاص وجہ ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اورنگ زیب کا شرع اسلامی پر عامل ہونا غیر مسلم رعایا کو پسند نہ تھا۔ دوسرے ست نامیوں کے فتنہ کے بعد اورنگ زیب نے جزیہ کا ٹیکس دوبارہ عائد کر کے ہندوؤں کے ایک بڑے طبقہ کو اپنا مخالف بنالیا تھا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ جسونت سنگھ کی اولاد کے ساتھ جو سلوک اورنگزیب کے اس قسم کے ایک دو غلط اقدامات نے غیر مسلموں میں اس کی ہردلعزیزی کو بہت بڑا صدمہ پہنچایا۔ اور اس کے دشمنوں کی تعداد برابر بڑھتی چلی گئی چنانچہ اسی دشمنی کی بنا پر اورنگزیب کی ذات سے تعصب اور ہندو دشمنی کے سیکڑوں افسانے وابستہ کر دیئے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب نہ متعصب تھا اور نہ ہندوؤں کا دشمن تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ شرع اسلامیہ کی طرف ضرور جھکا ہوا تھا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی شرع اسلامیہ کی جانب جھکا ہوا ہو۔ اس میں مذہبی رواداری بھی نہ ہو۔ بلکہ عین شرع اسلام ہی یہ ہے کہ ایک مسلمان میں زیادہ سے زیادہ رواداری ہونی چاہئے چنانچہ اورنگ زیب میں تقریباً تمام گذشتہ مسلمان بادشاہوں سے کہیں زیادہ رواداری موجود تھی۔

اورنگ زیب کا ذاتی کیریکٹر

اورنگ زیب کا ذاتی کیریکٹر عام بادشاہوں کے مقابلہ میں نہایت بلند تھا۔ اپنے خاندان اور گھر والوں کے لئے وہ بڑا سخت مزاج واقع ہوا تھا۔ چنانچہ ان کی ادنیٰ سی لغزش کو بھی وہ برداشت نہیں کرتا تھا۔ لیکن غیروں کے ساتھ وہ ہمیشہ رحم و مروت کے ساتھ پیش آتا تھا۔

دُنیا کی بڑی سے بڑی پریشانی سے وہ کبھی نہیں گھبرایا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر کم سے کم روپیہ صرف کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

اورنگ زیب صوم وصلوٰۃ کا ایسا پابند تھا کہ اس نے شائد مشکل ہی سے کوئی نماز قضاء کی ہو۔ تفسیر حدیث اور فقہ کا وہ پورا عالم تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اور اپنے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کو بھی قرآن حفظ کرایا۔

بادشاہ ہونے کے زمانہ میں اس نے اپنے قلم سے کئی قرآن مجید لکھے تھے۔ جن میں سے ایک مکہ معظمہ بھیج دیا تھا اور ایک مدینہ۔ وہ خطِ نستعلیق اور شکستہ خوب لکھتا تھا۔ فارسی زبان کا اچھا ادیب اور شاعر تھا۔ لیکن اس نے شعر کہنا شعر سننا اور گانا سننا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اپنی اولاد کو مکمل مذہبی تعلیم دی تھی۔

اورنگ زیب صوبیدار اور سرکاری عمال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ برابر تبدیل کرتا رہتا تھا۔ اس نے جاسوسوں کا جال سارے ملک میں پھیلا رکھا تھا۔ ایک ایک منٹ اور ایک ایک واقعہ کی خفیہ اطلاع اس کو ملتی رہتی تھی۔ اوقات کا بے حد پابند تھا۔ آخری عمر میں خوفِ الٰہی اس قدر اس پر مسلط ہو گیا تھا کہ وہ آخرت کے عذاب کے خوف سے گھنٹوں رویا کرتا تھا۔

عہدِ اورنگ زیب کے چند دلچسپ واقعات

ذیل میں ہم اورنگزیب عالمگیر کے عہد کے چند دلچسپ واقعات درج کرتے ہیں

جب اورنگ زیب نے اپنی مملکت میں گانا بجانا ممنوع قرار دیدیا تو اس سے گانے بجانے والوں میں بڑی پریشانی پیدا ہوئی۔ انھوں نے موسیقی کا جنازہ تیار کیا اور اس جنازہ کے ساتھ روتے دھوتے شاہی جھروکہ کے نیچے پہنچے۔ تاکہ بادشاہ کو کسی نہ کسی طرح متاثر کر سکیں۔ جب جنازہ شاہی جھروکہ کے نیچے آیا اور گانے والوں کے رونے دھونے کا شور بلند ہوا تو بادشاہ نے جھروکہ میں آکر پوچھا کہ "یہ کس کا جنازہ ہے۔" گویوں نے جواب دیا کہ "یہ موسیقی کا جنازہ ہے۔ جس کے فنا ہونے کے بعد ہزاروں گانے بجانے والے بیکار ہو گئے ہیں۔ اب ہم اسے دفن کرنے لیجا رہے ہیں" بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا اسے گہرا دفن کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پھر اُٹھ کھڑا ہو۔"

جب گولکنڈہ فتح ہوگیا اور مغل سردار روح اللہ خاں ابوالحسن تانا شاہ کے محل میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ تانا شاہ کو اس شکست کا احساس تک نہیں ہے۔ اور وہ بڑی بے فکری سے اپنے مصاحبوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کھا رہا ہے۔ روح اللہ خاں نے ابوالحسن تانا شاہ سے کہا کہ ''مجھ کو تعجب ہے کہ آپ اس تشویش کی حالت میں اس طرح کھانا کھا رہے۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔'' ابوالحسن تانا شاہ نے جواب دیا کہ ''مجھ کو تشویش کس چیز پر ہو جس نے مجھے بادشاہت دی تھی۔ اُسی نے واپس لے لی۔ میں پہلے بھی خوش تھا۔ اور اب بھی خوش ہوں۔ میں نے پندرہ سولہ برس تک فقیرانہ زندگی گذاری ہے۔ یہ خدا کی مہربانی ہے میری شادی عادل شاہ کی بیٹی سے ہوگئی۔ اور عادل شاہ کے مرنے کے بعد میں فقیر سے بادشاہ بن گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے دوبارہ فقیری کی پرسکون زندگی عطا کردی۔'' روح اللہ خاں ابوالحسن تانا شاہ کے اس جواب سے بے حد متاثر ہوا۔

پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب ''دعوتِ اسلام۔'' میں لکھتا ہے کہ ایک ذمّہ دار عہدہ دار نے بادشاہ اورنگزیب کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ شاہی ملازموں کو تنخواہ تقسیم کرنے پر جو دو بڑے افسر مقرر ہیں۔ وہ دونوں کے دونوں آتش پرست پارسی ہیں۔ ان کی جگہ مناسب ہے کہ تجربہ کار مسلمان رکھے جائیں اور انھیں علیحدہ کردیا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ'' سلطنت اور دُنیاوی کاموں میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ اگر عرضداشت بھیجنے والے کی بات پر عمل کیا جائے۔ اور اسے حکومت کا دستور العمل بنالیا جائے۔ تو حکومت کے سارے نظام ہی کو بدلنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد غیر مسلم راجاؤں اور غیر مسلم حکام کو کہاں ٹھکانا ہوگا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور اہلیت کے مطابق دی جاتی ہیں اور اس معاملہ میں مذہبی مداخلت کو ہرگز گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔''

شہزادہ مراد بخش نے شاہجہاں کے بیمار ہونے پر جب احمد آباد میں اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ تو اس وقت محمد محسن نامی ایک شخص سے اس نے پانچ لاکھ روپیہ قرض لیا تھا۔ شہزادہ کی قید ہونے کے بعد مراد بخش کا تمام روپیہ جس میں کہ یہ پانچ لاکھ روپیہ بھی شامل تھا۔ خزانہ شاہی میں داخل ہوگیا۔ محمد محسن نے اس روپیہ کی واپسی کا اورنگ زیب عالمگیر سے مطالبہ کیا۔ اورنگزیب نے اس کو ہدایت کردی کہ وہ قاضی کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف دعویٰ کرے۔ اس کا دعویٰ اگر سچا ثابت ہوا تو روپیہ واپس کردیا جائیگا۔ چنانچہ محمد محسن نے بادشاہ کے خلاف دعویٰ دائر کردیا دعویٰ سچا ثابت ہوا۔ اور بادشاہ نے قرض خواہ کو روپیہ واپس کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن محمد محسن نے یہ روپیہ واپس نہیں لیا۔ بلکہ حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں اس روپیہ کو حضور کے عدل و انصاف پر نثار کرتا ہوں۔

جس زمانہ میں کہ اورنگ زیب اورنگ آباد میں تھا ایک تیموری شہزادہ معزالدین بادشاہ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''میرے کارخانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ برسات آ رہی ہے اور سامان کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے مجھ کو سنجر بیگ متوفی کی حویلیاں دیدی جائیں۔''
بادشاہ نے دکن کے صوبیدار امانت خاں کو لکھ دیا کہ سنجر بیگ متوفی کی حویلیاں شہزادہ معزالدین کو دیدی جائیں۔ مگر امانت خاں نے بار بار بادشاہ کی ہدایت کے باوجود شہزادہ کو یہ حویلیاں نہیں دیں۔ بادشاہ سے امانت خاں کی شکایت کی گئی۔ تو بادشاہ نے امانت خاں کو بلا کر جواب طلب کیا۔
امانت خاں نے جواب دیا کہ۔ ''جب سنجر بیگ کی اولاد زندہ ہے تو میں اس کا مال کسی دوسرے کو کیونکر دے سکتا ہوں۔ یہ ایمان و دیانت کے خلاف ہے کہ کسی تیموری شہزادہ کی خاطر لاوارثوں کو بے گھر اور بے در کر دیا جائے۔'' بادشاہ امانت خاں کے جواب سے بے حد خوش ہوا۔ اور سنجر بیگ مرحوم کی حویلیاں اس کے وارثوں کو واپس کر دیں۔

تیسرا باب

مغلیہ حکومت کا زوال

1117ھ تا 1274ھ بمطابق 1707ء تا 1857ء

مغلیہ حکومت کا زوال

اورنگزیب عالمگیر کا عہد حکومت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا ایک بھی ایسا چپہ باقی نہیں رہا تھا۔ جو مغلوں کے زیرنگیں نہ ہو۔ افغانستان اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور گجرات سے لے کر آسام اراکان تک مغلیہ حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ آمدنی کے اعتبار سے بھی یہ دور نہایت زرّیں دور تھا۔ جبکہ حکومت کی آمدنی ڈیوڑھی اور دوگنی ہوگئی تھی۔ خوشحالی اور فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے خزانہ میں کروڑوں روپیہ غیر ممالک سے کھنچا چلا آرہا تھا اور ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا تاجر اور صناع ملک شمار کیا جاتا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ جس وقت اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوئی اس نے اپنے جانشینوں کے لئے اتنی بڑی حکومت چھوڑ دی تھی جس کی مثال ہندوستان کی ہزاروں سال کی تاریخ میں مفقود ہے۔ لیکن اتنی بڑی حکومت کو سنبھالنے کے لئے جیسے لائق جانشینوں کی ضرورت تھی وہ اورنگ زیب کو نہ مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگزیب کے بعد سے مغلیہ حکومت میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ اور رفتہ رفتہ اورنگزیب کی موت کے ڈیڑھ سو سال کے اندر یہ حکومت بالکل ختم ہوگئی۔ اور اس ڈیڑھ سو سال کے اندر اورنگزیب کے جانشینوں میں سے ایک بھی جانشین ایسا پیدا نہ ہوسکا۔ جس میں اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو اکبر کی طرح تیرانے کی صلاحیت ہوتی۔

تخت نشینی کے لئے جھگڑا

اورنگ زیب کی موت کے وقت تینوں بیٹوں میں سے کوئی بیٹا بھی اس کے پاس نہ تھا۔ بڑا بیٹا بھی اس کے پاس نہ تھا۔ بڑا بیٹا شہزادہ محمد معظم شاہ عالم پشاور میں تھا۔ چھوٹا بیٹا کام بخش قلعہ پریندہ میں تھا۔ اور منجھلا بیٹا محمد اعظم مالوہ کی راہ پر بادشاہ سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ چونکہ یہی

سب سے قریب تھا۔ اس لئے فوراً لشکر شاہی میں پہنچ گیا۔ اور باپ کی تجہیز و تکفین کے بعد 1117ھ (1707ء) میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ اور سکہ جاری کیا۔ جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

سکہ زد در جہاں بدولت و جاہ　　　بادشاہ ممالک اعظم شاہ

امرا کو خلعتیں منصب اور انعامات عطا ہوئے۔ غرضیکہ وہ سب کچھ ہوا جو ایک بادشاہ کی تخت نشینی کے موقعہ پر ہوتا ہے۔

تخت نشینی کی رسوم سے فارغ ہونے کے بعد اعظم شاہ نے اُمرائے سلطنت کے مشورہ سے اپنے بڑے بھائی محمد معظم کے خلاف وسیع پیانہ پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں محمد امین خاں اور چین۔ قلیچ خاں دوراں اعظم شاہ سے کبیدہ خاطر ہو کر علیحدہ ہو گئے۔ اور انھوں نے اورنگ آباد آنے کے بعد اکثر پرگنوں پر قبضہ جمالیا۔

محمد معظم بہادر شاہ اوّل کی تخت نشینی

شہزادہ محمد معظم کو پشاور میں اورنگزیب کے مرنے اور شہزادہ محمد اعظم کے تخت نشین ہونے کی اطلاع ملی تو وہ ایک بڑا لشکر لے کر پشاور سے لاہور پہنچا۔ منعم خاں کے حاکم لاہور نے شہزادہ محمد معظم کی امداد کے لئے پہلے ہی سے زبردست جنگی انتظامات کر رکھے تھے۔ اور وہ بڑی بے چینی کے ساتھ شہزادہ کا انتظار کر رہا تھا۔ محمد معظم جب لاہور پہنچا تو منعم خاں نے اس کا بادشاہوں کی طرح خیر مقدم کیا اور محمد معظم کی خدمت میں جنگ کے اخراجات کے لئے چالیس لاکھ روپیہ پیش کیا۔ محمد معظم نے لاہور ہی میں یکم صفر 1117ھ (1707ء) کو تخت نشینی کی رسم ادا کی اور بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا خطبہ اور سکّہ جاری کیا۔ منعم خاں کو وزارتِ عظمیٰ کا اہم عہدہ عطا کیا۔ اپنے بیٹے معزالدین صوبہ دار ملتان کو منصب سے سرفراز کیا۔ اور دوسرے بیٹے محمد عظیم صوبیدار بنگال کو منصب عطا کرنے کے بعد حکم بھیجا کہ وہ فوراً آگرہ پہنچ کر آگرہ پر قبضہ جمالے۔ اُمرائے سلطنت کو بھی بڑے بڑے منصب دیئے۔ بہادر شاہ جس وقت لاہور میں تخت نشین ہوا۔ اس کی عمر اڑسٹھ سال تھی۔

تخت نشینی اور منصبوں کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد محمد معظم بہادر شاہ سرہند پہنچا تو وہاں کے حاکم وزیر خاں نے بائیس لاکھ روپیہ کی نذر پیش کی۔ پھر دہلی آیا دہلی پہنچے کے بعد بہادر شاہ کو اطلاع ملی کہ اس کے بیٹے محمد عظیم نے بنگال سے آگرہ پہنچ کر آگرہ پر قبضہ جمالیا ہے۔ اور آگرہ کے

صوبیدار مختار خاں کو قید کر لیا ہے۔ اس اطلاع سے بادشاہ بے حد خوش ہوا۔ دہلی کے حاکم نے بھی بہادر شاہ کی خدمت میں تیس لاکھ روپیہ پیش کیا۔

دہلی سے بادشاہ آگرہ پہنچا۔ خزانہ کے تیرہ کروڑ روپے۔ جواہرات اور تمام بیش قیمت اشیا اپنے قبضہ میں کیں۔ شہزادوں اور اُمرا کو لاکھوں روپیہ انعام میں دیا۔ تمام ملازمین شاہی کو کئی کئی ماہ کی تنخواہیں بطورِ انعام عطا کیں۔ آگرہ کے اُمرائے سلطنت کو منصوبوں اور خطابوں سے نوازا۔ شہزادہ محمد عظیم جو بنگال کے خزانہ کا گیارہ کروڑ روپیہ لے کر آیا تھا۔ وہ اس نے باپ کی خدمت میں پیش کر دیا آگرہ میں باقاعدہ دربار منعقد کیا گیا۔ جس میں اُمرائے سلطنت کی نذریں قبول کی گئیں۔

بادشاہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ شہزادہ محمد اعظم تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ گوالیار پہنچ چکا ہے۔ اور بڑے بھائی سے لڑنے کے لئے آگرہ آرہا ہے تو بہادر شاہ نے ایک قاصد کے ذریعہ بھائی کے پاس پیغام بھیجا کہ آپس میں خونریزی سے کوئی فائدہ نہیں۔ والد مرحوم نے وصیت کی تھی کہ دکن کے چار صوبے تم کو دیدیئے جائیں۔ میں ایک دو صوبے زائد دینے کے لئے آمادہ ہوں۔ تاکہ بیکار خونریزی نہ ہونے پائے۔ لیکن شہزادہ محمد اعظم نے یہ کہتے ہوئے اس پیش کش کو مسترد کر دیا کہ۔ ''اِس ہوش باختہ نے شاید گلستاں بھی نہیں پڑھی۔ جس میں لکھا ہے کہ دو بادشاہ ایک مملکت میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن دس فقیر ایک کمبل میں سو سکتے ہیں۔''

بھائیوں میں خونریزی

اس سخت جواب کے بعد بہادر شاہ کو بھی بھائی کے مقابلہ کے لئے اپنے لشکر کو ترتیب دینا پڑا۔ آگرہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر سرائے جاجو پر دونوں لشکروں میں خوفناک جنگ شروع ہوگئی شہزادہ محمد اعظم جو دلیری اور جانبازی میں بے حد مشہور تھا۔ بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ لڑا۔ لیکن محمد اعظم کے بیٹے بیدار بخت کے مارے جانے کے بعد شہزادہ اعظم کی ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ بری طرح زخمی ہو کر گرا اور گرتے کے ساتھ ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ غرضیکہ ان دونوں بھائیوں کی یہ جنگ شہزادہ اعظم کی شکست اور موت پر ختم ہوگئی۔

شہزادہ اعظم کے سب سے بڑے معاون آصف الدولہ اسد خاں اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو جب گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ تو بہادر شاہ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ آصف الدولہ اسد خاں کو ممالک محروسہ کی وکالت کا عہدہ عطا ہوا جو عہد مغلیہ میں بہت بڑا

عہدہ تھا اور آصف الدولہ کے بیٹے ذوالفقار خاں کو منصب عطا ہوا۔ شہزادہ محمد اعظم کے چاروں بیٹوں کو جب بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر ان کو گلے سے لگایا اور کہا کہ۔ ''ان کی پرورش خود ہماری اولاد کی طرح ہوگی۔'' اس کے بعد حکم دیا کہ شہزدہ محمد اعظم اور بیدار بخت کی لاشوں کو غسل دینے کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کر دیا جائے۔

اس فتح کے بعد خانخاناں جب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُٹھ کر معانقہ کیا اور کہا کہ ''مجھ کو جو کچھ حاصل ہوا ہے۔ اس میں تمہارا بہت بڑا دخل ہے۔'' ایک کروڑ روپیہ خانخاناں کو بطور انعام دیا۔ خانخاناں کے بڑے بیٹے منعم خاں کو وزارت عظمٰی کا عہدہ تو پہلے ہی مل چکا تھا اس کے ساتھ ہی اکبر آباد کی صوبیداری اور خاں زماں کا خطاب بھی عطا ہوا۔ اور خان خاناں کے چھوٹے بیٹے کو خانہ زاد خاں کا خطاب دیا گیا۔ اور اپنے بیٹوں میں سے معزالدین کو جہاندار شاہ کا خطاب محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر کا خطاب۔ رفیع القدر کو رفیع الشان کا خطاب۔ اور خجستہ اختر کو جہاں شاہ بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ اور سب کو بڑے بڑے منصب دیے گئے۔ آصف الدولہ اسد خاں وکیل اور منعم خاں وزیر اعظم میں کیونکہ چشمک رہتی تھی۔ اس لئے چند روز کے بعد ممالک محروسہ کی وکالت کا عہدہ خانخاناں کو دیدیا گیا۔

ملک میں جابجا بغاوتیں

اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی یوں تو باغیوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جب باغیوں نے دیکھا کہ اورنگ زیب کی اولاد میں تخت کے لئے خانہ جنگی شروع ہوگئی ہے تو ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے چنانچہ راجپوتوں نے نہایت وسیع پیمانہ پر بغاوت برپا کر دی۔ راجپوتوں کے علاوہ شمالی ہند میں سکھوں کی ایک نئی باغی جماعت بھی میدان میں آگئی۔ اور اس نے بری طرح تباہی مچانی شروع کر دی۔ دکن میں مغل حکام کی غداری اور نالائقی سے ان مرہٹوں نے پھر سر اُٹھانا شروع کر دیا جن کو اورنگزیب نے بالکل کچل کر رکھ دیا تھا۔ ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے بہادر شاہ اور اس کے جانشینوں کو کن دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس پر ہم تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

راجہ جسونت سنگھ کے بیٹے کی شورش

راجہ جسونت سنگھ کے بیٹے راجہ اجیت سنگھ نے اورنگ زیب کے مرتے ہی جودھپور اور راجپوتانہ دوسرے علاقوں میں حکومتِ مغلیہ کے خلاف بغاوت برپا کر دی تھی۔ اس نے مسلمانوں

کو بے حد ستایا۔ اذان اور نماز کو ممنوع قرار دیدیا۔ مسجدوں کو مسمار کر ڈالا۔ گائے کی قربانی جرم قرار دیدی اور مسجدوں کو ڈھا کر ان کی جگہ مندر تعمیر کرادئے۔ رانا اودیپور نے حسب سابق راجہ جودھپور کی امداد کی۔

راجپوتوں کی اس شورش کو دبانے کے لئے 1119ھ(1708ء) میں بادشاہ خود ان کی سرکوبی کی جانب متوجہ ہوا۔ اور چند روز کے اندر ہی ان کے تمام علاقے کو پامال کر کے رکھدیا۔ آخر اجیت سنگھ نے معافی طلب کی۔ اجیت سنگھ اور راجہ جے سنگھ معافی طلب کرنے کے لئے خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے بادشاہ نے معافی دیدی۔ اجیت سنگھ نے اطاعت اور مسلمانوں کے نقصان کی تلافی کا وعدہ کیا۔ چنانچہ مسجدیں از سرِ نو تعمیر ہوئیں۔ مسجدوں کی جگہ جو مندر بنے تھے۔ ان کو راجہ نے مسمار کر دیا۔ اور جودھپور میں مسلمانوں کو اذان نماز اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کی آزادی حاصل ہوگئی۔ گائے کی قربانی پر سے راجہ نے پابندی اُٹھالی۔

شہزادہ کام بخش کی بغاوت

بہادر شاہ کو شہزادہ محمد اعظم اور اچھوتوں کی بغاوت سے نجات ملنے کے فوراً ہی بعد اپنے چھوٹے بھائی کام بخش کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جب بادشاہ کو اطلاع ملی کہ اس کا چھوٹا بھائی دکن میں اس کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے تو اس نے بھائی کے نام ایک نہایت ہی محبت آمیز خط لکھا۔ جس میں اسے پُر امن رہنے کی ترغیب دی گئی تھی اور یہ خوشخبری سُنائی گئی تھی کہ بیجاپور کے صوبہ کے ساتھ حیدر آباد (گولکنڈہ) کا صوبہ بھی تم کو دیدیا گیا ہے۔ لیکن شہزادہ کام بخش نے یہ حرکت کی کہ جب معتبر خاں قاصد یہ خط لے کر دکن پہنچا تو شہزادہ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دھوکہ سے بلا کر قتل کر دیا۔ اور کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ آخر بہادر شاہ کو مجبوراً 1120ھ(1709ء) میں اس کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی۔

بہادر شاہ جب اپنا لشکر لیکر دکن پہنچا تو شہزادہ کام بخش بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آگیا۔ مگر کام بخش کا لشکر جو پہلے ہی سے بددل تھا۔ ٹوٹ کر شاہی لشکر سے جاملا شہزادہ کے ساتھ صرف چند ہزار سوار رہ گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی شہزادہ نے ایسی جرأت اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا کہ پھر ایک بار پھر اورنگزیب کی شمشیر زنی کی یادگار تازہ ہوگئی۔ شہزادہ کو شکست ہوئی اور وہ بری طرح زخمی ہونے کے بعد ہلاک ہوگیا۔ بہادر شاہ نے ان دونوں کی لاشوں کو ہمایوں مقبرہ میں دفن کرنے کے لئے دہلی بھیج دیا۔ اور دکن کی حکومت شہزادہ کام بخش کے بیٹوں کے سپرد کر دی گئی۔

سکھوں کا خوفناک فساد اور راجپوتوں کی بغاوت

بہادر شاہ جس زمانہ میں کہ شہزادہ کام بخش کے ساتھ لڑائی میں اُلجھا ہوا تھا۔ تو سکھوں نے پنجاب میں شدید فساد برپا کر دیا۔ اس کے علاوہ راجپوتوں نے بھی میدان خالی دیکھ کر پھر بغاوت برپا کر دی۔ راجپوتوں کی بغاوت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ راجپوت بہادر شاہ کی بجائے شہزادہ کام بخش کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ شہزادہ کام بخش۔ راجپوت رانی بائی اودے پوری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور راجپوتوں کو قدرتی طور پر اس سے لگاؤ تھا۔ اس بغاوت میں راجہ اجیت سنگھ۔ راجہ اودیپور اور راجہ جے سنگھ والئ جے پور، راجپوتوں کے سرغنہ تھے۔ انھوں نے راجپوتوں کو جمع کرنے کے بعد حکومت مغلیہ کا تختہ اُلٹ دینے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر سکھوں نے پنجاب کے اکثر و بیشتر علاقوں میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ اور اکثر علاقوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔

سکھوں کو چونکہ اس وقت تک کوئی خاص سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے بہادہ شاہ نے سکھوں کی شورش کو ایک وقتی اور معمولی شورش سمجھا۔ حالانکہ یہ شورش راجپوتوں کی بغاوت سے کہیں زیادہ خطرناک تھی جس کو ایک بہت بڑے فوجی پروگرام کے ماتحت شروع کیا گیا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سکھوں کی شورش سے مسلمانوں کو اتنا نقصان پہنچا کہ شاید راجپوتوں کی تمام گذشتہ بغاوتوں سے بھی مجموعی طور پر اتناج نقصان نہیں پہنچا تھا۔ لیکن بادشاہ اور مغل افسر اسی مغالطہ میں رہے کہ یہ وقتی ہنگامہ ہے جو خود ہی فرو ہو جائے گا۔

بادشاہ چونکہ راجپوتوں کی بغاوت کو زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ اس لئے وہ کام بخش کی جنگ سے فارغ ہوتے ہی ایک بڑا لشکر لے کر اجمیر جا پہنچا اور اجمیر سے اودے پور اور جودھپور کے لئے فوجیں روانہ کرنی شروع کر دیں۔ چنانچہ ان فوجوں نے چند روز کے اندر اندر دونوں ریاستوں کو پامال کر ڈالا۔ راجپوتوں نے جب دیکھا کہ مغلوں کو فتح پر فتح حاصل ہو رہی ہے۔ تو انہوں نے خانخاناں معظم خاں کے ذریعہ پھر معافی اور صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ نے بہت سخت شرائط عائد کرنے کے بعد اس لئے راجپوتوں کی معذرت قبول کر لی کیونکہ سکھوں کا فتنہ نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ اور بادشاہ اس فتنہ کو جلد سے جلد دبانے کے لئے مضطرب تھا۔ راجپوتوں اور مغلوں کی یہ صلح 1121ھ (1710ء) میں ہوئی تھی۔ راجپوتوں کے اس جھگڑے سے فارغ ہونے کے بعد بہادر شاہ سکھوں کی سرکوبی کی جانب متوجہ ہوا۔

سکھ کون ہیں اور انھوں نے کیونکر سیاسی اہمیت حاصل کی

سکھوں کا ذکر چونکہ پہلی مرتبہ اس تاریخ میں آیا ہے۔ اس لئے قبل اس کے ہم سکھوں اور مغلوں کی لڑائیوں پر روشنی ڈالیں۔ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں کی مختصر تاریخ سے بھی اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیں تا کہ سکھوں کی تاریخ سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کیسے رہے ہیں۔ اور یہ کیا خاص اسباب پیدا ہوئے کہ سکھوں اور مسلمانوں میں ٹھن گئی۔ سکھوں کی تاریخ کا یہ خلاصہ بھائی گیانی سنگھ گیانی کی مشہور تصنیف ''شمشیر خالصہ'' کی مدد سے پیش کیا جارہا ہے۔

سکھوں کے دس گرو

شمشیر خالصہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سکھوں کے جو دس گرو ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے تعلقات مسلمان حکمرانوں سے نہایت اچھے رہے ہیں۔ ذیل میں ہم تمام سکھ گروؤں کے حالات اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

سکھوں کے پہلے گرو ''گورو نانک''

سکھ دھرم کے بانی اور سکھوں کے پہلے گرو۔ گرونانک جی 873 ہجری (1429ء) میں موضع تلونڈی، تحصیل شرقپور، ضلع لاہور میں سلطان بہلول لودھی کے دورِ حکومت میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی جائے پیدائش بھی ننکانہ صاحب کے نام سے مغربی پنجاب میں مشہور ہے۔ جو سکھوں کا سب سے بڑا تیرتھ شمار کیا جاتا ہے۔

گرونانک کے باپ کا نام کالو چند بیدی تھا۔ جو کھتری قوم سے تھے اور جن کا شجرہ نسب راجہ رام چندر جی سے جا کر ملتا ہے۔ سکھوں کا بیان ہے کہ بچپن ہی میں گرونانک کی ذات سے عجیب و غریب معجزے ظہور میں آنے لگے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ سید حسن درویش نے گرونانک جی پر کچھ ایسی توجہ کی نظر ڈال دی تھی کہ وہ باپ دادا کے ہندو دھرم سے منحرف ہونے کے بعد فقیروں اور صوفیوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے مسلمان فقرا کے فیضان صحبت سے متاثر ہو کر پنجابی زبان میں گرنتھ صاحب نامی کتاب تصنیف کی تھی جو اوّل سے لے کر آخر تک تصوف کی باتوں سے بھری ہوئی ہے۔

گرونانک پکے وحدانیت پرست تھے۔ ان کا بلند مقصد یہ تھا کہ سکھ دھرم کے ذریعہ ہندو اور

مسلمان کی تفریق کو مٹا کر ہندو اور مسلمان کو آپس میں متحد کر دیں۔ ان کا رُجحان طبع اسلامی تعلیمات کی جانب بہت زیادہ تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ مکہ بھی گئے تھے۔ غرضیکہ ان کی شخصیت بڑی عجیب ہے۔ اوران کا نظریہ نہایت پاکیزہ اور بلند ہے۔

شمشیر خالصہ میں لکھا ہے کہ جب بابر سے گرو نانک ملے تو انہوں نے اس کو ہندوستان کو فتح کرنے کی اوراس پر سات پشت تک حکومت برقرار رہنے کی دُعا دی تھی۔ بابر نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اوران کی خدمت میں جوہرات پیش کیے مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ گرو نانک 99 برس 10 مہینے اور 10 دن زندہ رہنے کے بعد 993ھ (1593ء) میں دُنیا سے رحلت کر گئے۔

گرونانک کے دو بیٹے تھے۔ ایک سری چند اور دوسرا لکھی چند۔ ان کی اولاد اب تک پنجاب اور دہلی میں ہے جو صاحبزادہ کہلائی جاتی ہے۔

دوسرے گرو" گرووا گند"

یہ گرونانک کے چیلے تھے جو سکندر لودھی کے دورِ حکومت میں 910ھ (1504ء) میں ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ گورنانک کے سچے مقلّد تھے۔ انھوں نے گورمکھی کے حروف ایجاد کیے اور جنم ساکھی کتاب لکھی۔ سکھوں کا کہنا ہے کہ جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد فرار ہوا تو گرووا گند نے پیشین گوئی کی تھی کہ چند سال بعد تم پھر ہندوستان کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔

گرونانک کی وفات کے بعد یہ گدّی پر بیٹھے اور بارہ سال گوریائی کرنے کے بعد سفرِ آخرت کیا۔

تیسرے گرو" امرداس"

یہ سکندر لودھی کے عہد میں 898ھ (1469ء) میں موضع باصر ضلع امرتسر تیج بہان کھتری کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ گرووا گند نے اپنی زندگی ہی میں ان کو گدّی پر بٹھادیا تھا۔ قصبہ گوبندوال انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اکبر بادشاہ نے اپنی حکومت میں جس طرح 18 صوبے مقرر کیے تھے اسی طرح انہوں نے بھی 18 گدّیاں مقرر کیں۔ اکبر بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اکبر نے پرگنہ چھبال کے بارہ دیہاتوں کی آمدنی گروامرداس کو دینی چاہی مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔

چوتھے گرو" رام داس"

یہ شیر شاہ سوری کے عہدِ حکومت میں لاہور میں ہرداس سوڈہی کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔

تیسرے گروامرداس کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی تھی اکبر بادشاہ کی جب لاہور میں گرورام داس سے ملاقات ہوئی تو اکبر ان کے صوفیانہ خیالات سُن کر بے حد محظوظ ہوا۔ اور اس نے موضع سلطان ونڈ، وتونگ وغیرہ قصبات۔ اور گرد ونواح کی زمین گرو چک کے ساتھ شامل کر کے گورو جی کو دیدی۔ اور معافی کی سند لکھدی۔ امرتسر کو اسی زمین پر گورو جی نے نئے سرے سے آباد کیا۔

پانچویں گرو "گروارجن"

یہ چوتھے گرورام داس کے بیٹے تھے۔ باپ نے اپنی زندگی ہی میں گدی پر بٹھادیا تھا۔ یہ اکبر کے عہدِ حکومت میں 1000ھ (1573ء) میں قصبہ گوبندوال میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے فرقہ کو بہت ترقی دی۔ ہزارہا آدمیوں کو اس فرقہ میں شامل کیا۔ گروارجن سے قبل جتنے بھی سکھ گرو ہوئے ہیں وہ سب کے سب پکے درویش تھے۔ لیکن گروارجن نے فقیری کے ساتھ دنیاداری کو پہلی مرتبہ شامل کیا۔

سکھوں کی پوتھیوں میں لکھا ہے کہ دنیا کی دولت گرونانک سے بارہ کوس دور رہی گورو وانگند سے چھ کوس دور رہی۔ گوروامرداس کے دروازہ پر آگئی اور گورورام داس کے قدموں میں رہی۔ لیکن دنیا کی دولت گوروارجن کے گھر میں داخل ہوگئی۔ گوروارجن نے ہر تعلقہ میں ایک کارکن مقرر کیا جو سوندھ (یعنی دسواں حصہ) جمع کرتا تھا۔ یہ گرو کے ذاتی خرچ کے لئے ہوتا تھا۔

امرت سر کے تالاب میں سکھوں کا جو مشہور گوردوارہ بنا ہوا ہے۔ گروارجن ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس گوردوارہ کی بنیاد حضرت میاں میر نے رکھی تھی۔ شہر امرتسر کو گروارجن کے زمانہ میں بڑی ترقی ہوئی۔ امرتسر میں انھوں نے تمام اقوام اور مذاہب کے افراد کو لاکر آباد کیا تھا۔

گروارجن کا بڑا بھائی پرتھی چند گروارجن کا اس لئے دشمن ہوگیا تھا۔ کیونکہ باپ نے اس کے ہوتے ہوئے گروارجن کو گوروی گدی پر بٹھادیا۔ گروارجن کا ایک دوسرا بڑا دشمن دیوان چندولال تھا۔ وہ اس لئے گروارجن کا مخالف ہوگیا تھا۔ کیونکہ گرو نے چندولال کی لڑکی سے اپنے لڑکے کی شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ چندولال نے گرو کے اس انکار کو اپنی توہین سمجھا اور مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔

دیوان چندولال کا کیونکہ مغل دربار میں بے حد اثر و رسوخ تھا۔ اس لئے اس نے اکبر کو گروارجن کے خلاف جھوٹی شکایتیں کر کے کئی مرتبہ بھڑکانا چاہا۔ مگر اکبر نے جب بھی ان شکایتوں کی تحقیقات کی تو بے بنیاد ثابت ہوئیں اور دیوان چندولال کو اکبر کے عہدِ حکومت میں گروارجن سے

بدلہ لینے کا موقعہ نہ مل سکا۔ گرو ارجن کا بھائی پرتھی چند بھی چندولال سے ملا ہوا تھا۔ اور یہ دونوں ہی گرو ارجن کو نقصان پہنچانے پر تلے رہتے تھے۔

اکبر کے بعد جب جہانگیر کا عہدِ حکومت شروع ہوا۔ اور جہانگیر کے بیٹے خسرو نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو گرو ارجن نے اسے بادشاہ ہونے کی دُعا دی تھی اور پچاس ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔ جب خسرو گرفتار ہو گیا۔ اور اس کے معاون اور مددگاروں کی تلاش شروع ہوئی تو دیوان چند ولال نے مخبری کرتے ہوئے جہانگیر کو بتایا کہ گرو ارجن نے شہزادہ خسرو کو پچاس ہزار روپے دیئے تھے اور اس کی سب سے زیادہ امداد کی تھی۔ گرو ارجن کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور حکم دیدیا گیا کہ یا تو دو لاکھ روپیہ جرمانہ ادا کرو۔ ورنہ جان سے مارے جاؤ گے۔

گرو ارجن نے کہا کہ ہم فقیروں کے پاس دو لاکھ روپیہ کہاں سے آیا۔ بادشاہ نے گرو ارجن کو لاہو کی کوتوالی میں بھیج دیا۔ چندولال گرو کو توالی سے اپنے گھر لے گیا۔ اور کہاں کہ یا تو میری لڑکی سے اپنے لڑکے کا بیاہ کرنا قبول کر لیجئے۔ ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جایئے۔ گرو نے صاف انکار کر دیا تو چندولال نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر گرو کو قتل کر دیا۔

چھٹے گرو ''گرو ہو گو بند''

یہ گرو ارجن کے بیٹے تھے۔ جو 1014ھ (1590ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ باپ نے اپنی گرفتاری سے قبل گیارہ سال کی عمر میں انھیں گدی پر بٹھا دیا تھا۔ سکھوں میں سپاہیانہ زندگی کی ابتدا انہی کے زمانے سے شروع ہوتی ہے۔ انھوں نے فقیرانہ طریقہ کے خلاف اپنی کمر میں ایک کی بجائے دو تلواریں باندھیں باپ کے مرتے ہی چندولال سے انتقام لینے کا تہیہ کیا۔ سکھوں کو فوجی تربیت حاصل کرنے پر زور دیا۔ غرضیکہ تھوڑے ہی دن میں اپنے آپ کو فقیر سے راجہ بنالیا۔ دربار امرتسر کے سامنے ایک چبوترہ بنو کر اس کا نام ''اکال بنگاہ'' رکھا دونوں وقت اس پر دربار کرنا شروع کیا۔ یہیں بیٹھ کر دینی اور دُنیاوی وعظ سکھوں کو سُناتے تھے اور اسی جگہ ان کے مقدمات کا بھی فیصلہ کرتے تھے۔ ان کو ''سچے بادشاہ'' کا خطاب عطا ہوا۔

پرتھی چند کے بڑے بیٹے نے اپنے چچازاد بھائی کی یہ شان اور عظمت دیکھی تو دل ہی دل میں جلنے لگا۔ دیوان چندولال کے پاس دہلی آیا۔ اور بادشاہ کے پاس شکایت بھجوائی کہ گرو ہرگوبند ڈاکوؤں کو اپنے گرد جمع رکھتا ہے۔ اور سلطنتِ مغلیہ کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ جہانگیر نے گرو گوبند کو بلا کر تحقیقات کی تو یہ الزام غلط ثابت ہوا۔ جہانگیر گرو گوبند سے ملنے

کے بعد بے حد خوش ہوا۔ اور اس نے گرو ہر گوبند کے لئے پانچ سو روپیہ یومیہ مقرر کر دیا۔

دیوان چندو لال جو گرو ہر گوبند کا پرانا مخالف تھا۔ وہ گرو ہر گوبند کی اس عزت افزائی کو گوارہ نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے مختلف ذرائع سے جہانگیر کو یہ یقین دلایا کہ گرو ہر گوبند اپنے باپ گرو ارجن کی طرح حکومتِ مغلیہ کا سخت مخالف ہے۔ اس پر مراعات کا دروازہ کھولنا بہت بڑے خطرے کو دعوت دینا ہے۔ حکومتِ مغلیہ کا فائدہ اسی میں ہے کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس طرح حکومتِ مغلیہ کے ایک باغی کو بھی قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ دو لاکھ روپیہ جرمانہ بھی وصول ہو سکتا ہے جو گرو ارجن سے وصول نہیں ہو سکا تھا۔ غرضیکہ دیوان چندو لال نے مختلف ذرائع سے دباؤ ڈال کر جہانگیر کو گرو ہر گوبند سے بدظن کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چندو لال کی شرارت کی وجہ سے جہانگیر نے گرو کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

جہانگیر کو چند ہی روز بعد جب معلوم ہوا کہ گرو ہر گوبند بے گناہ ہے تو نہ صرف گرو کو رہا کر دیا بلکہ اس کی سپاہیانہ قابلیت کو دیکھتے ہوئے سات توپیں دیں۔ ایک ہزار پیادے اور پانچ سو سوار رکھنے کی اجازت دی۔ اور پنجاب کے حکام کے نام احکامات جاری کر دئے۔ کہ گرو ہر گوبند کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی جائے گرو ہر گوبند کا اب مغل دربار میں اثر و رسوخ کافی بڑھ چکا تھا۔ انھوں نے اپنے اثرات سے کام لے کر چندو لال کو گرو ارجن کی موتیوں کی مالا ہضم کر جانے کے جرم میں گرفتار کرا دیا۔ چنانچہ الزام کے درست ثابت ہونے کے بعد جہانگیر نے دیوان چندو لال کو گرو کے حوالے کر دیا۔ گرو نے جی کھول کر باپ کا انتقام لیا۔ اور چندو لال کو تڑپا تڑپا کر مارا۔ گرو ہر گوبند پر بادشاہ کی عنایت چونکہ بہت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے بے شمار آدمی اس کے معتقد ہو گئے اور اس کا اثر و رسوخ بے حد بڑھ گیا۔

جب شاہجہاں کا دورِ حکومت شروع ہوا تو پرتھی چند اور چندو لال کے بیٹوں نے شاہجہاں کو گرو ہر گوبند سے منحرف کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ ابتدا میں تو شاہجہاں ان شکایتوں سے بالکل متاثر نہیں ہوا لیکن بعد کو اسے خیال آیا کہ سکھوں کی گروبندی حکومت کے لئے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سکھوں میں اور شاہی فوجوں میں کئی جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن بعد میں یہ معاملہ دب گیا۔ اور شاہجہاں نے گرو ہر گوبند کی جانب توجہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

ساتویں گرو "گرو ہر رائے"

گرو ہر گوبند کے مرنے کے بعد گرو کا پوتا ہر رائے دادا کا جانشین ہوا۔ دارا شکوہ کی اس گرو سے بڑی دوستی تھی۔ اور یہ دونوں ہم خیال بھی تھے۔ دارا شکوہ جب اورنگزیب سے شکست کھا کر

پنجاب گیا۔ تو گرو ہر رائے کے پاس بھی گیا۔ لیکن شاہی لشکر وہاں جا پہنچا تو یہ بھاگ گیا۔

آٹھویں گرو "گرو ہو کشن"

گرو ہر رائے سترہ سال کی گدّی نشینی کے بعد جب فوت ہو گئے تو ان کا کمسن بیٹا ہر کشن 5 سال کی عمر میں گدّی پر بیٹھا۔ اس کا بڑا بھائی رام رائے اورنگ زیب کے پاس پہنچا۔ اور فریاد کی کہ میرے ہوتے ہوئے میرے پانچ سالہ بھائی کو خود غرضوں نے اس لئے گدّی پر بٹھا دیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے میرے باپ کی دولت کو لوٹیں۔ میرا بھائی کم عمری کے سبب گدّی کے لائق نہیں ہے۔ اورنگزیب نے راجہ جے سنگھ والیٔ جے پور کو گرو ہر کشن کو لانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ نوعمر گرو جب راجہ کے آدمیوں کے ساتھ دہلی آیا تو چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

نویں گرو "گرو تیغ بہادر"

گرو ہر کشن کے بعد گرو ہر گو بند کا سبّ سے چھوٹا بیٹا گرو تیغ بہادر گدّی نشین ہوا۔ اگرو تیغ بہادر سے چونکہ باغیانہ حرکات سرزد ہوئیں تھیں۔ اس لئے اورنگ زیب نے اُنھیں دہلی بلا کر پہلے حوالات میں بند رکھا اور اس کے بعد قتل کرا دیا۔ دہلی میں جہاں اس گرو کا سر کٹا تھا وہاں ایک شاندار گرودوارہ سیس گنج کے نام سے تعمیر ہو گیا ہے۔

دسویں گرو۔ "گرو گو بند"

گرو تیغ بہادر کے قتل کیے جانے کے بعد ان کا بیٹا گرو گو بند باپ کا جانشین ہوا۔ یہی وہ گرو ہے جس نے کہ سکھوں کو فرمانروائی کیلئے اُبھارا اور اپنے باپ گرو تیغ بہادر کے انتقام کیلئے سکھوں کو جوش دلا کر باقاعدہ فوج تیار کی اور رفتہ رفتہ اس قدر جمعیت بڑھالی۔ کہ دس دس ہزار کے مخالف لشکر کو اس گرو نے بری طرح شکست دی ہے۔ گرو گو بند نے مرہٹوں کی طرح جا بجا مضبوط قلعے بھی تیار کر لئے تھے۔ سکھوں کا کہنا ہے کہ اس گرو نے اورنگزیب سے بھی کئی لڑائیاں لڑی تھیں۔ نیز بہادر شاہ اپنے بھائی محمد اعظم سے جنگ کر رہا تھا۔ تو یہ گرو بھی بہادر شاہ کی جانب سے اس جنگ میں شامل تھا۔ لیکن مستند تاریخوں میں نہ تو اورنگزیب کے ساتھ گرو گو بند کی کسی لڑائی کا ذکر ہے۔ اور نہ بہادر شاہ کے ساتھ جنگ میں اس گرو کے شامل ہونے کا کوئی تذکرہ موجود ہے۔ ہاں اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس گرو کے بیٹے اس کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ دکن چلا گیا تھا۔ چنانچہ دکن ہی میں کسی نامعلوم شخص نے اس کی پشت میں خنجر مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

دسویں گرو کا چیلا "بندہ بیراگی"

سکھوں کے گروؤں کا سلسلہ تو دسویں گرو "گرو گوبند" پر ختم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ مغلوں سے باقاعدہ جنگ "بابا بندہ بیراگی" نے شروع کی تھی۔ اس لئے اسے سکھ تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بابا بندہ قوم کا راجپوت تھا۔ پہلے اس کا نام نراین داس بیراگی تھا۔ جب وہ ناندیر صوبہ دکن میں گرو گوبند کا چیلا بنا تو اپنا نام "بندہ" رکھ لیا۔ گرو گوبند نے اپنی زندگی ہی میں بندہ بیراگی کو سرہند میں اپنے بیٹوں سے انتقام لینے کے لئے بھیجا تھا اور سارے پنجاب کے سکھوں کے نام پروانے بھی بھیج دیئے تھے کہ وہ بابا بندہ بیراگی کی دل و جان سے اطاعت کریں۔ چنانچہ تمام سکھ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کو سکھوں میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اسے گرو گوبند کا اوتار سمجھا جانے لگا۔

بندہ بیراگی کی سرکردگی میں سکھوں کو سورش

بندہ بیراگی جس نے کہ اپنا لقب "سچا بادشاہ" اختیار کر لیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے 1121ھ (1710ء) میں سرہند میں غارت گری شروع کی۔ اس کے بعد پنجاب کے نواح کو لوٹا۔ سکھوں کی اس شورش کی بنا پر پنجاب کے مغل عمال کے نام بادشاہ کا حکم آیا کہ سکھوں کے ان تمام معابد کو مسمار کر دیا جائے جن کو کہ سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ عمال نے ہر چند اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی مگر یہ فتنہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ بندہ بیراگی نے دو تین مہینے میں بیس ہزار فوج جمع کر لی۔ لوٹ سے یہ مالا مال ہو گیا۔ تین شاہی فوجدار جو سکھوں کی شورش کے دبانے کے لئے آئے تھے۔ ان کو سکھوں نے قتل کر دیا۔ سارا مغل لشکر برباد ہو گیا۔ سکھوں نے جابجا اپنے عمال۔ اور محصول وصول کرنے والے مقرر کر دیئے اور ان کا لشکر چالیس ہزار تک پہنچ گیا۔

بندہ بیراگی نے سرہند کے حاکم وزیر خاں کو حکم بھیجا کہ وہ اطاعت قبول کر لے وزیر خاں سات ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ پر آیا۔ خود بھی قتل ہوا۔ اور مغل فوج کے بھی بہت سے آدمی مارے گئے۔ سکھوں نے شہر سرہند کو خوب لوٹا عورتوں مردوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ بری طرح سے قتل عام برپا کیا۔ عورتوں کو ذبح کر ڈالا۔ عمارتوں کو آگ لگائی۔ مسجدوں اور مقبروں کو مسمار کیا۔ اور تحصیل وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔

سہارنپور مظفر نگر اور پنجاب میں سکھوں کی غارتگری

سرہند کو فتح کرنے کے بعد سکھوں نے سہارنپور کے حاکم کو اطاعت کا حکم پہنچایا۔ وہ سکھوں کے خوف سے دہلی بھاگ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سہارنپور کے باشندوں نے متحد ہو کر سکھوں کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ عورتوں کو بے آبروئی سے بچانے کے لئے خود ہی قتل کر دیا۔ کچھ عورتوں نے بے آبروئی سے بچنے کے لئے کنوؤں میں ڈوب کر جان دیدی۔ جب سکھ سہارنپور کی طرف بڑھے تو سہارنپور کے باشندوں نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن انھیں بے حد جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔

سہارنپور کے بعد جب سکھ جلال آباد (مظفر نگر) کی طرف گئے تو یہاں کے فوجدار جلال خاں نے اور رعایا نے مل کر بڑی جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مظفر نگر کے بہت سے باشندے اس جنگ میں مارے گئے۔ مگر سکھوں کی شکست کے بعد ساٹھ ہزار سکھوں نے چاروں طرف سے جلال آباد (مظفر آباد) کو گھیر لیا۔ مگر شاہی فوج، افغان باشندے اور دوسرے ہندو مسلمان باشندے مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ قصبہ تمام برباد ہو گیا۔ مگر سکھوں کو اس جگہ کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد سکھ سلطان پور دوآبہ اور جالندھر کی فتح کی طرف متوجہ ہو گئے۔

جب سکھوں نے جالندھر پر حملہ کیا تو چالیس پچاس ہزار مسلمان بھی فوج کے علاوہ مقابلہ پر آ گئے۔ اور انھوں نے اللہ اکبر کے نعروں سے ایک شور برپا کر دیا سکھوں اور مسلمانوں میں شدید جنگ ہوئی۔ سکھوں نے پوری طاقت سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن انھیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار سکھوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر قلعہ راہون میں محصور ہو گئے۔ کئی روز تک قلعہ میں چھپے بیٹھے رہے آخر نکل کر بھاگے۔ شمس خاں فوجدار جالندھر نے کئی کوس تک ان کا تعاقب کیا۔

سکھوں کا حصار اور لاہور پر حملہ

سکھوں نے اس کے بعد حصار میں تباہی مچائی۔ اس کے بعد لاہور پر یورش کردی۔ شاہی عمال اسلم خاں اور کاظم خاں نے سکھوں کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر خیمے ڈالدئے۔ ہزاروں ہندو مسلمان بھی شاہی عمال کی امداد کے لئے آ گئے۔ سکھوں سے مقابلہ ہوا۔ لاہور کے باشندوں نے شاہی فوج کے دوش بدوش سکھوں سے جنگ کی۔ لاہور شہر بالکل محفوظ رہا۔ لیکن اطراف لاہور کو شالا مار تک سکھوں نے لوٹ لیا اور تمام علاقہ کو برباد کر دیا۔ غرضیکہ لاہور سے لے کر دہلی کے

مفصلات تک کا ایک بہت بڑا علاقہ سکھوں نے لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ ساڈھورا کرنال اور سرہند میں سب سے زیادہ تباہی مچی۔ سکھ ہندو مسلمانوں کو گرفتار کرتے تھے۔ ان کو ایک جگہ بٹھا کر قتل کر دیتے تھے۔ سکھ زیادہ تر تو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ لیکن وہ ہندوؤں کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ ان کو بھی مسلمانوں کی طرح قتل کر دیتے تھے۔ صرف ان ہندوؤں کے ساتھ رعایت اختیار کرتے تھے جو اس غارتگری میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔

مرہٹوں نے پھر سر اٹھانا شروع کر دیا

شمالی ہند میں تو سکھوں نے طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اور جنوبی ہند میں مرہٹے پھر سر اُٹھا رہے تھے۔ چنانچہ مرہٹہ سردار نیتا جی سندھیا جس نے عالمگیر کے مرتے ہی مالوہ تک کا علاقہ خوب لوٹا تھا۔ اس نے تو ذوالفقار خاں کے کہنے پر بہادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن سیوا جی کا پوتا راجہ ساہو جسے اورنگزیب کے مرنے پر شہزادہ اعظم نے رہا کر دیا تھا۔ اس نے پھر مرہٹوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ اس نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ غیر آباد علاقے اس کو آباد کاری کے لئے دیدئے جائیں۔ اور ''سردیس مکھی''۔ یعنی کمیشن پر محصول وصول کرنے کا حق اسے مل جائے اسی قسم کا مطالبہ ساہو کی حریف یعنی تارہ بائی (بیوہ رام راجہ) نے بھی سردیس مکھی کے لئے کیا تھا غرضیکہ مرہٹوں میں از سرِ نَو زندگی پیدا ہونے لگی تھی۔

ایک مرہٹہ خاتون تلسی بائی نے میر احمد خاں صوبیدار کو پیغام بھیجا کہ اگر برہان پور کو بچانا چاہتے ہو۔ تو گیارہ لاکھ روپیہ چوتھ کا فوراً بھیج دو۔ اور اس کے بعد اس مرہٹہ خاتون نے 1121ھ (1710ء) میں برہان پور اور اس کے مفصلات پر حملہ کر کے بری طرح سے تباہی مچائی۔ مغل افسروں کو اس خاتون کے مقابلہ میں بڑی پریشانیاں پیدا ہوئیں۔ غرضیکہ مرہٹوں نے پھر سر اُٹھانا شروع کر دیا تھا۔ بادشاہ چونکہ راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوتوں کو دبانے کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے وہ دکن کے معاملات کی اصلاح نہ کر سکا۔

بہادر شاہ کی سکھوں سے لڑائی

بہادر شاہ نے راجپوتوں کی شورش دبانے کے بعد فوراً پنجاب کے ان سکھوں کی جانب رُخ کیا۔ جنھوں نے دہلی کے مفصلات سے لے کر لاہور تک کے علاقہ کو تاراج کر دیا تھا۔ منعم خاں کو حکم دیا گیا کہ سکھوں نے جہاں جہاں اپنے تھانے قائم کئے ہیں۔ ان کو اٹھا دیا جائے۔ سکھوں کے تیس چالیس ہزار کے لشکر نے کئی مقامات پر شاہی لشکر سے مقابلہ کیا۔ شروع میں شاہی فوج کو

سکھوں نے بے حد نقصان پہنچایا۔ لیکن اس کے بعد شاہی فوج نے بری طرح سے سکھوں کا قتل عام کیا۔

سکھ شکست کے بعد لوہ گڈھ کے قلعہ میں محصور ہو گئے۔ منعم خاں نے 1122ھ (1711ء) میں قلعہ کا محاصرہ کرالیا۔ جب قلعہ فتح ہوا تو بندہ بیراگی بھیس بدلنے کے بعد رات ہی کو قلعہ سے فرار ہو گیا ہے۔ منعم خاں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ بادشاہ بھی بندہ بیراگی کے بچ کر نکل جانے سے فوجی افسروں پر بہت ناراض ہوا۔ بندہ بیراگی کی ہر طرف تلاش شروع کی گئی۔ لیکن اس کا سُراغ نہ مل سکا۔

بہادر شاہ کی بیماری اور موت

بہادر شاہ 68 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا تھا اب اس کی عمر 73 سال ہو گئی تھی۔ اس کے قوائے جسمانی نے جواب دیدیا تھا اور وہ بیمار رہنے لگا تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں اس کا رجحان طبع شیعیت کی جانب ہو گیا تھا۔ جس سے کہ اکثر مقامات پر ہنگامے برپا ہوئے سکھوں کی حرکات نے اسے سکھوں سے متنفر کر دیا تھا۔ اور وہ سکھوں کی داڑھیوں سے جلنے لگا تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا تھا کہ اس کی حکومت میں کوئی غیر مسلم داڑھی نہ رکھے۔

19 محرم 1123ھ (1712ء) کو جب بادشاہ لاہور میں تھا تو یکا یک اس کی حالت زیادہ بگڑ گئی اور اسی تاریخ کو اس کا انتقال ہو گیا۔ لاہور سے میت دہلی لائی گئی جہاں اسے حضرت قطب صاحب کے احاطہ کے باہر دفن کیا گیا۔ اس نے پانچ سال اور 2 ماہ حکومت کی۔ اسی بادشاہ کے دور حکومت میں 1118ھ (1708ء) میں لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑنے کے بعد اس کی سیاسی سرگرمیاں ہندوستان میں شروع ہوئیں۔

جہاں دار شاہ کی تخت نشینی

بہادر شاہ کے چار بیٹے تھے۔ جہاندار شاہ۔ عظیم الشان۔ رفیع الشان اور جہاں شاہ بہادر شاہ کے مرتے کے ساتھ ہی حسبِ دستور ان چاروں بیٹوں میں تخت کے لئے خونریزی شروع ہو گئی۔ بہادر شاہ کا دوسرا بیٹا عظیم الشان چونکہ بہادر، لائق اور ہر دلعزیز تھا۔ اس لئے باقی تینوں بیٹوں نے یعنی جہاندار شاہ۔ رفیع الشان اور جہاں شاہ نے متحد طور پر اس کے خلاف یورش شروع کر دی۔ چنانچہ عظیم الشان اس جنگ میں مارا گیا۔ عظیم الشان سے فرصت پانے کے بعد جہاندار شاہ اور جہاں شاہ میں جنگ چھڑ گئی۔ رفیع الشان اس جنگ میں غیر جانبدار رہا۔ چنانچہ اس جنگ میں

جہاں شاہ گولہ کے لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد جہاندار شاہ اور رفیع الشان میں خونریزی ہوئی اور اس خونریزی میں رفیع الشان مارا گیا۔

تینوں بھائیوں کو ختم کرنے کے بعد معز الدین جہاندار شاہ 20 محرم 1123ھ (1712ء) کو باون برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ جہاندار شاہ اگرچہ اپنے تینوں بھائیوں سے بڑا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ بیوقوف اور عیش پرست تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے تمام بھتیجوں کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اور بھائیوں کے حامی اُمرا کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرایا۔ آصف الدولہ اسد خاں کو وکیل سلطنت کا سب سے بڑا عہدہ دیا گیا۔ اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو وزارتِ عظمٰی کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری حکومت ہی ان دونوں باپ بیٹوں کے ہاتھ میں تھی۔ کیونکہ بادشاہ کو تو اپنی عشرت پسندیوں ہی سے فرصت نہ تھی۔

طوائفوں اور ڈوموں کی سرپرستی

جہاندار شاہ کے عہد حکومت کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس بادشاہ کے دور میں طوائفوں، ڈوموں اور میراثیوں کو وہ عروج حاصل ہوا جو اس سے قبل کبھی سننے میں بھی نہیں آیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاندار شاہ لال کنور نامی طوائف پر بہت بری طرح فدا تھا۔ وہ جس طرح نچاتی تھی ناچتا تھا بادشاہ نے لال کنور کو امتیاز محل کا خطاب عطا کیا۔ اور اسے شاہانہ سواری کا سامان عنایت ہوا۔ لال کنور کے بھائی خوشحال خاں کو پنجہزاری اور اکبر آباد کی صوبیداری عطا ہوئی۔ جو بعد میں ذوالفقار خاں کے بادشاہ کو سمجھانے پر منسوخ کر دی گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لال کنور کی سہیلی زہرہ کنجڑن کی سواری بھی بازار میں شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ نکلتی تھی۔

فرخ سیر کی بادشاہ کے خلاف شورش

جہاندار شاہ نے اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں کو تو ٹھکانے لگا ہی دیا تھا۔ لیکن ایک بھتیجا فرخ سیر بن عظیم الشان جسے باپ بنگال کی صوبیداری سپرد کر آیا تھا۔ عظیم آباد میں مقیم تھا۔ جہاندار شاہ کو اس بھتیجے کی بڑی فکر تھی۔ کیونکہ اس نے دادا کے مرتے ہی اپنے باپ عظیم الشان کا خطبہ جاری کر دیا تھا۔ ادھر یہ بھتیجا یعنی فرخ سیر بھی جہاندار شاہ کی تاک میں تھا۔ چنانچہ اس نے سید حسین علی خاں، حاکم بہار اور اس کے دوسرے بھائی سید عبداللہ خاں حاکم الہ آباد کو بھی ہمراہ کر لیا۔ ان انتظامات کے بعد فرخ سیر اپنے چچا جہاندار شاہ سے باپ کا انتقام لینے کے لئے فوج لے کر چل کھڑا ہوا۔ دونوں سید بھائی۔ یعنی سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں اس مہم میں اس کے ساتھ تھے۔

جب فرخ سیر دہلی کی جانب چلا تو نہ اس کے پاس روپیہ تھا اور نہ کافی فوج تھی۔ لیکن باپ کے انتقام کے جوش اور حکومت حاصل کرنے کے جذبہ نے اسے دلیر بنا دیا تھا۔ اور سب سے بڑی تقویت اس کو سیدوں کی تھی جو جنگی معاملات میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ فرخ سیر کا پہلا مقابلہ جہاندار شاہ کے جرار لشکر سے کھوے کے قریب ہوا۔ جہاندار شاہ کی فوج میں چونکہ پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ لڑے بغیر ہی منتشر ہوگئی۔ لیکن آگرہ کے قریب جہاندار شاہ کی ستر ہزار فوج نے فرخ سیر سے مقابلہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں جہاندار شاہ کے ساتھ کئی سوڈوم ڈہاڑی بھی تھے۔ جو جنگ کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے ان کا بھاگنا تھا کہ نہ صرف لشکر کے بلکہ خود جہاندار شاہ کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور فرخ سید کو سیدوں کی مدد سے فتح حاصل ہوگئی۔

جہاندار شاہ اور وزیرِ اعظم ذوالفقار خاں دونوں شکست کھانے کے بعد دہلی پہنچے ذوالفقار خاں نے اپنے باپ آصف الدولہ اسد خاں سے التماس کی کہ جہاندار شاہ کو دکن یا کابل لے جایئے۔ اور پھر لشکر جمع کر کے مقابلہ کیا جائے۔ مگر باپ جو گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے بیٹے کو سمجھایا کہ جہاندار شاہ کا دور ختم ہو چکا۔ اس کی مزید حمایت دانشمندی کے خلاف ہے۔ جہاندار شاہ ہی پر کیا موقوف ہے جو بھی تخت پر بیٹھے گا ہم پر اس کی اطاعت لازم ہے چنانچہ آصف الدولہ اسد خاں نے فرخ سیر کے دہلی پہنچنے سے قبل ہی جہاندار شاہ کو قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ غرضیکہ جہاندار شاہ کی حکومت صرف گیارہ مہینے کے بعد ختم ہوگئی۔

فرخ سیر کی تخت نشینی

فرخ سیر جہاندار شاہ کو سیدوں کی مدد سے شکست دینے کے بعد **1124ھ (1712ء)** میں تخت پر بیٹھا۔ سید عبداللہ خاں کو قطب الملک اور یار وفادار ظفر جنگ کے خطابات عطا ہوئے اور وزارتِ عظمٰی کا عہدہ عنایت کیا گیا۔ سید حسین علی خاں کو امیر الامرا بہادر فیروز جنگ کا خطاب اور سپہ سالار کا عہدہ ملا محمد امین خاں کو اعتماد الدولہ کا خطاب دیا گیا۔ اور نائب سپہ سالار بنا دیا گیا۔ قلیچ خاں کو پنجہزاری سے ہفت ہزاری کا منصب ملا۔ اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔ اور دکن کی صوبیداری کا منصب دیا گیا۔ یہ بادشاہ کا خاص ہمراز تھا۔ فرخ سیر سلطنت کے انتظامات کے لئے تقریباً ایک ہفتہ آگرہ میں ٹھہرا۔ پھر دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔

بادشاہ نے دہلی پہنچتے کے ساتھ ہی اندھادھند اپنے مخالفوں کا قتل شروع کر دیا۔ سب سے

پہلے جہاندار شاہ تمام شہزادے اور جہاندار شاہ کے رفیق قتل کیے گئے۔ اس کے بعد آصف الدولہ کے بیٹے ذوالفقار کا بڑی بے دردی سے کام تمام کیا گیا۔ سبھا چند کی زبان کھینچ لی گئی۔ ہدایت کیش شاہ قدرت اللہ درویش کو ختم کرا دیا غرضیکہ جہاندار شاہ۔ رفیع الشان اور جہاں شاہ کے سیکڑوں ساتھی قتل ہوئے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ جس پر ذرا بھی شبہ ہوا۔ اسے فوراً پھانسی لٹکا دیا گیا۔

دہلی میں قدم رکھتے ہی عمال کی تقرری کے سلسلہ میں بادشاہ اور وزیر یعنی سید عبداللہ قطب الملک میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ بادشاہ کی فطری خواہش تھی کہ وہ اپنے حکم سے عمال مقرر کرے مگر سید عبداللہ اور سید حسین علی یہ چاہتے تھے کہ جو کچھ بھی ہو ان ہی کی مرضی سے ہو غرضیکہ بادشاہ اور سیدوں میں کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ مگر سید عبداللہ بادشاہ کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ چنانچہ سید عبداللہ نے بادشاہ کی مرضی کے خلاف رتن چند بقال کو اپنا دیوان مقرر کر دیا تھا۔ یعنی اس بقال کو نائب وزیر کا عہدہ دیدیا گیا تھا۔ یہ بقال جس کو چاہتا تھا۔ ملازم رکھتا تھا اور جس کو چاہتا تھا۔ شاہی ملازمت سے نکال باہر کرتا تھا۔ غرضیکہ اس بقال کا زور اتنا بڑھا کہ بڑے بڑے اُمراء اس سے گھبرانے لگے۔

راجپوتوں سے سیدوں کی ساز باز

بہادر شاہ کے زمانہ میں راجہ جیت سنگھ اور راجپوتوں نے جو شورش برپا کی تھی اسے بہادر شاہ مرحوم اس لئے پوری طرح نہ دبا سکا تھا۔ چونکہ اسی زمانہ میں سکھوں نے پنجاب میں فتنہ برپا کر رکھا تھا۔ اور بہادر شاہ 1121ھ (1710ء) میں راجہ اجیت سنگھ اور راجپوتوں سے صلح کرنے کے بعد سکھوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن دو سال کے بعد جب وہ مر گیا تو راجپوت پھر شیر ہو گئے۔ چنانچہ جہاندار شاہ کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی انھوں نے پھر مسجدوں کو ڈھانا اور مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ جہاندار شاہ کے بعد جب فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو اس نے امیر الامرا سید حسین علی کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ راجہ اجیت سنگھ اور راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لیکن بادشاہ اور سیدوں میں چونکہ عناد بڑھ چکا تھا۔ اس لئے سید حسین علی نے بجائے اس کے راجپوتوں کو ان کی گذشتہ کوتاہیوں کی سزا دیتا اس نے راجپوتوں کے کہنے پر نہایت نرم شرائط پر صلح کر لی۔ اور اپنے بھائی سید عبداللہ قطب الملک کے طلب کرنے پر فوراً دہلی واپس چلا گیا۔

دکن میں مرہٹوں کا نیا فتنہ

ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ بادشاہ فرخ سیر نے قلیج خاں کو نظام الملک فتح جنگ کا خطاب

اور دکن کی صوبیداری عطا کر دی تھی۔ چنانچہ نظام الملک فتح جنگ میں جب دکن پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مرہٹوں نے بری طرح طوفان برپا کر رکھا ہے۔ انھوں نے بادشاہ کی منظوری کے بغیر چوتھ (مالگذاری کا چوتھائی حصہ) بالجبر رعایا سے وصول کرنا شروع کر دیا ہے لیکن نظام الملک کے پہنچتے ہی دکن کی ساری شورش دب گئی۔ مرہٹوں نے چوتھ وصول کرنا بند کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نظام الملک عالمگیر کے اس مشہور سپہ سالار فیروز جنگ کا بیٹا تھا۔ جس کی تلوار کی دھاک سارے دکن پر بیٹھی ہوئی تھی۔

راجہ ساہو اور راجہ رام کی بیوہ تارابائی نے اورنگ آباد کے مضافات میں بڑا طوفان برپا کر رکھا تھا۔ لیکن جونہی نظام الملک فتح جنگ اورنگ آباد پہنچا تو خونریزی کے بغیر ہی یہ دونوں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ فتنہ پردازوں کو زیر کرنے کے بعد نظام الملک نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ دکن کے ان تمام علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ جہاں مرہٹوں کا زور بڑھ گیا تھا۔ مرہٹہ عمال کو نکالا اور ان کی جگہ اپنے آدمی مقرر کئے۔ مرہٹوں کو کسی ایک مقام پر بھی نظام الملک سے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن جونہی نظام الملک اورنگ آباد واپس آیا تو مرہٹوں نے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور جا بجا لوٹ مار کرنے لگے۔ لیکن نظام الملک نے فوراً ہی شورش زدہ علاقوں میں فوج بھیج کر پھر مرہٹوں کو دبا دیا۔

نظام الملک 1125ھ (1714ء) میں اورنگ آباد سے دہلی واپس آیا تو بادشاہ نے اس کی جگہ امیر الامرا سید حسین علی کو دکن بھیج دیا۔ وہاں ایک دوسرے مغل سردار داؤد خاں سے امیر الامرا کی ایسی چھڑی کہ آپس میں جنگ تک کی نوبت آ گئی۔ اس جنگ میں داؤد خاں مارا گیا۔ امیر الامرا سید حسین علی چونکہ بادشاہ کا مخالف ہو گیا تھا۔ اس لئے دکن کا انتظام قبضہ میں لیتے ہی اس نے مرہٹوں کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ تاکہ وقت ضرورت مرہٹہ فوج کو بادشاہ کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ سید حسین علی نے بادشاہ کی مخالفت اور مرہٹوں کی خوشامد میں مرہٹوں کو دکن میں چوتھ تک وصول کرنے کے حقوق دیدیئے۔

بندہ بیراگی کی گرفتاری اور قتل

فرخ سیر کے دورِ حکومت کا سب سے اہم واقعہ بندہ بیراگی کی گرفتاری اور سکھوں کی سرکوبی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ بہادر شاہ کے دورِ حکومت میں سکھوں نے پنجاب کے بعض علاقوں میں بری طرح قتل عام کیا تھا۔ اور بقول مشہور مورخ خافی خاں۔ "سکھوں کا ظلم یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچے تک نکال لئے تھے۔ اور ان کو ذبح

کرڈالا تھا۔ مسجدوں اور مقبروں کو ڈھادیا تھا۔ عورتوں کی بری طرح بے آبروئی کی تھی۔" لیکن بہادر شاہ نے جب لشکر کشی کی تو یہ فتنہ عارضی طور پر دب تو گیا تھا مگر فتنہ کی جڑ بندہ بیراگی ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ چنانچہ بہادر شاہ کے مرنے کے بعد بھی بندہ بیراگی کی شرارتیں برابر جاری رہیں۔

سکھوں نے گورداس پور کو اپنا قلعہ بنالیا تھا اور یہ برابر لاہور، سرہند اور پنجاب کے اکثر مقامات کو لوٹتے رہتے تھے۔ فرخ سیر کو جب سکھوں کی اس فتنہ پردازی کا علم ہوا تو اس نے ان کی شورش کو دبانے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ جس کا بندہ بیراگی کے لشکر سے شدید مقابلہ ہوا۔ لیکن سکھ مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ میں محصور ہو گئے۔

مغل سردار عبدالصمد خاں نے قلعہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر کے ایسا اچھا انتظام کیا کہ سکھ بھوکے مرنے لگے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ بندہ بیراگی مع اپنے آٹھ سات برس کے لڑکے کے اور اپنے دیوان اور تین چار ہزار فاقہ سے بچے ہوئے نیم بسمل سکھوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکل آیا اور مقابلہ کیا۔ دو تین ہزار سکھ مارے گئے۔ باقی سکھ اور بندہ بیراگی شکست کھانے کے بعد 1127ھ (1712ء) میں گرفتار ہو گئے۔

بندہ بیراگی اور سکھوں کو جب گرفتار کر کے اونٹوں پر بٹھا کر لے چلے تو ان کے خلاف عوام میں اس قدر ناراضگی تھی کہ راہگیروں نے ان پر حملے شروع کر دیے۔ آخر سکھوں کو گدھوں اور گھوڑوں کی جھولوں میں چھپا کر بڑی مشکل سے دہلی لایا گیا۔

بادشاہ فرخ سیر کے حکم سے بندہ بیراگی اور سکھ قیدیوں کو دہلی کے بازاروں میں گشت کرایا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ چونکہ سکھوں نے ہندو اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کئے ہیں۔ اس لئے عوام کی تسلی اور عبرت کے لئے دو تین سو سکھ کو توالی اور دریبہ کے بازاروں میں روزانہ قتل کئے جائیں۔ اس حکم کے بعد بندہ بیراگی کے بیٹے کو اور خود بندہ بیراگی کو منظر عام پر قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کا سکھوں پر ایسا اثر پڑا کہ وہ بہت زمانہ تک سر نہ اٹھا سکے۔

سیدوں اور مرہٹوں کے ہاتھوں فرخ سیر کا قتل

سیدوں یعنی سید عبداللہ سید حسین علی اور بادشاہ میں بری طرح شکر رنجی پیدا ہو چکی تھی۔ سید چاہتے تھے کہ سارا انتظام حکومت ان دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں رہے۔ اور بادشاہ فرخ سیر اس فکر میں تھا کہ موقعہ ملتے ہی ان دونوں سید بھائیوں کو ٹھکانے لگا دے چنانچہ جب سید حسین علی کو دکن بھیجا گیا تھا۔ تو بادشاہ نے درپردہ مغل سردار داؤد خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ دکن میں اس سید کا

کام تمام کردے مگر اس سازش میں اُلٹی داؤد خاں کی جان گئی۔

سیدوں سے بادشاہ اس لئے اور بھی برگشتہ ہو گیا تھا کیونکہ سید حسین علی نے دکن پہنچنے کے بعد نہ صرف وہاں کے نظام کو برباد کر دیا تھا۔ بلکہ مرہٹوں سے ذلت آمیز شرائط پر صلح کر کے ان کو مغلیہ حکومت کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا دیا تھا اور اس طرح اورنگزیب کی مرہٹوں کی سرکوبی کی 26 سالہ کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ سیدوں کی ان ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بادشاہ کو سیدوں سے ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ بادشاہ نے سید عبداللہ قطب الملک کا نہ صرف سارا اقتدار ختم کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی جان تک خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے سید عبداللہ کی جگہ اعتقاد خاں کو عہدہ وزارت سپرد کر دیا تھا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو سید عبداللہ نے بھائی کو دکن میں تمام حالات سے مطلع کرنے کے بعد دہلی طلب کر لیا۔

سید حسین علی مرہٹوں کا ایک بڑا لشکر لے کر بادشاہ سے انتقام لینے کیلئے دکن سے دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ اجین میں دونوں بھائیوں میں کچھ مشورے ہوئے۔ ان مشوروں کے بعد سید حسین علی اپنے لشکر کو لئے ہوئے دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ ادھر دوسرے بھائی کا لشکر بھی بادشاہ کے خلاف تیار تھا۔ بادشاہ نے یہ کیفیت دیکھی تو سیدوں سے صلح ہو گئی۔ اور بادشاہ صلح کے بعد قلعہ میں چلا گیا۔

صلح کے باوجود سید علی کی مرہٹہ فوج رات بھر دہلی کے گلی کوچوں پر مسلط رہی۔ آخر صبح ہوتے ہی یہ افواہ اُڑا دی کہ بادشاہ نے سید عبداللہ کو قتل کرا دیا ہے۔ اس افواہ کا اڑانا تھا کہ مرہٹے جو انتظار ہی میں تھے انھوں نے لوٹ مار اور غارتگری شروع کر دی۔ بس پھر کیا تھا تھوڑی دیر میں سیدوں کی فوج کا 1131 ہجری (1719ء) میں شاہی قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ فرخ سیر گرفتار ہو گیا۔ اسے زبردستی قلعہ سے نکال کر گھسیٹتے ہوئے باہر لایا گیا اور اندھا کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اس بادشاہ نے کل چھ سال حکومت کی۔ سیدوں ہی نے اسے تخت دلایا تھا اور انہی کے ہاتھوں اسے قید ہونا پڑا۔

فرخ سیر کی اس تباہی اور بربادی میں سیدوں کے علاوہ بادشاہ کے خسر راجہ اجیت سنگھ والیٔ جودھپور کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا دو سال ہوئے بادشاہ نے اس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ لیکن راجہ نے اس رشتہ کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے سیدوں کا ساتھ دیا۔ اور بادشاہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈلوا دیا۔

سیدوں کی بدولت مرہٹوں کا اقتدار

سیدوں نے مرہٹوں کی مدد سے صرف مغل بادشاہ فرخ سیر ہی کو ختم نہیں کرا دیا بلکہ انھوں نے مرہٹوں سے سازش کر کے ان مرہٹوں میں از سر نو زندگی اور روح پیدا کر دی تھی جن کو اورنگزیب

نے بالکل ختم کر دیا تھا۔ اورنگ زیب کے مرنے کے بعد جب دوبارہ انھوں نے سر اٹھایا تھا تو فرخ سیر نے قلیج خاں گورنر دکن کے ذریعہ ان کی ایسی سرکوبی کی تھی کہ مرہٹوں کا سارا باغیانہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ لیکن قلیج خاں کی بجائے جب سید حسین علی کو 1125ھ (1714ء) میں دکن کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس سید نے محض اس لئے مرہٹوں سے ساز باز کر لی کیونکہ وہ مرہٹہ فوج کے ذریعہ دہلی کی مرکزی حکومت پر اپنا اقتدار اور دباؤ قائم رکھنے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ اس نے حکومت مغلیہ کے ساتھ غداری کرتے ہوئے دکن میں مرہٹوں کو چوتھ وصول کرنے کا حق دیدیا۔ اس چوتھ کی بے اندازہ رقم سے نئے سرے سے مرہٹوں میں جان پڑ گئی۔ اور مرہٹہ حکومت کے وزیر بالا جی بشوا ناتھ نے اتنی طاقت اور قوت پکڑ لی کہ اس نے آگے چل کر مرہٹوں کے راجہ ہی کا نہیں بلکہ مہاراجہ کا درجہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ بالا جی بشوا ناتھ ہی کی فوج کی مدد سے سید حسین علی دہلی پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد فرخ سیر کو گرفتار اور اندھا کر کے قید خانہ میں ڈلوا دیا تھا۔ غرضیکہ اس واقعہ کے بعد سے مرہٹوں کا وہ عروج شروع ہو گیا تھا۔ جس نے آگے چل کر مغلیہ حکومت کو سخت نقصان پہنچایا۔

شمس الدین ابوالبرکات کی تخت نشینی

سیدوں اور مرہٹوں کے ہاتھوں فرخ سیر پر ظلم کی بنا پر نہ صرف قلعہ میں بلکہ ساری دہلی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے سیدوں کے خلاف لعنت وملامت کے نعرے بلند ہونے لگے ۔ اب سیدوں کو نئے کٹھ پتلی بادشاہ کی ضرورت ہوئی ۔ لہٰذا انھوں نے یکم ربیع الثانی 1131ھ (1719ء) کو شہزادہ شمس الدین ابوالبرکات کو قید خانہ سے نکال کر دہلی کے تخت پر بٹھادیا۔ شمس الدین ابوالبرکات شہزادہ رفیع الشان کا بیٹا اور بہادر شاہ اوّل کا پوتا تھا۔ قید خانہ میں پڑے پڑے اسے دِق کا مرض ہو گیا تھا۔ غرضیکہ سیدوں نے اس مدقوق کو جس کی عمر بیس سال تھی دہلی کا بادشاہ بنادیا۔ اس کے پردہ میں یہ خود ہندوستان کے بادشاہ بن بیٹھے۔

سابق بادشاہ فرخ سیر کو قید میں دو مرتبہ زہر دیا گیا مگر وہ دونوں مرتبہ بچ گیا تو اسے زدوکوب کر کے سیدوں نے قید خانہ میں ختم کرا دیا۔ سیر کا جنازہ جب شہر سے ہمایوں کے مقبرہ کی جانب روانہ ہوا تو عوام میں غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا بادشاہی عہدہ داروں پر پتھر پھینکے گئے ۔ سیدوں کو کھلے بندوں گالیاں دی گئیں اور سیدوں کے خلاف باقاعدہ جلسے منعقد کئے گئے ۔ مرحوم بادشاہ کے خسر راجہ اجیت سنگھ سے پبلک اس قدر برگشتہ ہوگئی کہ اس کا محل سے نکلنا دوبھر ہو گیا اور معاملہ اس حد تک بڑھا کہ لوگوں نے بہادر شاہ کے ایک دوسرے پوتے نیکو سیر کو آگرہ کے تخت پر بٹھادیا۔

نام نام نہاد بادشاہ شمس الدین ابوالبرکات جو پہلے ہی نیم مردہ تھا جب ان سیاسی ہنگاموں سے قریب المرگ ہو گیا تو اس نے سیدوں سے کہا کہ مجھے بادشاہی سے سبکدوش کر دو اور میری جگہ میرے بڑے بھائی رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھا دو۔

رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی کی تخت نشینی

نام نہاد باشاہ شمس الدین ابوالبرکات کی خواہش کے مطابق بتاریخ 2 رجب 1131ھ 1719ء رفیع الدولہ کو شاہجہاں ثانی کے لقب کے ساتھ دہلی کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ رفیع الدولہ کو تخت پر بیٹھے ہوئے تین ہی دن ہوئے تھے کہ سابق بادشاہ شمس الدین ابوالبرکات تین ماہ کی حکومت کے بعد اس دنیا سے رحلت کر گیا۔ رفیع الدولہ نام کا بادشاہ تھا۔ حقیقت میں وہ سیدوں کا قیدی تھا۔ سیدوں کی اجازت کے بغیر نہ وہ کہیں جا سکتا تھا نہ کسی سے مل سکتا تھا۔ اور نہ کسی سے بات کر سکتا تھا۔

نئے کٹھ پتلی بادشاہ کو تخت پر بٹھانے کے بعد سید عبداللہ اور سید حسین علی کو آگرہ کے بادشاہ نیکو سیر کو گرفتار کرنے کی فکر ہوئی۔ قطب الملک سید عبداللہ اس لئے اور بھی تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کیونکہ راجہ جے سنگھ اور بہت سے راجپوت سردار نیکو سیر کے معاون بن گئے تھے۔ چنانچہ سید عبداللہ راجہ اجیت سنگھ کو ساتھ لے کر نیکو سیر کے مقابلہ کے لئے چلا۔ آگرہ اور دہلی کے لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔

راجہ جے سنگھ نے جب دیکھا کہ آگرہ والے بادشاہ کا پہلو کمزور ہے تو اس نے بھی سیدوں سے معافی طلب کر لی۔ اور نیکو سیر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ نیکو سیر کو شکست ہوئی وہ اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے۔ نیکو سیر کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور اس کے ساتھی قتل کر دیئے گئے۔

آگرہ کے قلعہ کا خزانہ اور وہ تمام نایاب جواہرات اور قیمتی سامان سیدوں کی عنایت سے لٹ گیا۔ جو صدیوں سے اس قلعہ میں جمع ہو رہا تھا اور نوادرات میں سے تھا۔ ان ہی نوادرات میں سے ملکہ ممتاز محل کی قبر کے لئے موتیوں کی وہ چادر تھی جو شاہجہاں نے تیار کرائی تھی۔

رفیع الدولہ جو پہلے ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس زمانہ میں سخت بیمار ہو گیا۔ اور تین مہینے چند روز کی حکومت کے بعد مر گیا۔ اس کے مرنے سے پہلے ہی سیدوں کو نئے کٹ پتلی بادشاہ کی فکر ہو گئی۔ اور انھوں نے بہادر شاہ کے ایک اور پوتے روشن اختر کو سلیم گڑھ کے قلعہ کی قید سے نکال کر تخت پر بٹھانے کے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔

روشن اختر محمد شاہ کی تخت نشینی

رفیع الدولہ کے مرنے کے دس دن بعد تک اس کو پوشیدہ رکھا گیا۔ دس دن کے بعد جب 15 ذیقعد 1131ھ (1719ء) کو روشن اختر محمد شاہ کی تخت نشینی کی رسم فتحپور میں انجام پا گئی تو لوگوں کو رفیع الدولہ کی موت کا علم ہوا۔

روشن اختر محمد شاہ بہادر شاہ کا پوتا اور شہزادہ خجستہ اختر جہاں شاہ کا بیٹا تھا جو مدت سے قلعہ سلیم گڑھ میں مقید تھا۔ محمد شاہ کی ماں نواب قدسیہ بیگم بھی اسی کے ساتھ قید تھی۔ جب سیدوں نے روشن اختر کو بادشاہی پیش کی تو ماں نے شدید مخالفت کرتے ہوئے ان سے التجا کی کہ خدا کے لئے اس یتیم کو بے فائدہ قتل نہ کراؤ۔ لیکن بعد میں وہ راضی ہو گئی۔ شہزادہ روشن اختر محمد شاہ جس وقت تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ نہایت خوبصورت اور تندرست نوجوان تھا۔ یہ شہزدہ قید خانہ سے نکل کر تخت شاہی پر تو ضرور بیٹھ گیا تھا۔ مگر اب وہ سیدوں کی قید میں تھا۔ سیدوں کی مرضی کے خلاف وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔

محمد شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد میر جملہ کو صدارت کا عہدہ دیا گیا سیدوں کا آوردہ رتن چند بقال تمام ملکی۔ مالی اور شرعی معاملات میں مختار مطلق کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ قاضیوں کا تقرر بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔ غرضیکہ محمد شاہ کے ابتدائی دور میں اصل بادشاہ تو سید عبداللہ اور حسین علی تھے۔ اور وزیر رتن چند حکومت کا بالکل مالک و مختار تھا۔ محمد شاہ تو صرف نام کا بادشاہ تھا۔

سیدوں کی نظام الملک سے دشمنی

نظام الملک فتح جنگ نے باوجود کہ سیدوں کی ''بادشاہ گردی'' میں کسی قسم کا رخنہ پیدا نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی سید یہ سمجھتے تھے کہ نظام الملک ان کی حرکتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اور کسی وقت بھی وہ سیدوں کے اقتدار کے لئے ایک زبردست خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ نظام الملک فتح جنگ (قلیج خاں) اورنگزیب کے مشہور سپہ سالار فیروز جنگ کا بیٹا تھا۔ یہ وہی لائق فوجی افسر تھا۔ جس کو فرخ سیر نے دکن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور جس کے پہنچنے کے بعد دکن میں مرہٹوں کی ساری شورش دب گئی تھی۔ نظام الملک فتح جنگ چونکہ حکومت کا پرانا اور خاندانی خدمت گذار تھا۔ اس لئے سب کی نظروں میں اس کی بڑی عزت تھی۔

سیدوں کو یہ چیز بھی ناگوار گزرتی تھی کہ تمام اُمرائے سلطنت نظام الملک کو اپنا رہنما اور پیشوا

سمجھتے تھے۔ اور اس کے ہر حکم پر گردن جھکانے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ عوام پر بھی نظام الملک کی شجاعت اور خلوص کا بے حد اثر تھا۔ اس لئے سید چاہتے تھے کہ جتنی جلد بھی ممکن ہو نظام الملک کا خاتمہ کر دیا جائے۔

نظام الملک بھی سیدوں کے منصوبوں سے خوب واقف تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کی ماں قدسیہ بیگم نے بھی نظام الملک کو سیدوں کے خراب منصوبوں سے مطلع کرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو نوعمر بادشاہ کو سیدوں کے فتنہ سے بچایا جائے۔ چنانچہ نظام الملک سیدوں کی نقل و حرکت کو بڑی گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔

نظام الملک اور سیدوں میں جنگ

سیدوں نے نظام الملک کے خلاف سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اسے مالوہ کا صوبیدار بنا کر بادشاہ سے دور کر دیا۔ جب نظام الملک مالوہ پہنچ گیا تو اس پر طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے علاوہ یہ انتظام کیا گیا کہ ایک طرف سے دکن کی فوج جو سیدوں کے متنبی بھتیجے عالم علی کے قبضہ میں تھی نظام الملک پر حملہ کرے اور دوسری طرف سید دلاور خاں کی سرکردگی میں راجپوتانہ میں ایک بڑا لشکر متعین کر دیا گیا۔ تاکہ ان دونوں فوجوں کے درمیان پس کر نظام الملک اور اس کا لشکر ختم ہو جائے اور سیدوں کا سب سے بڑا مدمقابل راستہ سے ہٹ جائے۔

نظام الملک جو ایک نہایت ہی لائق سپہ سالار تھا۔ اس نے مالوہ پہنچتے کے ساتھ ہی اپنی فوجی طاقت کو بے حد بڑھالیا تھا۔ چنانچہ جب اس کے خلاف سیدوں کی یہ شورش کھڑی ہوئی تو اس نے سب سے پہلے تو دلاور خاں کے اس لشکر کا صفایا کر دیا۔ جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار سید، راجپوت اور مرہٹہ سردار تھے۔ اس کے بعد وہ دکن کی جانب بڑھا تو دکن کا نائب صوبیدار اور سیدوں کا بھتیجا عالم علی بھی نظام الملک کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ چنانچہ نظام الملک نے دکن کے بیشتر حصہ پر قبضہ جمالیا۔

بادشاہ اور اُمرائے سلطنت کو تو نظام الملک کی فتح اور کامرانی سے بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن سید عبداللہ اور سید حسین جو آگرہ میں تھے۔ دلاور کی موت اور عالم علی کی شکست کو سن کر حواس باختہ ہو گئے۔ اور یہ طے کیا گیا کہ سید عبداللہ تو دہلی جا کر حکومت کا انتظام کرے اور سید حسین علی بادشاہ کو ساتھ لے جا کر دکن میں نظام الملک کے مقابلہ پر جنگ آزما ہو۔

سیدوں کے اقتدار کا خاتمہ

اس تجویز کے مطابق سید عبداللہ تو فوراً آگرہ سے دہلی کی جانب روانہ ہوگیا اور سید حسین علی محمد شاہ بادشاہ کے ساتھ آگرہ سے دکن جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اچانک ایک من چلے نے عرضی پیش کرنے کے بہانہ سے سید حسین علی کی پالکی کے قریب آکر اس کا خنجر سے کام تمام کر دیا۔ سید عبداللہ جو ابھی راستہ ہی میں تھا۔ جب اسے چھوٹے بھائی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ اب سیدوں کا اقتدار ختم ہوگیا۔ لیکن اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔ اور دہلی پہنچتے کے ساتھ ہی مقابلہ کے لئے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔

ادھر آگرہ میں یہ حالت تھی کہ سیدوں کے لشکر کے سپاہی سیدوں کا ساتھ چھوڑ کر بادشاہ کے زیر سایہ جمع ہوگئے۔ بادشاہ اس زمانہ میں آگرہ ہی میں تھا۔ عوام نے مشتعل ہوکر سیدوں کے مکانات کو لوٹ لیا جس میں تقریباً ایک کروڑ کا سامان تھا۔ اور سیدوں کے دیوان رتن چند کی پالکی کو بازار میں پبلک نے گھیر لیا۔ اسے پالکی سے اتار کر خوب زدوکوب کیا۔ اور مادر زاد برہنہ کر کے بازار میں چھوڑ دیا جب سرکاری آدمی اسے اسی حالت میں اعتماد الدولہ کے پاس لائے تو اعتماد الدولہ نے اس کو کپڑے پہننے کے لئے دیے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی رتن چند کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بھی پہنادیں۔

رائے سردمن داس جو سیدوں کا وکیل تھا اسے عوام نے لوٹ کر مفلس اور قلاش بنا دیا۔ اس کے علاوہ جب سید حسین علی اور اس کے چند ساتھیوں کی میتیں جو زربفت کے کفن میں لپٹی ہوئی تھیں۔ نماز جنازہ کے بعد اجمیر میں دفن ہونے کے لئے روانہ ہوئیں تو ہجوم نے ان میتوں پر حملہ کر کے ان کا کفن تک اتار لیا آخر کار ان میتوں کو فوجی پہرہ میں بھیج کر اجمیر میں دفن کرایا گیا۔

بادشاہ کو جب ان ہنگاموں سے فرصت ملی تو اس نے وفا شعاروں کو نئے نئے منصب اور عہدے عطا کئے۔ اور اس کے بعد دہلی پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کیں۔ کیونکہ سید عبداللہ نے دہلی پہنچنے کے بعد ایک نئے مغل شہزادے محمد ابراہیم کو ابوالفتح ظہیر الدین محمد ابراہیم کے لقب کے ساتھ دہلی کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔

ایک طرف آگرہ سے فوجیں بڑھیں اور دوسری جانب سید عبداللہ اپنا لشکر لے کر آگرہ کی طرف چلا۔ چنانچہ 1133ھ (1721ء) میں آگرہ اور دہلی کے درمیان ان دونوں فوجوں کا

مقابلہ ہوا۔ سید عبداللہ کی فوج باوجود کہ شاہی لشکر سے دوگنی تھی۔ مگر اسے شکست ہوگئی۔ سید عبداللہ گرفتار ہوگیا۔ دہلی میں جب سید عبداللہ کی گرفتاری کی اطلاع پہنچی تو گھر گھر شادیانے بجنے لگے۔ اور عوام نے سیدوں کی ساری املاک و جائداد لوٹ لی۔ سید عبداللہ کو قید کردیا گیا۔ اور وہ قید خانہ ہی میں مرگیا۔ اس کی تمام جاگیر اور جائیداد بحق سرکار پہلے ہی ضبط ہو چکی تھی۔

نظام الملک آصف جاہ کی وزارت

سیدوں کے پنجہ سے نجات پانے کے بعد محمد شاہ دہلی آیا۔ اور راجہ اجیت سنگھ والیٔ جودھپور کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ راجہ اجیت سنگھ نے سیدوں کے فتنہ سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے بغاوت برپا کردی تھی۔ اور مسلمانوں پر بے حد ظلم وستم کیا تھا۔ لیکن جب اس کے خلاف فوج کشی کی گئی۔ اور اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظام الملک آرہا ہے تو اس نے معافی مانگ لی۔

نظام الملک کو بادشاہ برابر طلب کررہا تھا۔ جب نظام الملک آیا تو اس کی بڑی عزت کی گئی۔ 5 جمادی الثانی 1134ھ (1722ء) کو بادشاہ نے اس کو قلمدانِ وزارت سپرد کردیا۔ اور آصف جاہ کا خطاب دیا۔ نظام الملک کو وزارت ملنے کے بعد یہ توقع کی جارہی تھی کہ شائد مغلوں کی گرتی ہوئی حکومت پھر سنبھل جائے۔ لیکن چند اسباب ایسے تھے کہ نظام الملک بھی کوئی اصلاح نہ کرسکا۔

پہلی وجہ تو یہ تھی کہ بادشاہ بری طرح سے عشرت پسندی میں مبتلا تھا۔ اسے عیش وعشرت کے سوا حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دوسرے بادشاہ کے گرد امرائے سلطنت ایسے جمع تھے جو ذاتی اغراض کے لئے نوجوان بادشاہ کے کان بھرتے رہتے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نظام الملک نے یہ سمجھ لیا کہ دربار میں رہنا اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈالنے کے ہم معنی ہیں۔ لہٰذا وہ دکن جانے کے لئے موقعہ تلاش کرنے لگا۔

نظام الملک آصف جاہ کی دکن میں خودمختاری

نظام کو دکن کے علاوہ احمد آباد کی بھی صوبیداری ملی ہوئی تھی۔ اور مالوہ کا انتظام بھی نظام الملک ہی کے سپرد تھا۔ جب نظام کو اطلاع ملی کہ مالوہ اور احمد آباد میں مرہٹوں کا زور بے حد بڑھ گیا ہے۔ اور انھوں نے وہاں شورش برپا کررکھی ہے۔ تو اس نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے بادشاہ سے ان صوبوں کے انتظامات کے لئے رخصت حاصل کرلی۔ چنانچہ نظام الملک جونہی دہلی سے اجین پہنچا تو مرہٹے فرار ہوکر دکن چلے گئے۔

نظام الملک جب اجین سے دکن پہنچا تو اسے بعض پرانے فتنہ پردازوں سے جو سیدوں کے

زمانہ کے تھے جنگ کرنی پڑی اور ان کو شکست دینے کے بعد اس نے دکن کا ایسا اچھا انتظام کیا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ غرضیکہ نظام الملک آصف جاہ دکن پر پوری طرح قابو پانے کے بعد تقریباً خودمختار ہو گیا۔

پیشواؤں کے دور میں مرہٹوں کا عروج

اورنگ زیب نے مرہٹوں کو بالکل کچل کر رکھ دیا تھا۔ بہادر شاہ اوّل کے دورِ حکومت میں مرہٹے زیادہ سر نہ اُٹھا سکے تھے۔ لیکن بہادر شاہ کے مرنے پر مغلیہ حکومت میں جب ابتری پھیلی تو مرہٹوں کو موقع مل گیا۔ اور انھوں نے دکن میں بہت زیادہ زور پکڑ لیا۔ اس کے بعد جب مغل بادشاہ سیدوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے تو مرہٹوں نے سیدوں کے ساتھ ساز باز کر کے وہ تمام علاقے دوبارہ حاصل کر لئے جو کسی زمانہ میں سیواجی اور سمبھاجی کے قبضہ میں تھے۔
فرخ سیر کے دورِ حکومت میں امیر الامرا سید حسین علی نے محض مرہٹوں کی خوشامد میں بادشاہ کی مرضی کے بغیر مرہٹوں سے یہ شرائط طے کر لی تھیں کہ سیواجی اور سمبھاجی کا سارا ملک راجہ ساہو کے پاس رہے گا۔ اس کے علاوہ دکن کے چھ بادشاہی صوبوں میں سے ترچنا پلی۔ تنجور اور میسور سے مرہٹوں کو چوتھ (چوتھائی مالگذاری) اور سردیس مکھی (مالگذاری کا دسواں حصہ) لینے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے عوض میں راجہ ساہو کو دس لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنا ہوگا اور بادشاہ کا مطیع رہے گا۔ گویا سیدوں کی عنایت سے اور مغل بادشاہ کی کمزوری سے مرہٹے نہ صرف اپنے سابقہ علاقوں پر قابض ہو گئے تھے۔ بلکہ وہ دکن میں بادشاہی علاقہ کی چوتھائی اور دسویں حصہ کی آمدنی کے بھی حقدار بن گئے تھے۔

پیشوا کون تھے

تاریخ میں آگے چل کر کیونکہ بار بار پیشواؤں کا نام آئے گا۔ اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ پیشوا کون تھے اور ان کو کیونکہ اقتدار حاصل ہوا۔ اس تاریخ کے پڑھنے والے اس سے واقف ہی ہیں کہ سیواجی نے جو حکومت قائم کی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد سیواجی کا بیٹا سمبھاجی اس حکومت کے تخت پر بیٹھا جسے اورنگزیب کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔
اورنگزیب کے مرنے کے بعد جب اورنگ زیب کے منجھلے بیٹے شہزادہ اعظم نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا تو اس نے سمبھاجی کے بیٹے ساہو کو رہا کر کے اسے مغلوں کا ماتحت بنا کر بعض علاقوں میں حکومت کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ ساہو رہا ہونے کے بعد ستارہ کے تخت پر بیٹھ گیا

اور بہادر شاہ کے زمانہ تک اپنے آپ کو مغلوں کا ماتحت ظاہر کرتا رہا۔ لیکن بہادر شاہ کے مرنے کے بعد جب مغلیہ حکومت میں ابتری پیدا ہوئی تو یہ خود مختار بن گیا۔

یہ راجہ چونکہ نااہل اور عیش پسند تھا۔ اس لئے اس نے حکومت کا سارا کام اپنے برہمن وزیر بالاجی بشوانا تھ پیشوا کے سپرد کر دیا تھا لیکن بعد کو پیشوا کا عہدہ یعنی وزارت کا عہدہ موروثی ہو گیا۔ یہاں تک کہ تیسرا پیشوا مرہٹوں کا راجہ بن بیٹھا اور اس نے مرہٹہ راجاؤں کے جانشین کو پنشن دیکر گدی سے الگ کر دیا۔

پہلا پیشوا بالاجی بشوانا تھ

یہ 1126ھ (1714ء) سے لے کر 1122ھ (1720ء) تک پیشوا رہا۔ بالاجی ہی کے زمانہ میں مرہٹوں نے سید حسین علی سے دکن میں غیر معمولی حقوق حاصل کئے تھے۔ اور بالاجی کی مدد ہی سے فرخ سیر کو تخت سے اُتارا گیا تھا اور اندھا کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ اس نے ان حقوق سے خوب فائدہ اُٹھایا جو سید حسین علی کی سازش سے مغلوں سے حاصل کئے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک طرف مالگذاری کو خوب بڑھایا۔ اور دوسری جانب مرہٹہ حکومت کو ایک باقاعدہ اور نہایت مستحکم حکومت کی صورت دے دی۔

دوسرا پیشوا باجی راؤ پیشوا

بالاجی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ پیشوا 1133ھ (1720ء) میں ساہو کی مرہٹہ سلطنت کا وزیر ہوا تو وہ باپ سے بھی زیادہ لائق ثابت ہوا۔ اس نے راجہ ساہو کو مشورہ دیا کہ چونکہ مرہٹے ابتدا ہی سے لوٹ مار اور غارتگری کے عادی ہیں۔ اگر ان کو باقاعدہ فوج کی صورت میں اپنے ہی ملک میں رکھا گیا تو یہ اپنے گھر ہی میں لوٹ مار شروع کر دیں گے۔ لہٰذا ان کو لوٹ مار کے لئے کسی دوسرے ملک میں پہنچا دینا چاہئے۔ اور دوسرا ملک بادشاہی علاقہ سے بہتر اور کونسا ہو سکتا ہے کیونکہ نہ بادشاہی میں اب کوئی دم باقی ہے۔ اور نہ اُمراہی میں طاقت ہے۔ اگر مرہٹے بادشاہی ملک کو تاراج کریں گے تو روپیہ بھی ہاتھ آئے گا اور مرہٹوں کے حوصلے بھی بڑھیں گے۔

باجی راؤ پیشوا کے چار سردار

باجی راؤ پیشوا کے مرہٹہ سرداروں میں چار سرداروں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ چار سردار یہ تھے۔ رگھوجی بھونسلہ۔ پیلاجی گیکواڑ۔ ملہار راؤ ہلکر اور سندھیا۔ غرضیکہ مندرجہ بالا

تجویز کے مطابق باجی راؤ پیشوا نے ان چاروں سرداروں کو ملک کے مختلف حصّوں میں لوٹ مار اور غارتگری کے لئے آگے بڑھا دیا۔ ان کی غارتگری سے ملک کو کس قدر نقصان پہنچا۔ اس کا اندازہ آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ہوگا۔

باجی راؤ پیشوا کے اشارہ پر مرہٹوں نے سب سے پہلے گجرات کی جانب رُخ کیا۔ جہاں کا نائب صوبیدار حامد خاں پہلے ہی سے بادشاہ سے بگڑا بیٹھا تھا۔ مرہٹوں نے اس کے ساتھ ساز باز کرکے گجرات کو خوب لوٹا۔ یہ صوبہ بادشاہ نے نظام سے واپس لے لیا تھا۔ غرضیکہ گجرات میں مرہٹوں نے ایسی حالت پیدا کر دی کہ جو بھی شاہی صوبیدار آتا اسے منہ کی کھانی پڑتی۔

نظام الملک کی مرہٹوں سے دوستی

نظام الملک آصف جاہ جس نے کہ دکن میں اپنی خود مختار حکومت بنالی تھی۔ اس فکر میں تھا کہ مرہٹوں سے اس کی دوستی ہو جائے۔ تاکہ کم از کم اس کا ملک تو چوتھ اور سردیس مکھی کی ادائیگی سے بچ جائے۔ لیکن مرہٹے جن کی طاقت ضرورت سے زیادہ بڑھ چکی تھی وہ نظام سے کب دبنے والے تھے۔

نظام نے کبھی تو بادشاہ کا نمائندہ بن کر ان کو دھمکانا چاہا۔ کبھی راجہ ساہو کے دوسرے رقیب راجہ سمبھا دوم سے دوستانہ گانٹھا۔ کبھی مرہٹہ سرداروں کو راجہ ساہو اور پیشوا کے خلاف ابھارا لیکن نظام کی ایک بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر نظام کو راجہ ساہو کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور مجبوراً چوتھ اور سردیس مکھی کے سلسلہ میں دب کر مرہٹوں کے تمام مطالبات تسلیم کرنے پڑے لیکن بعد کو باجی راؤ پیشوا نے نظام الملک سے محض اسلئے صلح کر لی۔ کیونکہ باجی راؤ گجرات، مالوہ اور شمالی ہند پر مستقل قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹہ فوج تو دوسرے مورچوں پر اُلجھ جائے اور دکن کا میدان خالی دیکھ کر نظام الملک مرہٹوں کے مقبوضات پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دے۔ غرضیکہ نظام الملک اور مرہٹوں میں محض اس بنا پر دوستی ہوگئی کیونکہ مرہٹوں کو بے فکری کے ساتھ شاہی علاقوں کو لوٹنا اور فتح کرنا تھا۔ اور نظام کو اپنی جدید مملکت کی حفاظت مقصود تھی۔

گجرات اور مالوہ پر مرہٹوں کی یورش

نظام الملک آصف جاہ کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد مرہٹہ فوجوں نے گائیکوار کی مدد سے پہلے تو سارے گجرات پر تسلّط جمایا اور اس کے بعد مرہٹے مالوہ کی جانب بڑھے اور انھوں نے کسی دقت اور پریشانی کے بغیر پورے مالوہ پر قبضہ جمالیا۔ مرہٹوں کو دکن میں تو پہلے ہی سے اقتدار

حاصل تھا لیکن گجرات اور مالوہ کی فتح کے بعد جب ہندوستان کا ایک اور بڑا حصہ ان کے ہاتھ آ گیا تو وہ دہلی اور تمام ہندوستان پر حکومت کرنے کے منصوبے تیار کرنے لگے۔ مالوہ کے بعد ان کا الٰہ آباد اور آگرہ پر دانت تھا۔ لیکن شاہی فوجیں چونکہ آگرہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس لئے انھوں نے اپنی پیش قدمی روک دی۔

مرہٹے تو سارے ہندوستان کو فتح کرنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے لیکن محمد شاہ کے فوجی جرنیلوں کی حالت یہ تھی کہ جب بھی ان کو مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا جاتا تو وہ بغیر لڑے ہوئے واپس چلے آتے اور بادشاہ سے کہہ دیتے کہ مرہٹے فرار ہو گئے ہیں۔ غرضیکہ مغل حکومت فوجی اعتبار سے تقریباً مردہ ہو چکی تھی اور مغل بادشاہ کی حالت یہ تھی کہ اسے عشرت پسندی ہی سے فرصت نہ تھی۔

دہلی کے قریب مرہٹوں کی لوٹ مار

مرہٹوں کو جب یہ اطلاع ملی کہ دہلی خالی ہے۔ اور دہلی کی فوج مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے آگرہ گئی ہوئی ہے تو مرہٹے 1148ھ (1736ء) میں فوراً دہلی کے قریب تغلق آباد میں آدھمکے۔ انھوں نے ریواڑی اور پاٹودی کو خوب لوٹا۔ جب مرہٹے سر پر ہی آن پہنچے تو شاہی قلعے میں ہلچل مچ گئی۔ لیکن مرہٹے جن پر اب بھی بادشاہی رعب غالب تھا۔ انہیں دہلی کی جانب رُخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ دہلی کے نواحی علاقوں کو لوٹنے کے بعد مالوہ کی جانب چلے گئے حالانکہ اس وقت دہلی کی حکومت کی حالت یہ تھی کہ اگر مرہٹے دہلی میں داخل ہو جاتے تو چند گھنٹوں کے اندر مرہٹوں کا دہلی کے تخت پر قبضہ ہو جاتا۔ ہاں مرہٹوں کو دہلی تک آ جانے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مرہٹوں نے جب بادشاہ سے مالوہ اور گجرات کی حکومت کی سند طلب کی تو یہ سند نہایت خاموشی کے ساتھ مرہٹوں کو بھیج دی گئی۔

بادشاہ اگرچہ نظام الملک آصف جاہ کو مرہٹوں کے اس تمام فتنہ کا بانی خیال کرتا تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ نظام الملک نے اپنی جدید مملکت کو بچانے کی خاطر مرہٹوں کو شمالی ہندوستان کا راستہ دکھا دیا ہے۔ لیکن پھر بھی محمد شاہ اس کے لئے مجبور ہو گیا کہ وہ نظام الملک کو مرہٹوں کے مقابلہ میں اپنی مدد کے لئے بلائے ادھر نظام الملک بھی مرہٹوں کی کامیابیوں سے گھبرا رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اگر دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر کسی کی خیر نہیں۔ چنانچہ وہ بادشاہ کے بلاتے ہی مع اپنے لشکر کے دہلی پہنچ گیا۔ اور وہاں سے مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے مالوہ گیا۔ لیکن یا تو اسے مرہٹوں سے لڑنے کی

ہمت ہی نہ ہوئی۔ یا اس نے کسی سیاسی مصلحت اور سازش کی بنا پر لڑنا نہیں چاہا۔ غرضیکہ وہ لڑے بغیر دہلی واپس آ گیا۔ اور اپنے ہاتھ سے یہ عہد نامہ لکھ کر مرہٹوں کو دے آیا۔ کہ سارا مالوہ مرہٹوں کو دیدیا جائے۔ نظام الملک خود اس عہد نامہ کو لے کر بادشاہ کے دستخطوں کے لئے دہلی آیا۔ غرضیکہ مرہٹے محمد شاہ کی حکومت میں ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت بن گئے تھے اور اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی طاقت کو بڑھانے میں ایک طرف سیدوں اور دوسری طرف نظام الملک آصف جاہ کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کی عشرت پسندی اور مغلیہ حکومت کی کمزوری نے بھی ان کے حوصلے بڑھادئے تھے۔

ہندوستان پر نادر شاہ کا حملہ

شاہِ ایران نادر شاہ نے 1151ھ (1739ء) میں دہلی پر حملہ کر کے اور اسے لوٹ کر مغلیہ حکومت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا چنانچہ نادر شاہ کے حملہ کے بعد مغلیہ حکومت جسے مرہٹوں نے پہلے ہی تباہ کر دیا تھا۔ اس صدمہ کے بعد پھر کبھی نہ پنپ سکی۔

نادر شاہ جو ابتدا میں ایک لٹیرا تھا۔ اور بعد کو اپنی بے نظیر جنگی قابلیت کی بنا پر ایران کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اس نے ایران سے دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کو کئی خط بھیجے کہ وہ ایرانیوں کے دشمن افغانوں کو کابل سے نکال دے۔ کابل اس زمانہ میں مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ تھا۔ دہلی کا بادشاہ جو عشرت پسندیوں میں مست تھا۔ وہ افغانوں کو کابل سے تو کیا نکالتا۔ اس نے نادر شاہ کو ایک بے حقیقت انسان سمجھتے ہوئے اس کے خطوں کا جواب دینا بھی اپنی توہین سمجھا۔

نادر شاہ نے جب یہ دیکھا کہ اس کے دوستانہ خطوط کا جواب تک نہیں دیا جاتا تو اس نے حملہ کر کے قندہار اور کابل پر قبضہ کر لیا اور دہلی کی حکومت کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ جب کسی ذریعہ سے کابل و قندہار کی فتح کی خبریں دہلی پہنچیں تو بادشاہ نے دوستانہ پیغام دیکر دہلی کے بادشاہ کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے جن کو راستہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اور ان ایلچیوں کے قتل کی وجہ ہی سے نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا بعض مورخوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نظام الملک آصف جاہ اور برہان الملک سعادت خاں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مرہٹے ہندوستان کے مالک بنتے چلے جا رہے ہیں۔ نادر شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ بہر حال نادر شاہ خواہ کسی کے بلانے سے ہندوستان آیا ہو۔ یا ایلچیوں کے قتل کی بنا پر اور لوٹ مار کیلئے اس ملک میں وارد ہوا۔ وہ ہندوستان پہنچ گیا۔ اور اس نے 1151ھ (1739ء) میں پہلے جلال آباد کو لوٹا۔ پھر پشاور کو برباد کیا۔ اس کے بعد دریائے اٹک

پار کر کے سارے پنجاب پر ہاتھ صاف کیا۔ حاکم لاہور نے اسے روکنا چاہا مگر نادر شاہی فوجوں نے اسے شکست دیدی۔ غرضیکہ جب وہ دہلی سے سو کوس کے فاصلہ پر رہ گیا۔ تب کہیں بادشاہ کو اس کے آنے کی خبر ہوئی۔

نادر شاہی فوج اور مغل لشکر میں جنگ

محمد شاہ نے امیر الامراء اور برہان الملک سعادت خاں صوبیدار اودھ کو نادر شاہ کے مقابلہ پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ راجہ جے سنگھ اور دوسرے راجاؤں سے جب امداد کے لئے کہا گیا تو انھوں نے لیت و لعل کا رویہ اختیار کیا۔ بادشاہ نے نظام الملک آصف جاہ کو جب برہان الملک کی امداد کے لئے بھیجنا چاہا تو اس امیر نے بھی بہانہ کر کے معاملہ کو ٹال دیا۔ غرضیکہ بادشاہ کو فوجی امداد نہ مل سکی ادھر کرنال کے قریب شاہی لشکر اور نادر شاہ کے لشکر میں جنگ چھڑ گئی۔ ایران کی آزمودہ کار سپاہ کے سامنے آرام طلب بادشاہی فوج کی کیا حقیقت تھی۔ نادر شاہی لشکر نے دو گھنٹے کے اندر اندر شاہی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ امیر الامرا بری طرح زخمی ہوا۔ برہان الملک گرفتار ہو گیا۔ اور تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔

امیر الامرا نے زخموں کی تاب نہ لا کر عالم بیکسی میں جان دیدی۔ نادر شاہ نے برہان الملک کی تقصیر معاف کر دی اور اسے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ برہان الملک جو زمانہ دراز سے امیر الامرائی کے عہدہ کا متمنی تھا۔ امیر الامرا کے مرنے کے بعد اس نے سوچا کہ اگر میں بادشاہ کی نادر شاہ سے صلح کرادوں تو بجا طور پر اس عہدہ کا حقدار ہو سکتا ہوں چنانچہ اس نے نادر شاہ سے چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے دو کروڑ کے نذرانہ کے وعدہ پر آمادہ کر لیا۔ اور یہ طے پایا کہ دو کروڑ روپیہ ملنے کے بعد نادر شاہی لشکر آگے بڑھے بغیر اسی جگہ سے واپس چلا جائے گا۔ چنانچہ برہان الملک نے بادشاہ کو ساری کیفیت سے مطلع کر دیا۔

بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ ناگہانی مصیبت دو کروڑ روپیہ سے ٹل رہی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے فوراً نظام الملک آصف جاہ کو نادر شاہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ وہ اسے مطلع کر دے کہ بادشاہ دو کروڑ روپیہ پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ آصف جاہ برہان الملک کی وساطت سے نادر شاہ سے ملا۔ اور کہا کہ بادشاہ کو دو کروڑ کی شرط منظور ہے۔ نادر شاہ جسے پہلے ہی برہان الملک نے صلح کے لئے آمادہ کر لیا تھا۔ اس نے بادشاہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ نادر شاہ اور بادشاہ میں یہ صلح اگرچہ برہان الملک کی کوشش سے ہو رہی تھی۔ لیکن نظام الملک آصف جاہ نے واپسی پر بادشاہ

کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اس طرح واقعات بیان کیئے کہ بادشاہ کے یہ ذہن نشین ہو گیا کہ یہ صلح محض آصف جاہ کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے خوش ہو کر آصف جاہ کو امیر الامرا کی خلعت عنایت کر دی۔ اور برہان الملک کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔

دوسرے دن نادر شاہ کے بلانے پر جب محمد، نادر شاہ کے پاس گیا۔ تو نادر شاہ نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اور محمد شاہ سے وعدہ کیا کہ میں ہر موقعہ پر تمہاری مدد کروں گا۔ بادشاہ اس ملاقات کے بعد خوش خوش محل میں واپس آ گیا۔

دہلی میں نادر شاہ کی لوٹ اور قتل عام

تمام معاملات اگرچہ طے ہو گئے تھے۔ لیکن نظام الملک آصف جاہ نے چونکہ چالاکی سے صلح کا سہرا اپنے سر باندھ کر امیر الامرا کا منصب جھپٹ لیا تھا۔ اس لئے برہان الملک کو قدرتی طور پر آصف جاہ سے رقابت پیدا ہو گئی۔ اور اس نے اس صلح کو ختم کرنے کے لئے نادر شاہ کو کچھ ایسی پٹی پڑھائی کہ نادر شاہ کے یکا یک تیور بدل گئے۔ نادر شاہ نے فوراً بادشاہ کو طلب کیا۔ بادشاہ کو عزت کے ساتھ ایک خیمہ میں اُتارا اور حکم دیا کہ مستورات اور محل کے سارے عملہ کو بھی یہیں بلا لو۔ بادشاہ کو مجبوراً نادر شاہ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ اس کے بعد محل کے جملہ خزانوں اور مال و اسباب کا بادشاہ سے مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے اس کی بھی منظوری دیدی۔

نادر شاہ نے قلعہ کے قیمتی مال و اسباب اور خزانوں کو اپنے قبضہ میں کیا اس کے بعد بادشاہ اور نادر شاہ دونوں شاہی قلعہ میں آئے۔ نادر شاہ نے اپنے تمام لشکر کو محل شاہی کے چاروں طرف اور دہلی کے کوچہ و بازار میں متعین کر دیا اور ہدایت کر دی کہ ہرگز کوئی ایرانی سپاہی دست درازی نہ کرے۔ ورنہ سخت سزا دی جائے گی لیکن پھر بھی ہندوستانیوں اور ایرانیوں میں معمولی معمولی جھڑپیں ہوتی ہی رہیں۔

ان معمولی جھڑپوں نے اس وقت یکا یک ایک مستقل ہنگامہ کی صورت اختیار کر لی۔ جبکہ دہلی میں کسی نے یہ گپ اُڑا دی کہ محمد شاہ نے نادر شاہ کو محل میں بلا کر قتل کر دیا۔ اس گپ سے ایک طرف تو ہندوستانیوں میں جرأت بڑھ گئی۔ اور انھوں نے ایرانی سپاہیوں پر حملے کرنے شروع کر دیے۔ دوسری جانب ایرانی سپاہی اپنے آقا کی موت کی خبر سن کر آپے سے باہر ہو گئے۔

نادر شاہ کو جب پتہ چلا کہ اس کی موت کی گپ کی وجہ سے شہر میں ہنگامہ شروع ہو گیا ہے تو اس نے پہلے تو امن کے لئے پیغامات بھجوائے اس کے بعد خود سوار ہو کر شہر میں آیا تو عوام نے نادر شاہ

پر بھی سنگ باری شروع کر دی۔ پھر کیا تھا نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیدیا۔ خود تلوار سونت کر چاندنی چوک میں روشن الدولہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا ہندوستانیوں کے ذبح ہونے کا منظر دیکھتا رہا۔ شہر کی حالت یہ تھی کہ ہر مکان اور ہر کوچہ و بازار لٹ رہا تھا۔ عمارتوں کو آگ لگائی جا رہی تھی اور دہلی والے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے تھے۔

محمد شاہ کو جب دہلی کی اس تباہی کا علم ہوا تو وہ نظام الملک آصف جاہ اور قمر الدین خاں کو ساتھ لے کر نادر شاہ کے پاس پہنچا اور نادر شاہ سے کہا کہ خدارا میری رعایا کا قصور معاف فرمائیے۔ نادر شاہ نے بادشاہ کی درخواست منظور کرتے ہوئے فوراً خونریزی بند کرنے کا حکم دیدیا۔ اور اپنی تلوار میان کے اندر ڈال لی۔ نادر شاہ کا تلوار کو میان میں کرنا تھا کہ آن کی آن میں ایرانی سپاہیوں کی تلواریں بھی میان میں تھیں اور خونریزی بند ہوگئی۔ لیکن ہر طرف کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔ خیال ہے کہ اس قتل عام میں آٹھ سات سو ایرانی مارے گئے۔ اور ڈیڑھ لاکھ کے قریب دہلی کے باشندے قتل ہوئے۔

جب شہر میں امن و امان قائم ہوگیا تو محمد شاہ کی بیٹی کی شادی نادر شاہ کے بیٹے نصر اللہ مرزا سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ کی گئی۔ جامع مسجد دہلی میں نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ایک عہد نامہ مرتب ہوا۔ جس کی رُو سے دریائے سندھ کے پار کا سارا علاقہ نادر شاہ کو دیدیا گیا۔ نادر شاہ دہلی میں 58 دن رہا اور جب دہلی سے روانہ ہوا تو پندرہ بیس کروڑ کی مالیت کے جواہرات، سونے چاندی کے ظروف، اشرفیاں اور نقد روپیہ اور تخت طاؤس اپنے ساتھ لے گیا۔ اور دہلی کو ایسا ویران کر گیا کہ وہ زمانہ دراز تک اپنی اصلی حالت پر نہ آسکی۔

نادر شاہ کے حملہ کے بعد ملک کی حالت

حکومت مغلیہ جو پہلے ہی زوال پذیر تھی نادر شاہ نے اسے ایسی ضرب لگائی کہ اس حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ صرف پشاور سے لے کر پنجاب تک کا علاقہ محفوظ تھا۔ اسے بھی نادر شاہ تباہ کر گیا۔ گجرات اور مالوہ کو مرہٹوں نے پہلے ہی ویران کر ڈالا تھا۔ بنگال اور بہار میں بھی مرہٹوں نے تباہ کاری شروع کر دی تھی جس کا علی وردی خاں بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی علی وردی خاں بنگال۔ بہار اور اڑیسہ میں مختارِ مطلق بن چکا تھا۔ مگر اسے بادشاہ کی حمایت حاصل تھی۔ غرضیکہ ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بادشاہ کو کوئی نظر میں نہ لاتا تھا۔ اسی زمانہ میں انگریز ہندوستان میں اپنے پیر جمانے کیلئے جدوجہد میں مصروف

تھے۔سارے ملک میں ایک اضطراب پھیلا ہوا تھا۔

بادشاہ کو اوّل تو پہلے ہی کوئی خاص اقتدار حاصل نہ تھا۔لیکن مرہٹوں کی شورش اور نادر شاہ کے حملہ کے بعد دہلی کا بادشاہ محض نام کا بادشاہ بن کر رہ گیا تھا۔اُمرائے سلطنت کی حالت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔غرضیکہ نادر شاہ ایک ایسا ہندوستان چھوڑ گیا تھا۔جس میں ہر طرف لاقانونی کا دور دورہ تھا۔

روہیلوں کی سرکشی سے مزید پریشانی

ایک طرف تو ملک میں یہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔دوسری جانب روہیلوں کی طاقت برابر بڑھ رہی تھی اور انھوں نے جابجا ہنگامے برپا کرنے شروع کر دیئے تھے۔روہیلوں کی قوم کسی زمانہ میں افغانستان سے آکر ہندوستان میں آباد ہوگئی تھی۔ہندوستانی روہیلوں کا جدِاعلیٰ شہاب الدین خاں تھا۔جس کے دو بیٹے حسن خاں اور شاہ عالم خاں تھے۔اور تیسرا متبنیٰ بیٹا داؤد خاں تھا۔حسن خاں کا بیٹا دوندے خاں تھا۔شاہ عالم خاں کا بیٹا حافظ الملک رحمت خاں تھا اور داؤد خاں جس نے کہ ڈاکہ زنی اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔اس نے راہ میں پڑے ہوئے ایک ڈیڑھ سالہ لڑکے کو بیٹا بنالیا تھا۔اس لڑکے کا نام ''علی محمد خاں'' رکھ دیا تھا۔جس کو کہ بڑا عروج حاصل ہوا۔نوابان رامپور اسی علی محمد خاں کی اولاد میں سے تھے۔

علی محمد خاں نے محمد شاہ کے دورِ حکومت میں بہت سا بادشاہی علاقہ دبالیا تھا۔شاہی لشکر سے اس کی کئی لڑائیں بھی ہوئیں۔لیکن بعد میں بادشاہ سے معافی مانگ کر یہ سرہند کا صوبیدار بن گیا۔ مگر احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے وقت اسے سرہند کی صوبیداری سے ہٹا دیا گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کا حملہ

نادر شاہ جب ہندوستان سے ایران واپس گیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔نادر شاہ کے مارے جانے کے بعد نادر شاہ کے فوجی افسر احمد شاہ ابدالی کا بہت زور بڑھ گیا۔اس نے غزنی اور قندھار فتح کر لیا۔اور نادر شاہ کا زمانہ کے کابل کے صوبیدار ناصر خاں سے پانچ لاکھ روپیہ کے خراج کا مطالبہ کیا۔جب اس نے پانچ لاکھ روپیہ نہیں دیا تو احمد شاہ ابدالی نے اس پر حملہ کر دیا۔ناصر خاں بھاگ کر ہندوستان آ گیا۔احمد شاہ ابدالی اس کے تعاقب میں 1157ھ (1744ء) میں پشاور آیا۔اور جب اسے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔تو وہ بھی نادر شاہ کی تقلید کرتے ہوئے۔پنجاب کو لوٹتا ہوا 1160ھ (1747ء) میں لاہور پہنچ گیا اور لاہور سرہند پر قبضہ جمالیا۔

اس کے بعد دہلی کی جانب بڑھنا چاہتا تھا کہ ولی عہد سلطنت احمد ایک لشکر لے کر اس کے مقابلہ پر جاڈٹا۔اور بڑے سخت معرکہ کے بعد 1121ھ (1748ء) میں احمد شاہ ابدالی کو شکست دیدی۔

احمد فتحیاب ہونے کے بعد دہلی آرہا تھا کہ راستہ ہی میں اس کو اطلاع ملی کہ 26 ربیع الثانی 1161ھ (1748ء) کو محمد شاہ کا انتقال ہوگیا۔محمد شاہ نے تقریباً تیس سال حکومت کی اور عشرت پسندی کی بے شمار جدتیں اور داستانیں دنیا میں چھوڑ گیا۔

جنوبی ہند میں یورپیوں کا اقتدار

محمد شاہ کا دورِ حکومت مغل تاریخ کا تاریک ترین دور ہے۔جس میں نہ صرف ہندوستان کے اندر جابجا باغی طاقتیں اُبھر پڑیں۔ بلکہ ہندوستان بیرونی حملہ آوروں سے بھی محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں نادر شاہ نے ایران سے آکر ہندوستان کو لوٹا۔اور نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں خوب تباہی برپا کی۔ ہندوستان کی بدقسمتی صرف اسی پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ انتہائی بدنصیبی یہ تھی کہ اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں جنوبی ہند میں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اتنی طاقت پکڑ لی تھی کہ وہ غیر ملکی ہونے کے باوجود جو چاہتے تھے کر گذرتے تھے۔چنانچہ عین اُسی زمانہ میں جبکہ احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں لوٹ مچا رہا تھا۔دکن میں فرانسیسی اور انگریز اپنے اپنے اقتدار کے لئے جنگ میں مصروف تھے۔اور کرناٹک کی پہلی لڑائی دکن میں پورے زور شور کے ساتھ لڑی جارہی تھی۔لیکن مغل بادشاہ میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ وہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکتا۔

احمد شاہ کی تخت نشینی

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ یکم جمادی الاوّل 1161ھ (1748ء) کو دہلی کے تخت پر بیٹھا۔اس کا دورِ حکومت محمد شاہ سے بھی بدتر تھا۔تخت نشین ہونے کے بعد اس نے عنانِ حکومت کو اُمرائے سلطنت کے حوالے کردی۔اور خود عشرت پرستی میں مست رہنے لگا۔

اس کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں نظام الملک آصف جاہ کے انتقال کے بعد آصف جاہ کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔اس کے علاوہ راجہ ساہو کے مرنے کے بعد سے اس کے جانشینوں میں بھی جھگڑے شروع ہوگئے تھے۔

روہیلہ سردار علی محمد خاں کے مرنے کے بعد صفدر جنگ صوبیدار اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اودھ پر سے روہیلہ افغانوں کے دباؤ کو کسی طرح کم کرے۔ چنانچہ صفدر جنگ نے مرہٹوں اور

سورج مل جاٹ کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا۔ مرہٹوں اور جاٹوں کی مدد سے صفدر جنگ نے روہیلہ افغانوں کو تو ضرور اودھ سے نکال دیا۔ لیکن مرہٹوں نے افغانوں کی جگہ لے لی۔ اور وہ اودھ کے لئے ایک مستقل مصیبت بن گئے۔ غرضیکہ مرہٹوں نے اودھ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد حسب دستور خوب تباہی مچائی۔

احمد شاہ ابدالی کا دوسرا حملہ

احمد شاہ ابدالی کو جب پتہ چلا کہ مغل بادشاہ محمد شاہ مر گیا ہے۔ تو وہ پھر پنجاب پر چڑھ دوڑا پنجاب کے صوبیدار معین الملک نے فوراً ابدالی کی اطاعت قبول کر لی بادشاہ نے صوبیدار اودھ صفدر جنگ کو امداد کے لئے طلب کیا تو وہ اپنے مرہٹے دوستوں کو ساتھ لے کر دہلی پہنچ گیا۔ لیکن اس کے دہلی پہنچنے سے قبل ہی بادشاہ نے بالا ہی بالا ملتان اور لاہور کے صوبے دے کر ابدالی سے صلح کر لی تھی۔ ابدالی یہ دونوں صوبے معین الملک کو سپرد کر کے چلا گیا۔ صفدر جنگ جو بادشاہ کی امداد کے لئے مرہٹوں کو لایا تھا۔ اس نے بادشاہ سے ایک خطیر رقم مرہٹوں کو دلوانی چاہی لیکن بادشاہ کا خزانہ چونکہ خالی تھا۔ اس لئے آصف جاہ کے بیٹے امیر الامرا غازی الدین فیروز جنگ نے اس شرط پر مرہٹوں کو رقم دینے کا وعدہ کیا کہ دکن کے چھ صوبے اس کو دیدیئے جائیں۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی۔

امرائے سلطنت میں خانہ جنگی

احمد شاہ کے دربار میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ تو نظام الملک آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین خاں تھا۔ اور دوسرے گروہ کی رہنمائی صفدر جنگ صوبیدار اودھ کر رہا تھا۔ اتفاق سے بادشاہ کسی بات پر صفدر جنگ سے ناراض ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ غازی الدین خاں نے باقاعدہ صفدر جنگ کے خلاف صف آرائی شروع کر دی۔ صفدر جنگ نے جاٹوں کی امداد حاصل کر لی۔ غازی الدین نے مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرضیکہ چھ مہینے تک یہی خانہ جنگی جاری رہی آخرکار صلح ہو گئی۔ صفدر جنگ کے اودھ جانے کے بعد غازی الدین نے جاٹوں پر صرف اس جرم میں حملہ کر دیا چونکہ جاٹوں نے صفدر جنگ کا ساتھ دیا تھا۔ جاٹوں نے غازی الدین کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور وہ جاٹوں کو زیر نہ کر سکا۔

بادشاہ کو معزول کر کے اندھا کر دیا

غازی الدین کو جب جاٹوں کے مقابلہ میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو اس نے دہلی سے شاہی

توپخانہ منگوانا چاہا۔ خانخاناں وزیر نے جب توپخانہ دینے سے انکار کیا تو غازی الدین نے ملہار راؤ ہلکر مرہٹہ سردار کو مرہٹہ لشکر کے ساتھ بادشاہ پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا۔ ملہار راؤ ہلکر نے آتے کے ساتھ ہی بادشاہی خیمہ پر گولہ باری شروع کر دی۔ بادشاہ قلعہ میں چلا گیا۔ مرہٹوں نے سارا بادشاہی سامان لوٹ لیا۔ بادشاہ غازی الدین سے صلح کرنی چاہتا تھا۔ وزیر نے مخالفت کی تو بادشاہ نے وزیر کو حکم دیدیا کہ تم گھر بیٹھو۔

غازی الدین خاں کے پٹھو محمود نے اب اُمرائے سلطنت کو جمع کر کے بادشاہ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور بادشاہ کو معزول کرنے کی تجویز پیش کی غازی الدین خاں کے خوف سے کوئی زبان نہ ہلا سکا۔ علما سے فوراً بادشاہ کے خلاف فتوے لے لئے گئے۔ سب نے بادشاہ کے معزول کئے جانے کے فیصلہ پر دستخط کر دیئے۔ غرضیکہ 1167ھ (1754ء) میں احمد شاہ کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ جہاں غازی الدین نے اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اندھا کر دیا۔ اس بادشاہ نے چھ سال اور دس مہینے حکومت کی۔ لیکن اس کی حکومت صرف دہلی اور دہلی کے گرد و نواح تک محدود تھی۔ کیونکہ کچھ صوبے تو مرہٹوں نے چھین لئے تھے کچھ ابدالی کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ کچھ پر روہیلوں کا قبضہ تھا۔ اور بقیہ صوبے خود مختار ہو چکے تھے۔

انگریزوں کے عروج کی ابتدا

اسی بادشاہ کے زمانہ میں کرناٹک میں 1164ھ (1749ء) میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی وہ تاریخی جنگ ہوئی جس میں انور الدین نواب کرناٹک مارا گیا۔ سابق نواب کرناٹک کے داماد چندا صاحب کو فرانسیسیوں نے کرناٹک کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے علاوہ حیدر آباد میں ناصر جنگ اور مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد فرانسیسیوں نے صلابت جنگ کو نظام بنا دیا۔ لیکن 1164ھ (1751ء) میں انگریز جنرل رابرٹ کلایو نے کرناٹک دوبارہ فتح کر لیا۔ چندا صاحب قتل ہوا۔ اور انگریزوں نے کرناٹک کے سابق نواب انور الدین کے بیٹے محمد علی کو کرناٹک کا نواب بنا دیا چنانچہ کرناٹک کی فتح کے بعد ہی سے انگریزوں کا عروج شروع ہو گیا۔ اور انگریز رفتہ رفتہ ہندوستان میں پھیلتے چلے گئے۔ کیونکہ مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد ان کی پیش قدمی کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

عالمگیر ثانی کی تخت نشینی

جہاں تک مغلیہ حکومت کا تعلق ہے وہ ختم ہو چکی تھی۔ صرف نام کے بادشاہ اس لئے تخت پر بٹھائے جا رہے تھے تاکہ اغراض کے غلام ان کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ چنانچہ غازی

الدین خاں نے شہزادہ عالمگیر ثانی کو پکڑ کے 1167ھ (1754ء) میں دہلی کے تخت پر بٹھادیا۔ اور خود وزیر بن گیا۔ اسی سال صفدر جنگ نواب اودھ مر گیا اور اس کا بیٹا شجاع الدولہ اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ عالمگیر ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد غازی الدین خاں نے کٹھ پتلی بادشاہ کو ساتھ لے کر پنجاب کا رُخ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کا مقرر کردہ صوبیدار معین الملک مر چکا تھا۔ اور اس کا داماد خواجہ موسیٰ صوبیداری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ غازی الدین نے پنجاب پہنچنے کے بعد سب سے پہلے تو معین الملک کی ناکتخدا لڑکی سے بالجبر نکاح کیا۔ ساس کو ذلیل و خوار کیا۔ اس کے بعد تیس لاکھ روپیہ لے کر پنجاب کی صوبیداری مرزا ادینہ بیگ کو دیدی۔

احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان پر تیسرا حملہ

جب احمد شاہ ابدالی کو اس کی اطلاع ہوئی کہ پنجاب کا صوبہ نکل گیا ہے۔ تو وہ قندھار سے لاہور پہنچا۔ مرزا ادینہ بیگ مقابلہ سے بھاگ گیا۔ ابدالی روہیلہ سردار نجیب اللہ خاں کو ساتھ لے کر لڑنے کے لئے دہلی چلا۔ غازی الدین نے ابدالی سے معافی مانگ لی۔ احمد شاہ ابدالی دہلی آیا اور 1170ھ میں سارے شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اُمرائے سلطنت کے ذریعہ چاروں طرف سے خوب روپیہ گھسیٹا۔ اس کے بعد دہلی کی حالت نادر شاہ کی لوٹ کے زمانہ سے بھی بدتر ہوگئی۔ غرضیکہ دہلی کے گردنواح میں لوٹ کا بازار خوب گرم ہوا۔

محمد شاہ کی بیٹی نہایت حسین و جمیل تھی۔ اس سے ابدالی نے اپنی شادی کی۔ اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی بادشاہ کی بھتیجی سے کی۔ تیمور شاہ کو لاہور۔ ملتان اور ٹھٹھہ کا حاکم مقرر کیا۔ روہیلہ سردار نجیب اللہ کو بادشاہ کا وزیر بنایا اور اپنی سپاہ اور لوٹ کے مال کے ساتھ قندھار واپس چلا گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے چونکہ غازی الدین خاں کو وزارتِ عظمیٰ سے علیحدہ کر کے نجیب اللہ خاں کو وزیر اعظم بنادیا تھا۔ اس لئے ابدالی کے جاتے ہی غازی الدین خاں نے مرہٹوں کو دہلی پر چڑھادیا۔ نجیب اللہ اور بادشاہ دونوں محصور ہوگئے۔ بادشاہ نے مرہٹوں کو بہت بڑی رشوت دیکر خلاصی حاصل کرلی۔ نجیب اللہ وزارت چھوڑ کر اپنی سہارنپور کی جاگیر میں چلا گیا۔

بادشاہ کو پریشان کرنے کے بعد غازی الدین خاں شہزادہ ولی عہد عالی گوہر کی گرفتاری کے درپے ہوا مگر شہزادہ بچ کر نکل گیا اور بنگال کی طرف بھاگ گیا۔ تاکہ وہاں اپنی حکومت قائم کرے۔ اس کے بعد غازی الدین کے ساتھ مرہٹوں نے پنجاب پر ہاتھ صاف کیا۔ مرہٹوں اور سکھوں نے پنجاب کو خوب لوٹا۔ اور رفتہ رفتہ پورے پنجاب پر مرہٹوں کا قبضہ ہوگیا۔

احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی جنگ

مرہٹے اکثر صوبوں پر مسلط ہو چکے تھے۔ انھوں نے سارے ہندوستان پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ غازی الدین خاں مرہٹوں کے ان منصوبوں میں ان کا سب سے بڑا معاون تھا۔ غرضیکہ مرہٹوں کے ہاتھوں ہر طرف لوٹ مار اور غارتگری مچی ہوئی تھی کہ اسی زمانہ میں اطلاع ملی کہ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں سے انتقام لینے کے لئے پھر ہندوستان آ رہا ہے۔ غازی الدین کو شبہ ہوا کہ عالمگیر ثانی نے مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی ہے۔ چنانچہ غازی الدین نے 1173ھ (1759ء) میں بادشاہ کو قتل کرا دیا۔ اور اسکی لاش کو جنگل میں پھنکوا دیا۔

احمد شاہ ابدالی چوتھی مرتبہ ہندوستان آیا تو اس نے پنجاب میں سکھوں اور مرہٹوں کے خوب مرمت کی اس کی تلوار سے بے شمار سکھ اور مرہٹے قتل ہوئے اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کا پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے ایک اور معرکہ ہوا جس میں لاکھوں مرہٹے مارے گئے۔ غرضیکہ ابدالی نے مرہٹوں کی طاقت کو بالکل کچل کر رکھ دیا۔ مرہٹوں کی سرکوبی کے بعد احمد شاہ ابدالی نور الدین خاں کو لاہور میں اپنا نائب مقرر کر کے 1173ھ (1759ء) میں واپس چلا گیا اور پھر کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ عالمگیر ثانی کے قتل سے لے کر اس وقت تک دہلی کا تخت خالی پڑا رہا یعنی حکومتِ مغلیہ کے تخت کی ناقدری کا یہ عالم تھا کہ اس پر بیٹھنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوتا تھا۔

شاہ عالم کی تخت نشینی

عالمگیر ثانی کا بیٹا شہزادہ عالی گوہر جو بنگال میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے چلا گیا تھا۔ جب اسے وہاں کامیابی نہ ہوئی اور باپ کی موت کا علم ہوا تو اس نے شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کر کے 1173ھ (1759ء) میں فوراً اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا شہزادہ اس وقت بہار کے ایک گاؤں۔ ''قصبہ کوتونی۔'' میں مقیم تھا۔

شاہ عالم کی انگریزوں سے جنگ

یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزوں نے فرانسیسیوں، پرتگیزوں اور دوسری یورپین طاقتوں کو شکست دیکر کرناٹک کے بعد بنگال میں بھی کامل اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اور میر جعفر انگریزوں کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ میر جعفر کا نائب رام نرائن بنگال کے بعد بہار میں بھی انگریزی اقتدار کے قائم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ بادشاہ نے فوج جمع کر کے اسے پٹنہ سے نکال دیا۔ لیکن بعد

میں جب انگریزی فوج آ گئی تو بادشاہ کو شکست ہوگئی۔ چند روز کے بعد میر جعفر کے دور کے ختم ہونے پر میر قاسم کو بنگال میں اقتدار حاصل ہوا تو وہ انگریزوں سے لڑا۔ اور شکست کھانے کے بعد بادشاہ کے پاس بہار میں چلا آیا۔ شجاع الدولہ وزیر اودھ بھی اس وقت بادشاہ کے پاس آیا ہوا تھا۔ میر قاسم اور شجاع الدولہ دونوں بادشاہ کو ساتھ لے کر بنارس آئے اور بکر کے میدان میں 1178ھ (1764ء) میں سخت خونریزی کے بعد ان تینوں کو انگریزوں سے مقابلہ میں شکست ہوگئی۔

شاہ عالم نے انگریزوں کو دیوانی کا منصب عطا کر دیا

بکر کی لڑائی کے بعد بادشاہ انگریزی کیمپ میں چلا گیا۔ اور انگریزوں سے عہد و پیمان کر کے 1171ھ (1762ء) ایسٹ انڈیا کمپنی یعنی انگریزوں کو بنگال بہار اور اڑیسہ تینوں صوبوں کی دیوانی یعنی حکومت عطا کر دی۔ اس کے علاوہ بنارس اور غازی پور بھی بطور جاگیر کمپنی کو دیدیئے۔ صرف صوبہ الہ آباد بادشاہ کے پاس رہ گیا۔ انگریزوں نے بادشاہ کا کچھ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ نیز بادشاہ نے کرناٹک جو نظام کا علاقہ تھا وہ بھی انگریزوں کو عطا کر دیا۔ گویا شاہ عالم ثانی نے اپنی بے عقلی اور کمزوری کی بنا پر انگریزوں کو ایک تہائی ہندوستان کی حکومت کی سند دیکر خود ہی اپنے ہاتھ کاٹ لئے چنانچہ شاہ عالم کی اس لغزش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز چند سال کے اندر اندر سارے ہندوستان کے مستقل بادشاہ بن گئے۔ شجاع الدولہ نے جب دیکھا کہ اب ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو بھاگ کر فیض آباد آیا۔ مرہٹوں کو ساتھ ملا کر اس نے انگریزوں سے کئی لڑائیاں لڑیں مگر اسے شکست ہوگئی۔

بادشاہ انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی

شاہ عالم ثانی جس کا الہ آباد میں مستقل قیام تھا ہر وقت خود غرض اُمرا میں گھرا رہتا تھا۔ انگریز جن کے ہاتھوں میں وہ کھیل رہا تھا۔ اس کے دربار میں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ انگریزوں کا پٹھو مرزا نجف خاں جس نے کہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی لڑائی میں انگریزوں کی مدد کی تھی اور جسے انگریزوں نے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی دی تھی۔ وہ بادشاہ کا نفسِ ناطقہ بنا ہوا تھا۔ لیکن حقیقت میں اگر کوئی حکومت مغلیہ کا اس زمانہ میں ہمدرد تھا تو روہیلہ سردار نجیب اللہ تھا جس نے کہ مرہٹوں کے زور کو بھی توڑ دیا تھا اور جاٹوں کو بھی لڑ کر نکال دیا تھا۔ لیکن خود غرضوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر نہ ہوئی اور وہ بددل ہوگیا۔ اب مرہٹوں اور جاٹوں کا زور پھر بڑھنا شروع ہوا جاٹوں کی ریاست کا سردار اس زمانہ میں رنجیت سنگھ تھا۔ جس نے کہ جاٹوں میں نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔

مغل بادشاہ مرہٹوں کے قبضہ میں

شاہ عالم 1194ھ (1781ء) میں الہ آباد سے دہلی آ گیا۔ انگریز یہ نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہ دارالسلطنت میں جائے مگر بادشاہ دہلی چلا گیا۔ اسی زمانہ میں شجاع الدولہ اور روہیلوں کی صلح ہوگئی۔ یہ دونوں مل کر اپنے اقتدار کی کوشش کرنے لگے۔ ادھر مرزا نجف خاں نے دہلی پہنچ کر اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا کر انگریزوں کے مزید اقتدار کے لئے کوشش شروع کر دیں۔ اور روہیلوں سے لڑنے لگا۔ اس کے بعد جاٹوں سے اس کی جنگ ہوئی۔ پھر دہلی کے قریب سکھوں سے لڑ کر ان کو شکست دی۔ آخر نجف خاں 1198ھ (1782ء) میں مر گیا۔

نجف خاں جو بادشاہ اور اُمرائے سلطنت پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد شاہ عالم ثانی کی وزارت میں نئی نئی تبدیلیاں ہوئیں۔ والی اودھ تو بدستور وزیر رہا۔ مرہٹہ سردار پیشوا مغلیہ حکومت کا امیر الامرا بنا۔ اور مادھو جی سندھیا کو نائب امیر الامرا کا عہدہ دیا گیا۔ اور آگرہ و دہلی کے صوبے اس کے سپرد ہوئے ساری فوج کا سپہ سالار بھی اُسی کو مقرر کیا گیا۔ گویا اب شاہ عالم ثانی کے پردہ میں مرہٹوں نے مغلیہ حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ بادشاہ کے خرچ کے لئے پینسٹھ ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہوا۔ نواب وزیر اودھ جو اس سے قبل انگریزوں کا مخالف تھا۔ اس نے بھی انگریزوں سے اپنے تعلقات خوشگوار بنا لئے۔ غرضیکہ حکومت کا ڈھانچہ نئے سرے سے کھڑا کیا گیا۔

بادشاہ کی حالت یہ تھی کہ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اور جدھر بھی اسے سلامتی یا فائدہ دکھائی دیتا تھا جھک جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں جب راجپوتوں نے بادشاہ پر ڈورے ڈالے۔ تو وہ مرہٹوں اور اپنے سب ساتھیوں کو چھوڑ چھاڑ مع شہزادوں اور شہزادیوں کے اس اُمید میں راجپوتانہ چلا گیا کہ شائد راجپوتوں کی مدد سے وہ دوبارہ اپنی خودمختاری حاصل کر سکے لیکن اسے ناکام اور نامراد دہلی واپس آنا پڑا۔

روہیلوں کے ہاتھوں بادشاہ کی مٹی پلید

روہیلے جو بادشاہ کی تلون مزاجی اور مرہٹوں سے اس کی ساز باز کی وجہ سے جلے ہوئے تھے۔ انھوں نے موقع پاتے ہی اچانک دہلی پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ کے پشت پناہ مرہٹوں نے بھی اس نازک موقع پر بادشاہ کا ساتھ نہ دیا۔ روہیلوں نے یہ کہہ کر بادشاہ مرہٹوں کا غلام بن گیا ہے ساری مغل سپاہ کو توڑ لیا۔ اس کے بعد محل اور بادشاہ پر روہیلوں کا قبضہ تھا۔ حکومت کا سارا اقتدار غلام قادر روہیلہ اور اسمٰعیل بیگ کے ہاتھ میں آ گیا۔ مرہٹوں کو ان کے عہدوں سے خارج کر دیا گیا۔ بادشاہ

پر قابو حاصل کرنے کے بعد غلام قادر روہیلہ نے متھرا جا کر مرہٹوں سے لڑنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ستیل داس شاہی خزانچی نے غدر پیش کر دیا کہ خزانہ میں روپیہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غلام قادر کے ہاتھ ایک ایسا خط بھی پڑ گیا۔ جس میں بادشاہ نے سندھیا کو روہیلوں کے خلاف اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ غلام قادر نے غصہ میں آ کر بادشاہ کو قید کر دیا۔ شاہی بیگمات پر بے پناہ مظالم کئے۔ اور خزانہ کا سراغ لگانے کے لئے بادشاہ کو زدوکوب کیا۔ بیگموں کے رُخسار مارے تھپڑوں سے لال کر دیئے۔ بیگموں کو مارتے مارتے ان کے جسموں پر نیل ڈال دیئے اور جب خزانہ کا پتہ نہ ملا تو غلام قادر نے جل کر بادشاہ کی آنکھیں نکال لیں۔

دہلی میں انگریزی فوجوں کا داخلہ

جب بادشاہ کی یہ گت بن گئی تو مرہٹے اپنا لشکر لے کر آئے۔ غلام قادر فرار ہو گیا مگر بعد میں گرفتار کر کے اسے مرہٹوں کے پاس لایا گیا۔ تو مرہٹوں نے اس کی خوب مٹی پلید کی۔ اسے گدھے پر اُلٹا سوار کر کے ایک ایک دوکان سے ایک ایک کوڑی بھیک منگوائی۔ پہلے اس کی زبان کاٹی۔ پھر آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ پھر ناک کان کاٹے۔ پھر ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ اور باقی لوتھڑا بادشاہ کے پاس دہلی روانہ کر دیا مگر غلام قادر راستہ ہی میں مر گیا۔ اس کی لاش کو قیمہ قیمہ کر کے اندھے بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ جس کو بعد میں کوڑی پر پھنکوا دیا گیا۔ مرہٹہ سردار سندھیا نے بادشاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ نو لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کے لئے مقرر کیا۔ لیکن 1218ھ (1803ء) میں لارڈ لیک انگریزی فوج لے کر دہلی میں داخل ہو گیا۔ مرہٹوں کو مار مار کر نکال دیا اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دی۔ اور اس طرح مغلیہ حکومت بالکل ختم ہونے کے بعد انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ شاہ عالم ثانی پینتالیس برس تک برائے نام حکومت کرنے کے بعد 1221ھ (1806ء) میں مر گیا۔

معین الدین اکبر شاہ ثانی کی تخت نشینی

شاہ عالم ثانی کے مرنے کے بعد معین الدین اکبر شاہ ثانی کو انگریزوں نے اس کا جانشین مقرر کیا۔ 1221ھ (1806ء) میں اس کی برائے نام تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اکبر شاہ ثانی کو چونکہ پورے شاہی خاندان اور کنبہ کی پرورش کرنی پڑتی تھی۔ اس لئے ایک لاکھ روپیہ سالانہ میں اس کا گذارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بار بار اس نے انگریزوں کو پنشن کے اضافہ کے لئے توجہ دلائی۔ لیکن کوئی سنوائی نہ ہوئی۔

اکبر شاہ کا کام ابتدا میں تو خزانہ کے کچھ روپیہ سے چلتا رہا۔ اس کے بعد جواہرات اور قیمتی

سامان بیچ بیچ کر اس نے زندگی گزاری۔ آخر اکتیس برس سخت مشکلات اُٹھانے کے بعد 1653ھ (1837ء) میں اسّی برس کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔ اس کی حیثیت انگریزوں کے ایک پنشن خوار سے زیادہ نہ تھی۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر

اکبر شاہ ثانی کے مرنے کے بعد 1653ھ (1837ء) میں انگریزوں نے محمد سراج الدین بہادر شاہ کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ بہادر شاہ بڑا علم دوست تھا۔ ہر وقت اس کے گرد علماء اور فضلا کا ہجوم رہتا تھا۔ شاعری میں اس کا پایہ نہایت بلند تھا۔ ظفر تخلص کرتا تھا۔ اُستاد ذوق بہادر شاہ کے اُستاد تھے۔ غالب بھی بہادر شاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

1867ء کا غدر بہادر شاہ کے دور کا سب سے بڑا اور آخری واقعہ ہے۔ جبکہ ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ سے انگریزی فوج کے خلاف بغاوت شروع کی۔ اور بہادر شاہ کے انکار کے باوجود اسے دوبارہ تخت پر بٹھا کر مغلوں کی خودمختاری حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس ہنگامہ نے دہلی میں خوب زور پکڑا۔ اس کے بعد یہ ہنگامہ کانپور۔ لکھنؤ اور جھانسی تک پھیل گیا۔

بادشاہ کے گرد ہزاروں بغیر تنخواہ کے سپاہی دہلی میں جمع ہو گئے۔ جنہوں نے پہلے تو انگریزوں کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد دہلی کی شہری آبادی کو خوب لوٹا۔ انگریزوں کے ساتھ انقلاب پسند ہندوستانیوں کی 72-73 لڑائیاں ہوئیں۔ ابتدا میں تو ہندوستانیوں کو کامیابی ہوئی۔ لیکن پھر شکستیں ہونے لگیں۔ مئی 1857ء سے لے کر ستمبر 1857ء تک دہلی میں شدید ہنگامہ برپا رہا۔ لکھنؤ اور کانپور کے جوان بیٹوں کو بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا اور بادشاہ کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔

انگریزوں نے دہلی فتح کرنے کے بعد شہر کے معززین پر بے پناہ مظالم کیے سیکڑوں اور ہزاروں نوجوان سرِ راہ پھانسیوں پر لٹکا دیے گئے۔ بغیر مقدمہ چلائے اور جرم کی تحقیقات کیے بغیر جس کو چاہا قابلِ دار قرار دیدیا۔ غرضیکہ دہلی کو ایک مرتبہ تو باغی سپاہیوں نے لوٹا اور دوسری مرتبہ انگریزی فوج نے تاراج کیا۔ اور دہلی ایک ویرانہ بن گئی۔

1857ء کا غدر ہندوستان کی وہ انقلابی جنگ ہے جس کو اگر منظم طریقہ پر لڑا جاتا تو انگریزوں کے پاؤں اسی وقت اکھڑ گئے تھے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس جنگ آزادی میں دہلی، میرٹھ، کانپور، جھانسی اور لکھنؤ کے علاوہ اور کسی شہر نے حصہ نہیں لیا بلکہ سارے ہندوستان نے الٹی انگریزوں کی مدد کی۔ اس لئے یہ جنگ آزادی ناکام ہو کر رہ گئی اور اس کا خمیازہ خصوصیت کے ساتھ شاہی خاندان کو اور مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔

چوتھا باب

ہندوستان پر انگریزی حکومت

1751ء تا 1947ء

انگریز نے مغلیہ حکومت کی ہڈیوں پر جس عیاری اور مکاری کے ساتھ برطانوی حکومت کی عمارت تعمیر کی وہ تاریخ کا ایک ایسا شرمناک باب ہے جس پر رہتی دنیا تک انسانیت شرماتی رہے گی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جس فریب کارانہ انداز میں انگریز نے ہندوستان پر قبضہ جمایا ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم میں مفقود ہے۔

انگریز نے فاتحانِ عالم کی طرح ہمت جرأت اور بہادری کے ساتھ اس برصغیر کو فتح نہیں کیا۔ بلکہ وہ چوروں اور دھوکہ بازوں کی طرح ہندوستانیوں کے گھر میں گھسا اور مالک بن بیٹھا۔ وہ تاجروں کا بھیس بدل کر روٹی کے لئے بھیک مانگتا ہوا اس ملک میں آیا۔ مغلوں کے سامنے دامن پھیلا پھیلا کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر اس نے تجارتی سہولتیں حاصل کیں لیکن موقعہ ملتے ہی اپنے محسنوں کے گھروں پر اس نے لٹیروں اور ڈاکوؤں کی طرح قبضہ جمالیا۔

ہندوستان کے فرمانرواؤں نے انگریز کو تجارتی سہولتیں دیکر اس پر جو احسان عظیم کیا تھا اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ انگلستان کا یہ مچھیرا ساری عمر گردن نہ اُٹھاتا اور ہندوستانیوں کے اس شریفانہ برتاؤ کا بدلہ شرافت سے دیتا۔ لیکن اس نے شرافت اور انسانیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی مکاری کے ساتھ اپنے محسنوں اور سرپرستوں کے ملک ہی کو ہضم کرلیا۔ اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس برصغیر پر اپنے غاصبانہ قبضہ کی مدت کو طویل کرنے کے لئے یہ صدیوں تک ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈال کر ہندوستانیوں کا گلا خود ہندوستانیوں ہی سے کٹواتا رہا۔

غدر 1857ء کی جنگِ آزادی میں حصّہ لینے والے ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً انگریز نے جس بے دردی کے ساتھ کچلا ہے وہ تاریخ عالم کا سیاہ ترین ورق ہے۔ انگریز نے نہ بوڑھوں پر رحم کھایا نہ بچوں پر۔ اس نے نہ عورتوں کو بخشا نہ کمزوروں کو۔ جو بھی سامنے آیا اسے تہہ تیغ کردیا۔ دہلی۔ کانپور۔ اور لکھنؤ میں پھانسیاں لٹکائی گئیں اور چن چن کر نوجوانوں کو موت کے گھاٹ

اتار دیا گیا۔ محض اس جرم میں کہ خوددار ہندوستانی اپنے ملک کو یورپ کے عیاروں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جنگ آزادی کا سب سے بڑا مجرم ہندوستان کی مملکت کا جائز وارث بہادر شاہ قرار دیا گیا۔ اس بوڑھے بادشاہ کی اولاد کو اس کی آنکھوں کے سامنے گولیوں سے چھلنی کیا گیا۔ اور اسے جلاوطن کر دیا گیا تا کہ انگریز کے راستہ کا سب سے بڑا پتھر ہٹ جائے۔

غدر 1857ء کے بعد جب انگریزوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کو گرفتار کر کے رنگون جلاوطن کیا تو انگریز اپنی فطری ابن الوقتی کی بدولت ہندوستان کے بیشتر حصہ پر غاصبانہ قبضہ جما چکے تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ ہندوستان کے ان تمام عناصر اور طاقتوں کو کچل کر رکھ دیا جائے جو کبھی بھی انگریز کے لئے خطرہ بن سکتے ہوں۔

اس تاریخ کے پچھلے باب میں انگریزوں کی ابن الوقتی کا اگرچہ کہیں کہیں ذکر ضرور آ گیا ہے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ سمندر پار کے یہ عیار تاجر کس طرح ہندوستان میں آمد اور ان کی عیاریوں کی داستان اگرچہ بہت طویل ہے۔ چنانچہ ان کی مکاریوں کی پوری سرگزشت ہم۔ ''انگریز کا شرمناک دورِ حکومت'' نامی تاریخ کی صورت میں علیحدہ شائع کر چکے ہیں لیکن پھر بھی یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ میں بھی مختصر الفاظ میں انگریزوں کی ''کرم فرمائیوں'' پر روشنی ڈال دی جائے تا کہ اس تاریخ کے پڑھنے والوں کو بھی انگریزی دورِ حکومت کی ''برکتوں'' سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جائے۔

سفید قوموں کی للچائی ہوئی نظریں

ہندوستان کیونکہ زمانۂ قدیم میں ایک نہایت ہی خوشحال اور دولتمند ملک تھا۔ اس لئے صرف انگریزوں ہی کی نہیں بلکہ یورپ کے اکثر ملکوں اور قوموں کی اس ملک پر للچائی ہوئی نظریں پڑ رہی تھیں۔ پرتگال یورپ کا پہلا ملک ہے جس نے تاجر بن کر سب سے پہلے ہندوستان پر یورش کی۔ چنانچہ 1498ء میں مشہور پرتگیز ملاح واسکوڈی گاما، افریقہ کے گرد چکر کاٹنے کے بعد نئے دریافت شدہ سمندری راستہ کے ذریعہ پہلی مرتبہ ہندوستان کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ یہ سفید رنگ کا پہلا منحوس انسان تھا جس کے قدموں سے ہندوستان کی مقدس سرزمین ناپاک ہوئی۔ اس کی آمد کے بعد 1570ء میں پرتگیزوں نے کالی کٹ اور گوا میں اپنے تجارتی قلعے بنا لئے۔

پرتگیزوں کی تقلید کرتے ہوئے 1600ء میں انگریز بھی ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' بنا کر ہندوستان میں تاجر کے لباس میں آن کودے۔ اور 1602ء میں ہالینڈ والے یعنی ولندیزی بھی تاجر بن کر اس

برصغیر میں آ گئے۔ غرضیکہ پرتگیزوں، انگریزوں اور ولندیزوں نے جابجا ہندوستان میں اپنے سیاسی اڈے قائم کر لئے۔ اور ان تینوں میں ہندوستان کے لئے جنگ آزمائیاں شروع ہو گئیں۔ انگریز کیونکہ پرتگیزوں اور ولندیزیوں کے مقابلہ میں زیادہ عیار تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے دونوں رقیبوں کو مار کر میدان سے بھگا دیا۔

انگریز کو ابھی پوری طرح اپنے ان دو رقیبوں سے نجات نہیں ملی تھی کہ انگریزوں کا تیسرا رقیب فرانس بھی 1664ء میں ایک نام نہاد تجارتی کمپنی بنا کر ہندوستان میں آن کودا۔ اور اس نے چند سال کے اندر اندر ہندوستان میں اس قدر طاقت پکڑی کہ وہ انگریز کے لئے ایک مستقل مصیبت بن گیا۔ چنانچہ 1744ء میں جب یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑی تو فرانسیسی گورنر ڈوپلے نے مدراس کو جو انگریزوں کا سب سے بڑا سیاسی اڈا تھا فتح کر لیا۔ مدراس چونکہ نواب کرناٹک انورالدین کے علاقہ میں تھا۔ اس لئے اس سے بھی فرانسیسیوں کی جنگ چھڑ گئی۔ فرانسیسیوں نے کرناٹک کے دارالسلطنت ارکاٹ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اور نواب دارالسلطنت سے فرار ہو گیا۔ ارکاٹ کی فتح یورپینوں کی سرزمین ہند پر پہلی جنگی فتح تھی جو انھیں ہندوستان کے ایک حکمراں پر حاصل ہوئی تھی۔ اس فتح کے بعد ہی سے فرانسیسیوں اور انگریزوں نے ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کی۔ مدراس جس سے کہ نواب کرناٹک اور فرانسیسیوں کے جھگڑے کی ابتداء ہوئی تھی وہ تو 1748ء میں یورپ میں صلح ہونے کے بعد انگریزوں کو دوبارہ واپس مل گیا۔ لیکن ارکاٹ پر فرانسیسی بدستور قابض رہے۔

ارکاٹ کی فتح کے بعد چونکہ فرانسیسیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس لئے انھوں نے امبر پر جہاں کرناٹک کا نواب انورالدین پناہ گزیں تھا حملہ کر دیا۔ نواب مارا گیا۔ فرانسیسیوں نے سابق نواب کرناٹک کے داماد چندا صاحب کو کرناٹک کا نواب بنا دیا اور حیدرآباد کے تخت کے ناکام دعویدار مظفر جنگ کو ساتھ ملا کر حیدرآباد پر بھی حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نظام حیدرآباد ناصر جنگ نے فرانسیسیوں کی پیش قدمی سے پہلے ہی انگریزوں کو ساتھ ملا کر فرانسیسی لشکر پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں کو شکست ہوئی۔ چندا صاحب فرار ہو گیا۔ مظفر جنگ گرفتار کر لیا گیا اور نظام نے ارکاٹ فتح کرنے کے بعد مرحوم نواب انورالدین کے بیٹے محمد علی کو ارکاٹ کے تخت پر بٹھا کر کرناٹک کا نواب بنا دیا۔ لیکن فرانسیسیوں نے دوبارہ فوج جمع کر کے کرناٹک کے نواب محمد علی کے خلاف حملہ کر دیا۔ نواب کو شکست ہوگئی اور ارکاٹ پر پھر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ نظام کو جب نواب کرناٹک کی شکست کا علم ہوا تو وہ پھر اپنا لشکر لے کر فرانسیسیوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ لیکن

فرانسیسیوں نے نہایت عیاری سے کام لے کر نظام کے لشکر میں بغاوت برپا کرادی۔اس بغاوت میں نظام دکن ناصر جنگ مارا گیا۔فرانسیسیوں نے فوراً اپنے ایک پٹھو مظفر جنگ کو تو حیدآباد کے تخت پر بٹھادیا۔اور دوسرے پٹھو چندا صاحب کو دوبارہ کرناٹک کا نواب بنادیا۔چندہ ماہ کے بعد جب نظام دکن مظفر جنگ کو اس کے آدمیوں نے قتل کر دیا تو فرانسیسیوں نے صلابت جنگ کو قید خانہ سے نکال کر حیدرآباد کے تخت پر بٹھادیا۔غرضیکہ فرانسیسیوں کو جنوبی ہند میں کامل اقتدار حاصل ہوگیا اور اس اقتدار کے بعد انگریزوں کی حالت بڑی نازک ہوگئی۔انگریز بالکل فرانسیسیوں کے رحم وکرم پر تھے۔

انگریزوں کے اقتدار کی ابتدا

کرناٹک کی پہلی اور دوسری دولڑائیوں میں جب فرانسیسیوں کو کرناٹک اور دکن میں کامل اقتدار حاصل ہوگیا تو انھوں نے ترچناپلی پر بھی حملہ کردیا۔جہاں نواب کرناٹک محمد علی پناہ گزیں تھا۔نواب کرناٹک نے فوراً اپنے پرانے دوست انگریزوں کو مدد کے لئے بلایا۔انگریزوں کو ترچناپلی کے مورچہ پر تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی لیکن انگریزی فوج کے ایک من چلے سپاہی رابرٹ کلایو نے صرف پانچ سو سپاہیوں اور ایک چھوٹے سے توپخانہ کے ذریعے 1751ء میں اچانک حملہ کرکے ارکاٹ پر قبضہ کرلیا۔یہ انگریزوں کی ہندوستان میں پہلی فتح تھی۔اس کے بعد جب انگریزوں کی مدد کیلئے مزید فوج مدراس سے گئی تو 1752ء میں انگریزوں نے ترچناپلی بھی فتح کرلیا۔چندا صاحب کو گرفتار کرکے انگریزوں نے قتل کردیا اور سارا کرناٹک انگریزوں کے دوست محمد علی کے قبضہ میں آگیا۔غرضیکہ کرناٹک کی اس تیسری جنگ کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کا عروج شروع ہوگیا۔

دکن بنگال اور بہار پر انگریزوں کا قبضہ

کرناٹک کے نام نہاد نواب محمد علی کو دوبارہ کرناٹک کے تخت پر بٹھانے کے بعد انگریز کرناٹک کے بالکل مالک ومختار بن چکے تھے کرناٹک کے بعد انگریزوں نے نظام دکن صلابت جنگ کو شیشہ میں اُتارنا شروع کیا۔نظام نے جب دیکھا کہ انگریزوں کا زور جنوبی ہند میں بڑھ رہا ہے تو وہ انگریزوں کا دوست بن گیا۔اور اس طرح انگریزوں کو دکن میں کامل اقتدار حاصل ہوگیا۔

کرناٹک اور دکن سے فارغ ہونے کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار اور اُڑیسہ پر قبضہ جمانے کی فکر ہوئی۔انگریزوں کو سب سے بڑا اندیشہ نواب بنگال سراج الدولہ سے تھا جو انگریزوں کا جانی

دشمن تھا۔ چنانچہ نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کو کلکتہ اور قاسم بازار سے نکالنے کی مہم بھی شروع کر دی تھی۔

انگریزوں نے جب دیکھا کہ فوجی طاقت کے ذریعہ سراج الدولہ پر قابو حاصل کرنا ناممکن ہے تو انگریزوں نے ایک طرف تو خوشامد درآمد کے ذریعہ نواب سے معافی حاصل کر لی۔ اور دوسری طرف در پردہ نواب کے خلاف سازش کا جال بچھا کر نواب کے سپہ سالار میر جعفر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے بعد 1756ء میں رابرٹ کلائیو نے کلکتہ کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔

انگریزوں نے انتہائی عیاری کے ساتھ چونکہ نواب کے تمام فوجی افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس لئے کلکتہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور 1757ء میں پلاسی کی جنگ میں غدار میر جعفر کی سازش سے نواب سراج الدولہ کو شکست ہوگئی۔ انگریزوں نے نواب کو مرشد آباد سے گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا۔ اور اس طرح انگریز نے بہادری سے نہیں بلکہ عیاری اور مکاری کے ذریعہ بنگال اور بہار اور اڑیسہ پر بھی قبضہ جما لیا۔

سراج الدولہ کے بعد انگریزوں نے اپنے غدار میر جعفر کو بنگال کے تخت پر بٹھا دیا لیکن 1760ء میں انگریزوں نے غدار میر جعفر کو بھی معزول کر دیا۔ اور اس کے داماد میر قاسم کو تخت پر بٹھا دیا۔

انگریز جب میر قاسم کو اچھی طرح نچوڑ چکے اور اس سے خوب دولت سمیٹ چکے تو اس سے بھی خفا ہو گئے۔ چنانچہ 1762ء میں انگریزوں نے میر قاسم کے خلاف بھی فوج کشی کر دی۔ چونکہ انگریزوں نے حسب عادت رشوت دے کر میر قاسم کے فوجی افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس لئے میر قاسم کو شکست ہوگئی۔ اور انگریزوں نے دوبارہ غدار میر جعفر کو تخت نشین کر دیا۔

میر قاسم شکست کھانے کے بعد مغل بادشاہ اور نواب اودھ شجاع الدولہ سے مدد حاصل کرنے کے لئے الہ آباد جا پہنچا۔ مغل بادشاہ اور نواب اودھ میر قاسم کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ غرضیکہ بکسر کے میدان میں میر قاسم نواب اودھ اور مغل بادشاہ تینوں کی فوجوں کا انگریزوں سے سخت مقابلہ ہوا لیکن انگریز کی عیاری اور سازش کی بدولت اچانک ہندوستانی فوج میں پھوٹ ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1764ء میں بکسر کے میدان میں ہندوستانی فوجوں کو شکست ہوگئی۔

اس شکست کے بعد میر قاسم فرار ہونے کے بعد لاپتہ ہو گیا۔ نواب اودھ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور مغل بادشاہ شاہ عالم کو انگریزوں نے شیشہ میں اتار لیا چنانچہ وہ انگریزوں کے کیمپ میں چلا گیا۔

اودھ پر انگریزوں کا اقتدار

جس طرح پلاسی کی جنگ کے بعد بنگال بہار اور اُڑیسہ پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا بالکل اسی طرح بکر کی لڑائی کے بعد اودھ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ چنانچہ نواب اودھ نے شکست کے بعد نہ صرف پچاس لاکھ روپیہ تاوانِ جنگ ادا کرنا منظور کر لیا تھا بلکہ اودھ میں انگریزی فوج رکھنے پر بھی آمادہ ہو گیا تھا۔ اور چند دوسری ایسی شرائط بھی مان لی تھیں جن کے ذریعہ اودھ پر بھی انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ یعنی 1764ء میں انگریز اپنی ابن الوقتی کی بدولت کرناٹک، دکن، بنگال، بہار، اُڑیسہ اور اودھ کے مالک بن گئے۔

بادشاہ کی جانب سے انگریزوں کو حکومت کے اختیارات

فاتح ارکاٹ کلایو جس نے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اپنی عیاریوں اور مکاریوں کے ذریعہ ہندوستان بیشتر حصہ کو غصب کرنے کے صلہ میں گورنر تو پہلے ہی بن چکا تھا۔ لیکن اب اسے لارڈ کا خطاب بھی مل گیا تھا۔ 1765ء میں لارڈ کلایو جب اپنے لندن کے آقاؤں سے نئی ہدایات لے کر ہندوستان آیا تو اس نے سوچا کہ سب سے پہلے مغل بادشاہ کو شیشہ میں اُتارا جائے۔ اور اس سے باقاعدہ ہندوستان پر حکومت کے اختیارات حاصل کر لئے جائیں۔

لارڈ کلایو کو اپنے اس مقصد کے حصول میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ کیونکہ نا سمجھ بادشاہ پہلے ہی انگریزوں کی طرف جھکا ہوا تھا۔ چنانچہ مغل بادشاہ انگریزوں کے فریب میں آ گیا۔ اور اس نے کلایو کی خواہش پر ایک عہد نامہ کی رُو سے بنگال، بہار اور اُڑیسہ کی دیوانی یعنی حکومت کے اختیارات باضابطہ طور پر انگریزوں کی طرف منتقل کر دئے۔ اس کے علاوہ بطور جاگیر بنارس اور غازی پور کے علاقے بھی انگریزوں کو عطا کر دئے۔

بادشاہ نے صرف یہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کو ان تمام علاقوں کا مالک و مختار بھی بنا دیا جو انھوں نے زبردستی یا عیاری سے ہندوستانی فرمانرواؤں سے چھینے تھے۔ چنانچہ کرناٹک جو سلطنت حیدرآباد کا ایک ماتحت صوبہ تھا اسے بھی حیدرآباد سے جدا کرنے کے بعد انگریزوں کو دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ نا سمجھ بادشاہ کی عنایت سے شمالی سرکار کا علاقہ بھی انگریزوں کو مل گیا۔ غرضیکہ بے عقل بادشاہ نے باضابطہ طور پر تقریباً تہائی ہندوستان انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

ہندوستان کو مفلوج بنانے کے لئے انگریزوں کی چالیں

مغل بادشاہ کی حماقت اور لارڈ کلایو کی عیاری نے اگر چہ انگریزوں کو ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصہ کا بادشاہ بنادیا تھا لیکن اب بھی ہندوستان میں بہت سی ایسی طاقتیں موجود تھیں جو ابھرنے کے بعد انگریز کے لئے زبردست خطرہ بن سکتی تھیں۔ چنانچہ مرہٹے کافی طاقت پکڑ چکے تھے۔ نظام سے انگریزوں کو اس لئے اندیشہ تھا کیونکہ انھوں نے اس کے صوبہ کرناٹک کو بالا ہی بالا ہڑپ کرلیا تھا۔ روہیلوں کا زور روہیل کھنڈ اور اودھ میں بڑھتا چلا جارہا تھا۔ حیدرعلی نے نہ صرف میسور میں بلکہ سارے جنوبی ہند میں بہت بڑی اہمیت حاصل کرلی تھی۔ راجپوتوں سے بھی انگریزوں کو خطرہ تھا۔ سکھ جنھوں نے پنجاب میں طوفان برپا کررکھا تھا ان کو بھی انگریز اپنے لئے خطرناک سمجھ رہے تھے۔ انگریزوں کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر ہندوستان کی دو یا تین بڑی بڑی طاقتیں ان کے خلاف آپس میں متحد ہوگئیں تو ان کا کہاں ٹھکانا رہے گا۔ چنانچہ انگریزوں نے ہندوستان کی بڑی بڑی طاقتوں میں پھوٹ ڈال کر آپس میں لڑانے کیلئے جوڑتوڑ شروع کردیا۔

انگریزوں کے شرمناک کارنامے

انگریزوں کو سب سے زیادہ والیٔ میسور حیدرعلی کی فکر تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں کو ساتھ ملاکر 1722ء میں بغیر کسی وجہ کے میسور پر حملہ کردیا۔ لیکن انگریزوں کی بدقسمتی کہ نظام اور مرہٹوں نے انگریزوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور انگریزوں کو حیدرعلی کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوگئی۔

اس شکست کے بعد انگریزوں کو خود تو حیدرعلی کے خلاف قدم اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن انھوں نے 1772ء میں اپنی عیارانہ فطرت سے کام لے کر مرہٹوں کو حیدرعلی کے ساتھ بھڑا دیا۔ حیدرعلی کو شکست ہوگئی اور اس نے بہت سا روپیہ اور اپنی حکومت کے کچھ علاقے دیکر جان چھڑائی۔ غرضیکہ انگریزوں نے بڑی عیاری کے ساتھ ہندوستان کی دو بڑی طاقتوں میں خانہ جنگی برپا کرادی۔

حیدرعلی پر ضرب لگانے کے بعد انگریز روہیلوں کی جانب متوجہ ہوئے روہیلوں کی طاقت دن بدن بڑھتی چلی جارہی تھی۔ چنانچہ انگریز گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز نے نواب اودھ کا سہارا لے کر 1774ء میں روہیلوں کو کچل کر رکھ دیا۔

مرہٹوں نے رگھوناتھ راؤ کو پونا کی گدی سے اتار کر مادھو راؤ پیشواج کو گدی پر بٹھا دیا تھا۔

انگریزوں نے جب دیکھا کہ مرہٹوں میں خانہ جنگی برپا ہے تو انھوں نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ناکام پیشوار گھوناتھ راؤ کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اور اس کے نام سے مرہٹوں کے اکثر علاقے ہضم کر لئے۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ 1778ء میں انگریزی فوج رگھوناتھ راؤ کو دوبارہ پونا کے تخت پر بٹھانے کے لئے پونا تک جا پہنچی۔ مرہٹوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور انگریزوں کو میدان چھوڑ کر بمبئی بھاگنا پڑا۔

انگریزوں کی ابن الوقتیوں نے ہندوستان کے والیانِ ملک کو انگریزوں سے برگشتہ کر دیا تھا۔ چنانچہ 1780ء میں حیدرعلی مرہٹے اور نظام تینوں متحد ہو گئے اور ان تینوں کی انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ لیکن انگریز نے اپنی فطری عیاری سے کام لے کر نظام اور مرہٹوں کو توڑ لیا۔ بیچارہ حیدرعلی اکیلا رہ گیا۔ مگر اس کے باوجود حیدرعلی اور اس کے بیٹے ٹیپو نے ہر مورچہ پر انگریزوں کو شکست دی لیکن 1782ء میں جب حیدرعلی کا انتقال ہو گیا تو انگریزوں نے ٹیپو سلطان سے صلح کر کے اپنی جان چھڑا لی۔

انگریز جنہیں حیدرعلی اور سلطان ٹیپو کے مقابلہ میں سخت ناکامی ہو چکی تھی۔ بھلا کب خاموش بیٹھنے والے تھے۔ چنانچہ انگریز گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے نظامِ دکن اور مرہٹہ سردار نانا فرنویس کے ساتھ سازباز کر کے 1790ء میں صلحنامہ کے باوجود سلطان ٹیپو پر بلاوجہ حملہ کر دیا۔ سلطان ٹیپو کو شکست ہو گئی۔ اسے ساڑھے تین کروڑ روپیہ اور اپنی آدھی سلطنت انگریزوں کو دینی پڑی۔ چنانچہ ٹیپو کی آدھی سلطنت انگریز مرہٹوں اور نظام نے آپس میں بانٹ لی۔

نظام اور مرہٹے اگرچہ بار بار انگریزوں کی امداد کرتے رہے تھے۔ لیکن پھر بھی انگریزوں کو اپنے ان دونوں طاقتور دوستوں سے اندیشہ تھا۔ چنانچہ انگریز گورنر جنرل سرجان شور نے 1794ء میں مرہٹوں کو نظام کے خلاف اکسادیا۔ نظام اور مرہٹوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں نظام کو شکست ہو گئی۔ اور اسے مرہٹوں کی پیش کردہ ذلت آمیز شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ جس کی رُو سے نظام کو تین کروڑ روپیہ اور بہت سے اضلاع مرہٹوں کو دینے پڑے۔

نظام کی طاقت کو پاش پاش کرنے کے بعد انگریز گورنر جنرل سرجان شور نے مرہٹوں کی جانب رُخ کیا۔ چنانچہ انگریز کی عیارانہ چالوں کی بنا پر مرہٹہ سرداروں میں بری طرح خانہ جنگی برپا ہو گئی۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام کے بعد مرہٹوں کی طاقت بھی ٹوٹ گئی۔

آصف الدولہ نواب اودھ کے مرنے کے بعد 1797ء میں جب نواب کا بیٹا وزیرعلی اودھ کی گدی پر بیٹھا تو انگریزوں کو بہت فکر ہوئی۔ کیونکہ وزیرعلی انگریزوں کا شدید دشمن تھا۔ چنانچہ انگریز

گورنر جنرل سر جان شور نے وزیر علی کے خلاف ہنگامہ برپا کرادیا اور خود مداخلت کر کے وزیر علی کو گدی سے اُتار دیا اور اس کی بجائے اس کے چچا سعادت علی کو جو انگریزوں کا پٹھو تھا۔ اودھ کا نواب بنا دیا۔ اس کے بعد اس سے معاہدہ کر کے الہ آباد کے قلعہ پر انگریزوں نے قبضہ جمالیا اور فوجی مصارف کے نام پر حکومت اودھ انگریزں کو جو رشوت دیتی تھی۔ اس میں بھی اضافہ کر دیا۔ اودھ کے تخت کے جائز حقدار وزیر علی کو کلکتہ کے قید خانہ میں ڈالدیا۔ گویا انگریزوں نے اپنی عیارانہ فطرت کی بنا پر نواب اودھ کی طاقت کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔

مندرجہ بالا حقائق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے ملک گیری کی طرح میں کیسی کیسی شرمناک حرکتیں کی ہیں۔ اور انھوں نے کس عیاری کے ساتھ ہندوستان کی بڑی بڑی طاقتوں کو کچلا ہے۔

ہندوستانی والیانِ ملک کیلئے غلامی کا پٹہ

1798ء میں جب لارڈ ویلزلی گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے ہندوستانی والیانِ ملک کے لئے غلامی کی ایک نئی دستاویز تیار کی۔ جس کا نام۔ ''سب سیڈیری سسٹم'' رکھا گیا۔ اس سب سیڈیری سسٹم کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے والیانِ ملک انگریز کی بالادستی تسلیم کرلیں۔ انگریز کے علاوہ کسی دوسرے یورپین کو ملازم نہ رکھیں صلح اور جنگ انگریزوں کے مشورہ سے کریں۔ اور انگریزی فوج کو اپنی ریاستوں میں رکھیں اور اس کا خرچہ انگریزوں کو ادا کرتے رہیں یعنی تمام والیانِ ملک انگریز کے غلام بن جائیں۔

لارڈ ویلزلی نے ''سب سیڈیری سسٹم'' کے قبول کرنے کے لئے سلطان ٹیپو نظام کے لئے تیار اور آمادہ نہ ہوا۔ جب ویلزلی نے دیکھا کہ بغیر فوجی طاقت کے اس سسٹم کو کامیاب بنانا دشوار ہے تو اس نے مختلف والیانِ ملک کے خلاف فوجی یورش کا ایک مستقل پروگرام تیار کرلیا۔

لارڈ ویلزلی نے سب سے پہلے نظام کو شکار بنایا۔ نظام پر محض اس جرم میں حملہ کردیا گیا کیونکہ اس نے اپنی فوج میں فرانسیسیوں کو ملازم رکھ لیا تھا۔ نظام جو مرہٹوں سے پہلے ہی خائف تھا۔ اس میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ انگریزوں کا مقابلہ کرسکتا۔ لہٰذا اس نے بادلِ ناخواستہ سبسیڈیزی سسٹم قبول کر کے انگریزوں کے محضرِ غلامی پر دستخط کردیے۔

نظام کو زیر کرنے کے بعد 1799ء میں انگریزی فوجیں سلطان ٹیپو کو نیچا دکھانے کے لئے میسور میں داخل ہوگئیں۔ انگریزوں کے دوش بدوش انگریزوں کے اطاعت شعار نظام کی فوجیں

بھی اس معرکہ میں شامل تھیں ٹیپو نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور وہ لڑتے ہوئے اس جنگ میں مارا گیا۔

ٹیپو کی موت کے بعد انگریزوں نے ٹیپو کے خاندان کو میسور کی حکومت سے محروم کر دیا۔ میسور کا اہم علاقہ انگریزوں نے خود دبالیا۔ کچھ علاقہ نظام کو بھی وطن کے ساتھ غداری کے صلہ میں دیدیا گیا جو تھوڑا بہت علاقہ بچ گیا تھا وہ میسور کے سابق ہندو راجہ کے خاندان کے ایک نوعمر لڑکے کو دیکر اسے راجہ بنادیا گیا۔ نظام کو انگریزوں نے جو علاقہ عطا کیا تھا وہ انگریزوں نے 1800ء میں فوجی اخراجات کے نام پر واپس لے کر انگریزی حکومت میں شامل کر لیا۔

نواب کرناٹک انگریزوں کا محسن اعظم تھا۔ جس نے کہ انگریزوں کو ہندوستان کا بادشاہ بننے میں سب سے زیادہ مدد دی تھی۔ لیکن 1801ء میں جب نواب کرناٹک مر گیا تو انگریز گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے اپنی روایتی محسن کشی کا ثبوت دیتے ہوئے نواب کے بیٹے علی حسین پر زیادہ زور دیا کہ وہ نوابی کا خطاب اور انگریزوں سے سالانہ وظیفہ قبول کرنے کے بعد کرناٹک کی حکومت سے دستبردار ہو جائے۔ علی حسین نے جب انکار کیا تو اسے زبردستی تخت سے اُتار دیا گیا۔ اور اس کے ایک رشتہ دار عظیم الدولہ کو نوابان کرناٹک کا جانشین قرار دیکر ریاست سے دستبرداری کا پروانہ لکھوالیا اور اس کا معمولی سا وظیفہ مقرر کر دیا۔ غرضیکہ 1801ء میں انگریزوں نے کرناٹک کو بھی ہضم کر لیا۔ اسی سال ویلزلی نے تنجور کے راجہ کو گدی سے اتار کر اس کے علاقہ پر بھی غاصبانہ قبضہ جمالیا۔

جنوبی ہند کی ریاستوں کو ہڑپ کرنے کے بعد لارڈ ویلزلی نے شمالی ہند میں اودھ کی جانب توجہ کی۔ ویلزلی نے نواب اودھ پر ''سب سیڈیٹری سسٹم'' کے قبول کرنے پر زور دیا۔ نواب میں کیا طاقت تھی جو انکار کر سکتا۔ چنانچہ 1801ء میں انگریزوں کا نواب اودھ سے ایک نیا معاہدہ ہو گیا۔ جس کی رُو سے گورہ فوج ریاست میں متعین کر دی گئی۔ اور اس کے اخراجات کے معاوضہ میں نواب کو اودھ کا آدھا علاقہ انگریزوں کی نذر کرنا پڑا۔

انگریزوں نے مرہٹوں میں خانہ جنگی کا جو بیج بویا تھا۔ اس کی بنا پر مرہٹوں میں خانہ جنگی برابر بڑھتی رہی۔ چنانچہ پونا کی گدی کیلئے پیشوا ہلکر اور سندھیا مین جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں ہلکر نے باجی راؤ پیشوا اور سندھیا دونوں کو مغلوب کر لیا۔ ہلکر کی فتح کے بعد باجی راؤ پیشوا پونا سے فرار ہو کر انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ انگریزوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پیشوا کو بھی ''سب سیڈیٹری سسٹم'' کا غلام بنالیا چنانچہ 1802ء میں پیشوا کا انگریزوں سے ایک معاہدہ ہو گیا۔

جو عہد نامہ بیسین کے نام سے مشہور ہے۔ اس عہد نامہ کی رُو سے پیشوا نے انگریزوں کی سرداری قبول کر لی۔ انگریزی فوج اپنی ریاست میں رکھ لی۔ اور 26 لاکھ روپیہ سالانہ کی مالگذاری کا علاقہ گورہ فوج کے خرچ کے لئے انگریزوں کو دیدیا۔ انگریزوں نے اسے دوبارہ پونا کی گدی پر بٹھا دیا۔

مرہٹوں کی مرکزی حکومت کا حکمران پیشوا جب انگریزوں کا غلام بن گیا۔ تو مرہٹوں میں انگریزوں کے خلاف سخت ناگواری پھیل گئی۔ لارڈ ویلزلی نے جب دیکھا کہ مرہٹے بغاوت پر آمادہ ہیں تو اس نے 1803ء میں مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ سندھیا اور بھونسلا بڑی بہادری کے ساتھ انگریزوں سے لڑے لیکن انھیں تقریباً ہر مورچہ پر شکست ہوئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں ہر جگہ مرہٹوں کو خوب کچلا۔ چنانچہ جنرل لیک دہلی فتح کرنے کے بعد دارالسلطنت میں داخل ہو گیا۔ مرہٹے جو دہلی پر چھائے ہوتے تھے۔ ان کا بری طرح قتلِ عام کیا۔ انگریزوں نے نام نہاد مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کو اپنی نگرانی میں لے کر ایک لاکھ روپیہ سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ یعنی دہلی کی مرکزی حکومت پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ مرہٹوں کی اس شکست کے بعد 1803ء میں سندھیا اور بھونسلا نے بھی انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن مرہٹہ سردار ہلکر بدستور انگریزوں سے جنگ کرتا رہا۔ اور انگریز سخت کوشش کے باوجود اسے زیر نہ کر سکے۔

انگریزوں کی دست درازیاں

دہلی کے مرکزی حکومت پر قبضہ جمانے کے بعد اور احمق مغل بادشاہ کو قابو میں لے کر انگریز اگرچہ مغلیہ حکومت کے جانشین بن چکے تھے۔ اور ان کی حکومت خطرات سے پاک ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزوں کی دست درازیاں بدستور جاری رہیں۔

لارڈ منٹو جب گورنر جنرل بن کر 1807ء میں ہندوستان آیا تو اس نے دیکھا کہ بندیلکھنڈ کے امیروں اور سرداروں میں ابھی جان باقی ہے۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کا وجود آگے چل کر حکومت کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ چنانچہ 1807ء میں انگریزی فوجیں بندیلکھنڈ پر چڑھ دوڑیں۔ جو برابر دو سال تک تمام علاقہ میں قتل عام برپا کرتی رہیں۔ آخر 1809ء میں بندیلکھنڈ کے امیروں اور رئیسوں کو کچل کر ختم کر دیا گیا۔

لارڈ منٹو نے جب یہ دیکھا کہ راجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی ہے تو اسے رنجیت سنگھ سے دوستی پیدا کرنے کی فکر ہوئی۔ کیونکہ منٹو یہ چاہتا تھا کہ سکھ پنجاب میں تو جو چاہے کرتے رہیں لیکن دہلی اور اودھ کی جانب نہ آئیں۔ چنانچہ 1809ء میں انگریزوں اور سکھوں

کے درمیان امرتسر میں ایک عہد نامہ ہو گیا جس کے بعد رنجیت سنگھ نے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنی تمام سرگرمیاں صرف پنجاب تک محدود رکھے گا۔

نیپال کی بہادر گورکھا قوم کو انگریز مدت دراز سے بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ مارکوئس آف ہسٹنگز جب گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا تو اس نے 1814ء میں بلا سبب ان کے خلاف فوج کشی کر دی۔ بہادر گورکھوں نے ہر مورچہ پر انگریزوں کو شکست دی تو انگریز نے حسب عادت سازش کا جال بچھا دیا۔ گورکھا سرداروں کو لالچ اور رشوت کے ذریعہ توڑ لیا اور اس طرح 1816ء میں گورکھوں کی بہادر قوم کو شکست ہو گئی۔ اور انگریزوں نے انھیں اس بری طرح سے کچلا کہ یہ زمانہ دراز تک نہ سنبھل سکے۔

پنڈاریوں نے پچھلے چند سال میں ملک میں خاص اہمیت حاصل کر لی تھی۔ پنڈاری جن کو انگریز مورخوں نے لٹیرا اور ڈاکو ظاہر کیا ہے۔ ہندوستان کی ایک ایسی بین الملکی فوجی جماعت تھی۔ جس میں ہندو، مسلمان، مرہٹے، راجپوت، جاٹ اور ہر قوم کے افراد شامل تھے۔ انگریز بھلا اس غیر فرقہ ورانہ قومی جماعت کو کیونکہ برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ نگریزوں نے گورکھوں سے فارغ ہوتے ہی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ذریعہ پنڈاریوں پر حملہ کر دیا۔ چاروں طرف سے پنڈاریوں کو گھیر گھیر کر شکار کیا گیا۔ غرضیکہ 1817ء میں ہسٹنگز نے اس بہادر جماعت کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔

انگریزوں نے باجی راؤ پیشوا کو پونا کی گدی پر بٹھا دیا تھا۔ مگر وہ پیشوا سے خوش نہیں تھے چنانچہ انھوں نے پیشوا سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ انھوں نے 1818ء میں اپنے تمام سابقہ عہد ناموں کو پس پشت ڈالتے ہوئے پیشوا پر حملہ کر دیا۔ پیشوا نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پیشوا کو شکست ہو گئی۔ اور انگریزوں نے اسے معزول کر کے جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے سندھیا اور بھونسلا کو نئی شرائط کے ماتحت بالکل بے دست و پا کر دیا۔ اسی زمانہ میں انگریزوں نے اندور پر یورش کر کے جسونت راؤ ہلکر کے معصوم بیٹے کا بہت بڑا علاقہ دبا لیا۔ اور تھوڑا سا علاقہ کمسن راجہ کو دیکر وہاں انگریز ریزیڈنٹ مقرر کر دیا غرضیکہ انگریزوں نے ایک ساتھ پیشوا۔ سندھیا۔ بھونسلا اور ہلکر یعنی تمام مرہٹہ سرداروں کو ختم کر دیا۔

برما بھی انگریزوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ انگریزوں نے برما کے راجہ پر جھوٹے الزامات لگانے کے بعد 1824ء میں برما پر چڑھائی کر دی۔ برمی دو سال تک بڑی بہادری کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن 1826ء میں برمیوں کو شکست ہو گئی۔ اور انگریزوں کے

قبضہ میں برما کا بہت بڑا علاقہ آ گیا۔

برما کے بعد انگریزوں نے افغانستان کو تاکا۔ چنانچہ انگریز فوجیں 1839ء میں افغانستان میں داخل ہوگئیں۔ افغانستان کے بادشاہ دوست محمد خاں کو شکست ہوگئی اور انگریزوں نے اپنے پٹھو شاہ شجاع کو افغانستان کے تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن چند ہی روز میں افغانستان میں ایسی بغاوت برپا ہوئی کہ اس بغاوت میں نہ صرف انگریزوں کا پٹھو شاہ شجاع مارا گیا بلکہ انگریز فوج کا ایک ایک سپاہی کام آ گیا انگریزوں کی اس ناکامی کے بعد دوست محمد خاں دوبارہ افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔

امیران سندھ سے انگریزوں کا دوستانہ معاہدہ تھا۔ لیکن انگریز کی یہ فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ وقتِ ضرورت تمام معاہدوں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ 1843ء میں انگریزوں نے جھوٹے الزامات لگا کر امیران سندھ پر اپنی فوجیں چڑھا دیں سندھ تمام قلعے مسمار کر ڈالے۔ سندھی بیگمات کی خوب بے آبروئی کی گئی۔ اور سندھ پر غاصبانہ قبضہ جمانے کے بعد اسے بھی انگریزی علاقہ میں شامل کر لیا گیا۔

پنجاب میں سکھوں کا زور چونکہ دن بدن بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس لئے 1845ء میں انگریزوں نے پنجاب کے سکھوں پر بھی یورش کر دی۔ انگریزوں اور سکھوں میں 1846ء میں ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رُو سے سکھوں کو بیاس تک کا علاقہ انگریزوں کو دینا پڑا۔ لیکن انگریز اس معاہدہ سے مطمئن نہ تھے کیونکہ وہ تو سارے پنجاب کو ہضم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ 1848ء میں جھوٹے الزامات لگا کر انگریزوں نے پنجاب پر اپنی فوجیں چڑھا دیں۔ سکھوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا اور سکھوں کی شکست کے بعد 1849ء میں پنجاب کو بھی انگریزی علاقہ میں شامل کر لیا گیا۔ کمسن راجہ دلیپ سنگھ کو تخت سے محروم کرنے کے بعد معمولی سی پنشن دیکر لندن بھیج دیا گیا۔

پنجاب کو انگریزی علاقہ میں شامل کرنے کے تین سال بعد 1852ء میں انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے یہ کہہ کر برما پر دوبارہ حملہ کر دیا کہ "برما کا راجہ انگریز تاجروں کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے"۔ لیکن حملہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ پہلی برما کی لڑائی کے بعد راجہ کو برما میں جو تھوڑا بہت اقتدار حاصل تھا۔ اسے انگریز گوارہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ برما کی اس دوسری جنگ میں راجہ کو شکست ہوگئی اور برما بھی انگریزی علاقہ میں شامل کر لیا گیا۔

انگریز حیدر آباد کا علاقہ بھی ہضم کرنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے حیدر آباد پر تو ہاتھ نہیں ڈالا۔ البتہ 1853ء میں برار فوجی اخراجات کے بہانہ سے ہڑپ کر لیا اور 1856ء میں نوب وزیر اودھ

واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ بھیج دیا۔ چنانچہ اودھ کے علاقہ پر بھی انگریزوں نے غاصبانہ قبضہ جما لیا۔ غرضیکہ انگریزوں نے انتہائی عیاری اور مکاری کے ساتھ ایک ایک کر کے تمام علاقے ہندوستانیوں سے چھین لئے۔

انگریزوں سے ملک میں عام بیزاری

لارڈ کینگ جب 1856ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے یہ محسوس کیا کہ انگریزوں کے ظالمانہ سلوک کی بنا پر سارے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف سخت ناگواری پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ ناگواری اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ کسی وقت بھی ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف شدید ہنگامہ برپا ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جو ناگواری پھیلی ہوئی تھی اس کے چند بڑے بڑے اسباب یہ تھے۔ مغل بادشاہ کی اولاد کو دہلی کے قلعہ سے محروم کر کے انگریزوں نے شاہ پسندوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اودھ کے الحاق سے تمام تعلقدار بگڑ گئے تھے۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی کے ساتھ بدسلوکی کر کے انگریزوں نے ایک بڑے طبقہ کو ناراض کر دیا تھا۔ پیشوا کے متبنّی کو وظیفہ سے محروم کر کے اور مرہٹہ ریاستوں پر غاصبانہ قبضہ جما کر انگریزوں نے مرہٹوں کو اپنا مخالف بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ فوجوں میں اور عوام میں بھی انگریزوں کے خلاف سخت ناگواری پھیلی ہوئی تھی۔

1857ء کا غدر

انگریزوں کے خلاف کیونکہ بری طرح نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے 6 مئی 1857ء کو جب میرٹھ کے ایک انگریز فوجی افسر نے ہندوستانی سپاہیوں کو چربی والے کارتوسوں کو دانت سے توڑنے کا حکم دیا تو 85 سپاہیوں نے ان کارتوسوں کے استعمال سے انکار کر دیا۔ جس پر ان 85 سپاہیوں کو نہ صرف سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ بلکہ ان کو بری طرح تذلیل کرنے کے بعد قید بھی کر دیا گیا۔

اس ذلت کا جواب میرٹھ کے خوددار ہندوستانی سپاہیوں نے یہ دیا کہ اُنھوں نے 10 مئی 1857ء کو کھلم کھلا انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ انگریز سول اور فوجی افسروں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ سپاہیوں نے جیل خانہ پر حملہ کر کے ان کے 85 سپاہیوں کو رہا کرا لیا جن کو انگریزوں نے جیل میں ٹھونس دیا تھا۔ سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔ اور انقلاب پسند سپاہی میرٹھ سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔

11 مئی 1857ء کو جب میرٹھ کے انقلاب پسند دہلی پہنچے تو دہلی کی دیسی فوج ان کے ساتھ مل گئی۔ انقلاب پسندوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کے انکار کے باوجود اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور دہلی میں بھی میرٹھ کی طرح گئے ۔ انگریز مرد عورتیں اور بچے جہاں بھی ملے انقلاب پسندوں نے انھیں تہ تیغ کر دیا۔ سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی ۔ غرضیکہ انقلاب پسندوں کا دہلی پر پوری طرح قبضہ ہو گیا۔

میرٹھ اور دہلی کی طرح کانپور میں بھی بغاوت برپا ہوگئی۔ باغیوں کی رہنمائی پیشوا کا متبنی نانا صاحب کر رہا تھا۔ یہاں بھی انگریزوں کا بری طرح قتل عام ہوا۔ لکھنؤ میں انقلاب پسندوں نے واجد علی شاہ کے بیٹے کو اودھ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور انگریزوں کو تقریباً ہر مورچہ پر شکست دی۔ لکھنؤ میں بھی جہاں جہاں انگریز تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔ وسط ہند اور بندیلکھنڈ میں انقلاب پسندوں کی رہنمائی جھانسی کی رانی لکشمی بائی کر رہی تھی ۔ نانا صاحب کا سپہ سالار تانتیا ٹوپی رانی کا کمانڈر تھا۔ رانی نے بڑی بہادری کے ساتھ انگریز فوجوں کا مقابلہ کیا۔ اور وطن کے لئے لڑتی ہوئی میدانِ جنگ میں ماری گئی۔

انقلاب پسندوں کا خیال تھا کہ یہ آگ رفتہ رفتہ سارے ملک میں پھیل جائیگی لیکن ملک کی بدقسمتی کہ میرٹھ، دہلی، کانپور، لکھنؤ اور وسطی ہند سے آگے یہ انقلابی تحریک نہ بڑھ سکی۔ انقلابیوں نے بڑی بہادری کے ساتھ تقریباً ساڑھے چار ماہ دہلی اور دیگر مقامات پر انگریزی فوج کا سخت مقابلہ کیا مگر انقلابیوں کو ناکامی ہوئی ۔ میرٹھ، دہلی، کانپور، لکھنؤ اور ہر جگہ انقلابیوں کو فوجی طاقت سے کچل دیا گیا۔ غرضیکہ جنرل نکلسن انگریز اور سکھ فوج کی مدد سے دہلی کو دوبارہ فتح کر لیا۔ لیکن عین فتح کے وقت جنرل نکلسن انقلابیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ انگریز فوجیں جب دہلی میں داخل ہوئیں تو انھوں نے پرامن شہریوں کا قتل عام کر کے اچھی طرح انتقام لیا۔ سرِ بازار محبانِ وطن کو پھانسیاں دی گئیں اور گولیوں سے اُڑا دیا گیا۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور شہزادے جو لال قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں چلے گئے تھے ۔ ان کو نہایت ذلت کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ بوڑھے بہادر شاہ کی آنکھوں کے سامنے اس کے دو نوجوان بیٹوں کو گولی سے مارا گیا۔ مغل بیگمات اور شہزادیوں کی بری طرح بے آبروئی کی گئی اور بہادر شاہ کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ بہادر شاہ جلاوطنی کے عالم ہی میں رنگون میں مر گیا۔ غرضیکہ اس طرح مغلیہ حکومت کے آخری ٹمٹاتے ہوئے چراغ کو بھی انگریزوں نے گل کر دیا۔

غدر 1857ء کے بعد

غدر 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے ہندوستان کے ہر حصہ میں مسلمانوں کو خصوصاً اور محبانِ وطن کو عموماً خوب کچلا۔ مسلمانوں کی جاگیریں اور جائدادیں چھین لیں گئیں۔ ان کو ملازمت کے حقوق سے محروم کردیا گیا۔ اوران کو فنا کرنے کے لئے کوئی کوشش باقی نہیں چھوڑی لیکن خدا کی قدرت کہ سخت آزمائش کے باوجود مسلمان زندہ رہے اورانھوں نے جلد ہی اس برصغیر میں ایسی نمایاں حیثیت حاصل کرلی کہ انگریز ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نوے سال ہندوستان میں حکمراں رہے انھوں نے ہندوستانیوں کی گردن میں مضبوط سے مضبوط طوقِ غلامی کے ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن انگریز جتنا آزادی کے جذبہ کو دباتا تھا۔ یہ جذبہ اُبھرتا چلا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف متعدد سیاسی انجمنیں کھڑی ہوگئیں۔ اورانھوں نے ہندوستان کے باشندوں میں اس قدر بیداری پیدا کردی کہ انگریز 1947ء میں اس برعظیم کو آزاد کرنے پر مجبور ہوگیا۔

”انقلاب زندہ باد۔ دورِ آزادی پائندہ باد“